

خلافت راشدہ: حق چار یار

یا اللہ

ختم نبوت: زندہ باد



سوال و جواب
عبداللہ علی

سوال و جواب
عبداللہ علی

سوال و جواب
عبداللہ علی

سوال و جواب
عبداللہ علی



تنظیم فکر ولی اللہی اپنے افکار کے آئینہ میں

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

بن

ام اہل سنت شیخ الحدیث و التفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

ناشر: حق چار یار اکیڈمی، گجرات

0312-4612774

تنظیم فکر ولی الہی اپنے افکار کے آئینے میں

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

بن

امام اہل سنت، شیخ الحدیث والنفیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

ناشر: حق چار یاڑ اکیڈمی، گجرات

0312-4612774

زیر ترتیب کتاب کی برقی اشاعت!

جون ۲۰۲۲ء

انتساب

قطب الاقطاب سرپرست تحریک ریشمی رومال رئیس المجاہدین حضرت مولانا
شاہ عبدالرحیم رائے پوری نور اللہ مرقدہ

امام الاولیاء، فخر المجاہدین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ
اور

پیشوائے شریعت، مقتدائے طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری
نور اللہ مرقدہ

کے نام

جنہوں نے فکر دیوبند کے حقیقی خدو خال کو اجاگر کیا۔ اسلاف دیوبند کی
اجماعی تحقیقات پر اعتماد کیا اور اکابرین دیوبند کی متواتر تعلیمات کو فروغ دیا۔

فہرست

- 3انتساب
- 11حرف تائید مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری
- 12تائید مزید: حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
- 13تائید مزید: مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری
- 16آغاز سخن
- 16ادھوری کامیابی!
- 17ضروری وضاحت!
- 18مضمون کی طبع ثانی!
- 18حقیقت کیا افسانہ کیا؟
- 19کلمات تشکر!
- 21پیش لفظ طبع سوم
- 23تنظیم فکر ولی اللہی کے دفاعی موقف کی حقیقت
- 23(۱) حضرت شیخ، والد محترم مدظلہ کی ناراضگی کا پروپیگنڈہ
- 23(۲) فکری قیادت کے سامنے لا جواب ہونے کا پروپیگنڈہ
- 24(۳) جواب جلد آ رہا ہے
- 25کتاب کے مصنفین!
- 26(۱)..... مولانا سعید احمد رائے پوری کی خانقاہی نسبت
- 27(۲)..... دستور کی بنیادی دفعات

- 29 (۳) حلف نامہ برائے ارکان
- 30 (۴) علماء کرام کی تائیدی آراء
- 30 [۱] حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ
- 32 [۲] حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ
- 33 [۳] حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی
- 34 [۴] حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
- 35 (۵) حمایت میں فتوے
- 35 [۱] دارالعلوم کراچی کا فتویٰ
- 35 [۲] دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ
- 36 [۳] جامعہ اشرفیہ لاہور کا فتویٰ
- 36 [۴] جامعہ قاسم العلوم ملتان کا فتویٰ
- 36 [۵] دارالعلوم رحمانیہ کراچی کا فتویٰ
- 38 [۶] فکری تحریک کے ناظم عمومی کا فتویٰ
- 40 (۶) علماء کے نام خطوط
- 40 [۱] مولانا عبدالرحمن اشرفی کے نام مکتوب
- 43 [۲] مولانا عبد المجید صاحب (کھروڑپکا) مدظلہ کے نام مکتوب
- 46 [۳] مولانا سلیم اللہ خان کے نام مکتوب
- 49 [۴] صاحبزادہ محمود شاہ کا مولانا سلیم اللہ خان کے نام مکتوب
- 51 علماء کیلئے باعث شرم عناصر
- 55 [۵] ناظم نشر و اشاعت کا بنوری ٹاؤن کے مہتمم کے نام مکتوب
- 59 [۶] نائب رئیس دارالافتاء کے نام مکتوب
- 61 (۷) افکار فاسدہ سے برأت

- 63 زیر نظر کتاب کا مأخذ.....
- 63 چند افکار فاسدہ.....
- 64 فکری تحریک کے افکار فاسدہ: تنظیمی لٹریچر کے آئینے میں.....
- 64 (تفسیر ”المقام المحمود“ کی روشنی میں).....
- 67 حضرت سندھیؒ کی اساس تفسیر.....
- 69 **مقدمہ**.....
- 69 فکری تحریک کے مقاصد و پروگرام.....
- 69 فکری تحریک کا تاریخی پس منظر!.....
- 69 مقصد قیام تنظیم!.....
- 70 کیا انبیاء کرامؑ کی دعوت عام نہ تھی؟.....
- 71 فکری تحریک کے باطنی مقاصد!.....
- 72 تنظیم کی بنیادی فکر!.....
- 74 ولی اللہی افکار کی طرف نسبت کی حقیقت.....
- 74 فکری تحریک کا ظاہری پروگرام!.....
- 76 فکر ولی اللہی کے حقیقی خدو خال.....
- 78 **فکری تحریک کے افکار و نظریات**.....
- 79 پہلی فکر فاسدہ: فکری تحریک کے اہداف.....
- 79 پہلا ہدف: سیکولرازم کیلئے جدوجہد!.....
- 85 دوسرا ہدف: مذہب سے بیزاری!.....
- 90 دوسری فکر فاسدہ: تنظیم فکر ولی اللہی اشتراکیت کی دہلیز پر.....
- 90 مجبوری یا منصوبہ؟.....

- 90 اشتراکی نظام کی مدح سرائی! اشتراکی تحریک کی مخالفت نہیں چاہیے! اشتراکی انقلاب مذہب کے خلاف نہ تھا! اشتراکی انقلاب نے خطہ کی تقدیر بدل دی! روس نے دنیا کا امن بچا لیا! اشتراکی تحریک بہتر نظام میں داخل ہو چکی ہے! روس نے امریکہ کو سیاسی شکست دیدی! اشتراکی نظام کے ذریعہ دنیا کا نقشہ بدل جائیگا! اشتراکی پروگرام قرآن سے اخذ کیا گیا ہے۔ کمیونسٹ انقلاب کی اصلیت! مذہب کے بارہ میں اشتراکی نظریات! اشتراکی نظام میں عورت کی حیثیت! وسط ایشیاء کی مسلم ریاستیں اور کمیونسٹ انقلاب! قیام اسرائیل اور اشتراکی لیڈر! اشتراکی انقلاب صہیونی سازش! روسی دہریت اور فکری تحریک! کیا اشتراکیت دشمنی امریکہ نوازی ہے؟ کیا روس سامراج نہیں؟ تیسری فکر فاسد: اہل السنۃ والجماعۃ سے مراد فکری تحریک! چوتھی فکر فاسد: ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور فکری تحریک.... پانچویں فکر فاسد: حضرت آدمؑ کا سفر بچپن تا جوانی!..... شجر ممنوعہ سے مراد جنسی تعلق

- 112 جنت میں آدمؑ کی اولاد.....
- 113 چھٹی فکر فاسد: وحدتِ انسانیت.....
- 114 چھٹی فکر فاسد: وحدتِ ادیان.....
- 115 ساتویں فکر فاسد: بین الاقوامی مساوات پر مبنی نظام!.....
- 125 آٹھویں فکر فاسد: صرف سیرت خاتم الانبیاءؑ ناکافی ہے!
- 128 نویں فکر فاسد: اسلام کی اثر آفرینی پیغمبرؐ کی شخصیت میں نہیں!
- 131 دسویں فکر فاسد: مقصد قرآن اصل مذاہب کی تغلیط نہیں
- 131 گیارہویں فکر فاسد: غلبہ اسلام سے کفر کا خاتمہ مراد نہیں!
- 137 بارہویں فکر فاسد: نزولِ مسیحؑ اور ظہور مہدیؑ کا انکار!.....
- 138 ایک غلط فہمی کا ازالہ!.....
- 140 (۶) انکار حیاتِ مسیحؑ!.....
- 142 تیرہویں فکر فاسد: غیر مسلم بھی پیرویِ دین سے کامیاب!
- 143 چودہویں فکر فاسد: عالمی تصادم مذاہب کی بنیاد پر نہیں!
- 144 پندرہویں فکر فاسد: مذہبی قانون سازی ضیاعِ وقت!
- 145 (۱) شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ!.....
- 147 (۲) عورت کی سربراہی!.....
- 149 (۳) حدارتداد سے امتیازی پھیلے گی!.....
- 150 (۴) قانونِ جزیہ کا مطالبہ دینی حقائق سے ناواقفیت!.....
- 154 سولہویں فکر فاسد: فرسودہ ماضی سے دستبرداری!.....
- 156 سترہویں فکر فاسد: عالمگیریت، جو قومیت میں بدل گئی!
- 158 دو شاگردوں کا خوفناک ٹکراؤ!.....
- 161 اٹھارویں فکر فاسد: حکمت قرآن محفوظ، قانون قرآن غیر محفوظ

- 163 سنت کے بارہ میں پرویزی نظریہ!
- 168 دلچسپ لطیفہ!
- 168 انیسویں فکر فاسد: اجماع امت احکامات قرآنیہ ملتوی کر سکتا ہے۔
- 168 بیسویں فکر فاسد: معاشی مساوات کا اشتراکی نظریہ!.....
- 170 اکیسویں فکر فاسد: بنیاد تعلیمات نبوی معاشی اصلاحات!
- 174 قیصر و کسریٰ کو دعوت!
- 176 بائیسویں فکر فاسد: دعوت قیصر و کسریٰ بوجہ معاش.....
- 176 تیسویں فکر فاسد: سزائے اخروی سے انکار!.....
- 177 چوبیسویں فکر فاسد: کفار کیلئے عذاب الہی سے انکار!
- 177 پچیسویں فکر فاسد: نار جہنم سے مراد بخار جسم!.....
- 177 چھبیسویں فکر فاسد: انکار شفاعت!.....
- 177 ستائیسویں فکر فاسد: مراد عذاب و ثواب قلبی کیفیات
- 178 اٹھائیسویں فکر فاسد: قبول توبہ سے مراد ترقی!.....
- 178 انتیسویں فکر فاسد: نماز، روزہ مقصد نہیں، ذرائع مقصد!
- 178 تیسویں فکر فاسد: زکوٰۃ عمال کے بغیر ناممکن!.....
- 178 اکتیسویں فکر فاسد: مسخ صور سے انکار!.....
- 179 بتیسویں فکر فاسد: معجزات احیاء موتی سے انکار!.....
- 182 تینتیسویں فکر فاسد: پھڑے کی پوجا سے قتل ضمیر کا حکم
- 182 چونتیسویں فکر فاسد: بنی اسرائیل پر موت نہیں سکتی!
- 182 پینتیسویں فکر فاسد: علماء..... دشمنی!.....
- 182 (پہلا الزام) مذہب کی بنیاد پر نفرت!
- 183 (دوسرا الزام) فرقہ پرستی!

- 185 (تیسرا الزام) علماء سامراجیت کے ایجنٹ ہیں!.....
- 186 (چوتھا الزام) علماء سیاسی شعور سے محروم ہیں!.....
- 187 **فصل سوم**
- 187 جہاد و قتال: فکری تحریک کی نظر میں
- 191 شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور نظریہ جہاد!.....
- 191 امام سندھیؒ اور نظریہ جہاد!.....
- 193 ترک جہاد کے فکری اسباب!.....
- 193 ﴿پہلا سبب﴾ جنگ کا ماحول سامراج کے مفاد میں ہے!.....
- 195 ﴿دوسرا سبب﴾ جنگ معاشی مفاد کے خلاف ہے!.....
- 19 ﴿تیسرا سبب﴾ جنگ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے!.....
- 198 ﴿چوتھا سبب﴾ مذہبی بنیاد پر جنگ کرنا جہالت ہے!.....
- 199 ﴿پانچواں سبب﴾ مذہبی بنیاد پر جنگ غلام قوموں کا شیوہ ہے!.....
- 200 ﴿چھٹا سبب﴾ ہندو مسلم جنگیں فرنگی دور کی پیداوار ہیں!.....
- 202 فکری حضرات کی دوغلی پالیسی!.....
- 203 (۱) جہاد افغانستان اور فکری تحریک!.....
- 205 فکری حضرات کا ایک مغالطہ اور اس کا جواب!.....
- 206 شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی فتویٰ اور جہاد افغانستان!.....
- 208 (۲) جہاد فلسطین اور فکری تحریک!.....
- 209 افغان جہاد، فلسطین سے توجہ ہٹانے کی سازش!.....

212 مولانا عبدالحق خان بشیر کی زیر ترتیب کتب

213 مولانا عبدالحق خان بشیر کی تالیفات

حرف تائید

مجاہد اسلام حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری مدظلہ

(ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

”تنظیم فکر ولی اللہی“ کے بارے میں اب تک جو معلومات سامنے آئی ہیں ان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ تنظیم اپنے عقائد و افکار اور ترجیحات میں مسلک علماء دیوبند اہلسنت والجماعت کی صحیح نمائندگی نہیں کرتی۔ فکری کجی اور اعتقادی کمزوریاں بھی اس تنظیم کی بدولت فروغ پا رہی ہیں۔ تاہم بہت سے حضرات کے اذہان میں اس تنظیم کے افکار و اعمال کے بارے میں ابہام پایا جاتا ہے۔ اور تنظیم کے ذمہ داران بھی اپنے نظریات عام مجموعوں میں کھل کر بیان نہیں کرتے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس تنظیم کے افکار و نظریات کی حقیقت اور قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی شرعی حیثیت واضح طور پر عوام کے سامنے آجائے۔ بحمد اللہ تعالیٰ امام اہل سنت والجماعت ترجمان مسلک دیوبند شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب زید مجدہم نے اس ضرورت کو باحسن وجوہ پورا کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ان کی کاوش کو قبول فرمائیں اور قبولیت عطا فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کتابچہ کا مطالعہ انشاء اللہ العزیز عامۃ المسلمین کیلئے نافع اور چشم کشا ہوگا۔

والسلام

محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان (۲۹، رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ، ۱۵، دسمبر ۲۰۰۱ء)

تائید مزید

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم و محترم جناب مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب زید عمرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کافی دن ہوئے برادر م مولانا سعید احمد جلاپوری صاحب کے توسط سے آنجناب کی ارسال کردہ کتاب ”مولانا عبید اللہ سندھی“ اور تنظیم فکر ولی الہی، ”موصول ہوئی، اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی کہ اس پر اپنے تاثرات لکھوں۔
میں بنیادی طور پر لکھنے لکھانے کا آدمی نہیں ہوں، پھر طبیعت کے ضعف، مصروفیات اور اسفار نے اس کو دو چند مشکل بنا دیا۔

بہر حال آپ کی کتاب وقت کی ضرورت اور اکابر اسلاف کی دفاع کی بہترین کوشش اور لائق ستائش کاوش ہے۔ آپ جیسے باذوق، باہمت اور صاحب علم نوجوان علماء کو آگے بڑھ کر فتنوں کے سامنے بند باندھنا چاہئے۔ جادہ حق سے اعراض کرنے والوں کو دلائل و براہین کے زور پر راہ راست پر لانے کی کوشش کر کے ان پر اتمام حجت کرنا چاہئے۔

دور حاضر کا المیہ یہ ہے کہ جس تیزی سے فتنوں کی افزائش اور فکری بے راہ روی کا زور ہے۔ افسوس کہ اس قوت و تیزی سے ان کی راہ روکنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ ایسے حالات میں آپ جیسے باصلاحیت حضرات کا متلاشیان حق کی دہکیری کرنا کسی جہاد سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محنت و کاوش کو قبول فرما کر ذریعہ نجات آخرت اور متلاشیان حق کی ہدایت و راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

والسلام

عبدالرزاق اسکندر

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی (۱۳/۴/۱۴۲۵ھ، ۵/۶/۲۰۰۴ء)

تائید مزید

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری مدظلہ

مخدوم مکرم جناب حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب زید مجدہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج گرامی

معروض آنکہ کافی دن ہوئے کہ آنجناب کی مرسلہ کتاب ”مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی الہی“ کے تین عدد نسخے مع دو عدد جوابی لفافے اور ایک مکتوب موصول ہوئے۔ کتابوں کا پیکٹ کھولا، کتاب دیکھ کر خوشی ہوئی، سرسری نظر سے مضامین کی افادیت اور کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوا، سوچا کہ فرصت میں پڑھ کر تبصرہ و تاثرات عرض کروں گا، مگر شومی قسمت کہ فرصت ہی نہ ملی، تا آنکہ آپ کا دوسرا مکتوب اور جوابی لفافہ موصول ہو گیا، جس میں تبصرہ و تاثرات کی یاد دہانی تھی۔ پہلے دو عدد جوابی لفافے اور اب تیسرا جوابی خط دیکھ کر بلاشبہ ندامت سے سر جھک گیا۔

بہر حال اسی دن کتاب تلاش کر کے پڑھنا شروع کر دی، بلا مبالغہ صفحہ صفحہ اور سطر سطر پر دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ایک ایسے مظلوم شخصیت کے دفاع کا کام اور خدمت لے لی جو اس وقت دنیا میں نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے دفاع میں کچھ کہنے اور لکھنے کی پوزیشن میں ہے، جبکہ ان کے نام نہاد نام لیواؤں نے اپنی خود ساختہ اشتراکی سوچ و فکر اور نظریات و عقائد کو ان کے سر تھوپ دیا ہے۔

بلاشبہ آپ نے جس خوبصورت اور اچھوتے انداز سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و نظریات اور فکری حضرات کی ”فکری“ پرواز کا موازنہ کر کے حقائق واضح کئے ہیں، وہ خاصہ کی چیز ہے۔

میں کچھ عرصہ سے اس مخمضے میں تھا کہ اگر کسی کو ضلال گمراہی کے غار میں گرنا ہی ہے تو ہماری بلا سے، مگر وہ اپنی گمراہی و کج راہی کو اسلاف و اکابر امت کے سر کیوں

تھو پتے ہیں؟ انہیں بدنام کیوں کرتے ہیں؟ نئی نسل اور امت کو ان سے بدظن و بدگمان کرنے کی ناپاک کوشش کیوں کرتے ہیں؟ کافی سوچ بچار کے بعد یہی سمجھ میں آیا کہ غالباً یہ وہ سب کچھ اپنی گمراہی و کج راہی کو سند جواز مہیا کرنے کیلئے ہی کرتے ہیں۔

مزید غور و فکر کے بعد اندازہ ہوا کہ ایسے لوگ دراصل پولس یہودی کے فکری جانشین ہیں، جس طرح اس نے زندگی بھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دین عیسوی کی مخالفت کی، مگر وہ اپنے مقاصد میں ناکام رہا۔ لیکن جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تو اس ملعون نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر دین عیسوی پر نہ صرف تیشہ چلایا بلکہ اسے مسخ کر کے رکھ دیا۔

ہمارے خیال میں بعد کے گمراہوں نے بھی پولس کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنے خود تراشیدہ افکار و آراء کو مرحوم اکابر کی گردن پر رکھ کر اپنی دکان چکانے کی ناپاک کوشش کی۔ تاریخ میں اسکی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ دور حاضر میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ مرحوم کے ساتھ بھی کچھ یہی سلوک کیا گیا اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے نہایت متانت و سنجیدگی اور مدلل انداز سے ان کا دفاع کر کے ان کی دینی، مسلکی اور سیاسی حیثیت کو واضح اور منقح کر دیا ہے اور امت کو ان سے بدگمانی کے گناہ سے بچالیا ہے۔

دوم..... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نام معنون تحریک ”فکر ولی اللہی“ کی جس طرح آپ نے تنقیح و تشخیص اور ان کی دینی، مذہبی اور سیاسی پوزیشن واضح کی ہے، میرے خیال میں آج تک اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ ان کے بارہ میں ایسے ٹھوس ثبوت اور دلائل و براہین کم از کم میں نے کہیں نہیں پڑھے اور دیکھے تھے۔

بلاشبہ وفاق المدارس اور دوسرے دینی اداروں نے ان کے بارہ میں اپنے اپنے جو فیصلے اور فتوے دیئے، وہ بجا طور پر صحیح اور بروقت تھے، مگر جو ناقابل تردید شواہد و ثبوت آپ نے مہیا کئے ہیں، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

میرے خیال میں آپ کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اب فکری حضرات کی

حیثیت کے بارہ میں کوئی ابہام باقی نہیں رہنا چاہئے اور کوئی معمولی عقل و فہم کا انسان بھی ان کے

بارہ میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوگا، اور اب ہم یہ کہنے میں بھی حق بجانب ہوں گے کہ اس جماعت کی فکر و سوچ اہل حق کی سوچ و فکر سے میل نہیں کھاتی۔

میری رائے ہے کہ یہ کتاب تمام دینی مدارس کے ارباب حل و عقد منگوائیں اور اپنے اساتذہ کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں، اسی طرح اسکول و کالج کی لائبریریوں میں بھی یہ کتاب بھیجی جائے تاکہ جو نوجوان ”فکری“ حضرات کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہیں ان کا ذہن صاف ہو۔ آخر میں ایک بار پھر اس کارنامہ پر مبارک باد دیتا ہوں۔

کتاب کے ٹائٹل پر فکری حضرات کو کٹے ہوئے پیلے اور کرم خوردہ پتے اور مولانا عبید اللہ سندھی کو خوبصورت سفید پھول کے ساتھ جس انداز سے تشبیہ دی گئی ہے، بلاشبہ اس سے اہل ذوق محفوظ ہوں گے۔ جواب کی تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔

نوٹ : یہ کتاب یہاں کراچی کے کتب خانوں میں دستیاب نہیں ہے۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ بیس نسخے مجھے بھجوادیں جو قیمت ہوگی پیش کردوں گا۔ نیز کراچی اور پاکستان بھر کے کتب خانوں میں اس کی دستیابی کو یقینی بنائیں۔

والسلام

(مولانا) سعید احمد جلالپوری

آغاز سخن

قارئین کرام! گذشتہ کئی سال سے بعض جماعتی و مسلکی احباب کی طرف سے شدید تقاضا تھا کہ ”تنظیم فکر ولی الہی“ کے بارہ میں ایک تحقیقی و معلوماتی مقالہ تحریر کیا جائے۔ جس سے اس کی نظریاتی و فکری پوزیشن واضح ہو سکے۔ لیکن تنظیم کا بنیادی تنظیمی لٹرچر فراہم و دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے میں احباب کا یہ تقاضا پورا کرنے سے قاصر تھا۔ اگرچہ بعض باوثوق ذرائع اور مصدقہ عوامی شہادتوں کے حوالہ سے اس تنظیم کے نظریات کے بارہ میں زبانی معلومات تو کافی حاصل ہو چکی تھیں۔ لیکن محض زبانی معلومات کی بنیاد پر کسی کے خلاف کچھ تحریر کرنا میرے ذوق تحریر اور طرز تحقیق کے خلاف تھا۔ لہذا احباب کے شدید اصرار کے باوجود میں ان کا شدت اختیار کرتا تقاضا پورا نہ کر سکا۔ البتہ تنظیم کا بنیادی لٹرچر حاصل و تلاش کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہا۔

ادھوری کامیابی!

بہر حال عربی ادب کے مشہور مقولہ ”من جد وجد“ کے مطابق مسلسل تلاش و جستجو کے بعد تنظیم کے بنیادی لٹرچر کے مختصر حصہ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جسے عرف عام میں ادھوری کامیابی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ تنظیم کے ایک مرکزی راہنما اور ہمارے دیرینہ دوست حافظ محمد اختر رحمانی (گوجرانوالہ) نے میری خصوصی درخواست پر تنظیم کے مرکزی آرگن ”ماہنامہ عزم سیریز“ کے دو سالوں کے بعض شمارے مطالعہ کیلئے عنایت فرمادیئے۔ جس پر میں ان کا انتہائی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ اگرچہ یہ چند رسائل تنظیم کے نظریاتی خدو خال کو پوری طرح آشکارا نہیں کرتے۔ لیکن ان چند شماروں کی روشنی میں بھی اس تنظیم کی نظریاتی پوزیشن کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔ جو تنظیم کے بارہ میں ہماری زبانی معلومات کو ناقابل تردید تحریری ثبوت فراہم کرتی ہے۔ لہذا آئندہ اوراق میں تنظیم کے فکری نظریات پر زیادہ تر بحث انشاء اللہ العزیز انہی رسائل کی روشنی میں ہوگی۔ واللہ یقول الحق وهو یہدی السبیل

ضروری وضاحت!

زیر نظر مقالہ کا تحقیقی مواد بہت عرصہ قبل جمع ہو چکا تھا۔ لیکن ماہنامہ ”حق چار یار“ گوجرانوالہ کے مولانا محمد امین صفدر اکاڑویؒ نمبر کی ترتیب و تیاری اور بعض دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس کی ترتیب و اشاعت میں مسلسل تاخیر ہوتی چلی گئی۔ پھر جب کراچی کے بعض مرکزی مدارس اور اکابر علماء کی طرف سے تنظیم فکر ولی الہی کی خلاف جاری کردہ کفر و الحاد کے ایک فتویٰ کی بنیاد پر ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ اور ”تنظیم فکر ولی الہی“ کے درمیان تند و تیز بیان بازی کا محاذ گرم ہوا۔ اور ”دونوں جانب تھی آگ برابر لگی ہوئی“

تو بعض جماعتی احباب کے ذریعہ لاہور کی فکری قیادت کو میرے زیر ترتیب مضمون کی بھی اطلاع ہو گئی۔ چنانچہ لاہور میں تنظیم کے مرکزی رہنما جناب محمد عباس شاد (جو نشر و اشاعت کے حوالہ سے تنظیم کے اندر بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں) نے ہمارے ایک جماعتی ساتھی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ میں اپنے تنظیمی موقت کی وضاحت ارسال کروں گا۔ اس کا مطالعہ کرنے سے قبل اپنا مضمون شائع نہ کیجئے گا۔ چونکہ ہماری تنظیم ”تحریک خدام اہل سنت والجماعت“ اور اسکے تنظیمی ترجمان ”ماہنامہ حق چار یار“ کا مقصد دعوت و اشاعت سنی، خفی، دیوبندی افکار کی روشنی میں عوام کی فکری و عملی اصلاح ہے۔ بلاوجہ فنی انتشار پیدا کرنا نہ ہمارا مشن ہے اور نہ پالیسی۔ اس لئے اس وضاحت کا انتظار میں نے بایں خیال ضروری سمجھا کہ اگر اس میں فکری لٹریچر کے حوالہ سے میرے پیش کردہ حقائق اور میرے قائم کردہ اعتراضات کا معقول و مناسب جواب موجود ہو تو میں اپنے مضمون کی اشاعت روک دوں گا۔ یا کم از کم آمدہ وضاحت کی روشنی میں مضمون کے اندر مناسب ترمیم و اصلاح ضرور کر لوں گا۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت تقریباً چار ماہ اس وضاحت کے انتظار میں بیت گئے۔ خدا خدا کر کے چار ماہ بعد عباس شاد صاحب کی طرف سے طویل مکتوب موصول ہوئی۔ لیکن متعدد بار فائل کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے باوجود میں اپنے مضمون کی اشاعت روکنے یا اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ضرورت

بالکل محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ میرا دائرہ تحقیق تنظیم کے خلاف فتویٰ باز یوں اور موصولہ فائل کی مذکورہ وضاحتوں سے قطعی مختلف ہے۔

مضمون کی طبع ثانی!

تنظیم کے بارہ میں میرا زیر نظر مضمون مذکورہ تمہیدی کلمات کیساتھ ”ماہنامہ حق چار یاڑ لاہور“ کے اکتوبر ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ جسے ملک بھر کے علمی و عوامی حلقوں نے خواب سراہا۔ اور اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کا تقاضا کیا۔ کراچی سے دارالافتاء والا رشاد کے مفتیان کرام نے تو مضمون کے اندر دیئے گئے حوالہ جات کے اصل مآخذ کی فوٹو سٹیٹ طلب کر لی۔ جو انہیں ارسال کر دی گئی۔

حقیقت کیا افسانہ کیا؟

تنظیم فکر ولی الہی کی ظاہری نسبت مسلک دیوبند سے بدستور قائم ہے۔ اس نسبت کے حوالہ سے فکری قیادت کی اسلاف دیوبند سے دیرینہ وابستگی اور حضرت شاہ عبدالرحیم رانیپوریؒ و شاہ عبدالقادر رانیپوریؒ کے اصلاح و جہاد پر مبنی خانقاہی سلسلہ سے ان کے روحانی تعلق کی بناء پر خطرہ تو کبھی بھی محسوس نہ کیا گیا کہ یہ تنظیم اکابر دیوبند کی فکری تسلسل سے بھی کبھی کٹ سکتی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اس کے غیر محتاط طرز عمل نے اس کے پوشیدہ افکار کو اس انداز سے اگلا کہ نہ صرف عام ذہنوں میں بیشمار شکوک جنم لینے لگے بلکہ اس کے اپنے کارکنوں کے دلوں میں بھی نظریاتی بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ جس کی وجہ سے متعدد علماء کرام کو حفظ ماقدم کے طور پر اس کے خلاف کفر والحاد اور گمراہی کے فتوے صادر کرنے پڑے۔ جہاں تک مولانا سعید احمد رانیپوریؒ کا تعلق ہے تو میرے فہم ناقص کے مطابق سیکولر اور لبرل ذہن رکھنے والے بعض اشتراکیوں نے ان کی سادہ مزاجی سے فائدہ اٹھا کر انہیں ذہنی طور پر پریشان بنا رکھا ہے۔ اور مولانا رانیپوریؒ سے ظاہری قرب رکھنے والے حضرات ایسے افراد سے بخوبی واقف ہیں۔

اس کے برعکس تنظیم کے عام فکری ملک بھر کے مختلف علاقوں کے اندر بعض گمراہ کن عقائد کی اشاعت و ترویج میں ضرور ملوث رہے ہیں۔ حتیٰ کہ کافی عرصہ قبل نزول مسیحؑ

اور ظہور مہدیؑ جیسے نظریات سے انکار اور ان پر بحث و اصرار کرنیوالے بعض فکریوں سے تو خود مجھے بھی واسطہ پڑ چکا ہے۔ لیکن میں نے اسے ان کے شخصی خیالات سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا۔ البتہ اس کا حوالہ میں گوجرانوالہ کے اندر محترم عثمان عمر ہاشمی کی قیام گاہ (واقعہ پیپلز کالونی) پر مقامی علماء (مولانا سید عبدالمالک شاہ، مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی اور مولانا محمد ایوب طوفانی وغیرہ) کی موجودگی میں ایک نجی نشست کے دوران مولانا رائیپوری اور جناب سید مطلوب علی زیدی کے سامنے بھی دے چکا ہوں۔ جس سے انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات!

فکریوں کے بارے میں اس سے قبل جو مضامین و فتاویٰ وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں تحریری ثبوت کا فقدان ہے۔ اور وہ زیادہ تر صرف زبانی معلومات اور سیدہ بسینہ روایات پر مبنی ہے۔ جبکہ ہم نے زیر نظر کتاب میں جو حقائق پیش کئے ہیں وہ بحمد اللہ تعالیٰ فکریوں کے بنیادی لٹریچر سے پورے تحریری ثبوت پر مبنی ہیں۔ اور ہم نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ ہمارا خامہ تحقیق احتیاط و دیانت کا دامن کہیں چھوڑنے نہ پائے۔

امید ہے کہ ہمارے فکری دوست ہمارے اس مضمون پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔ اور اس کی روشنی میں اپنی فکری اصلاح کی سنجیدہ کوشش کریں گے۔ خدا تعالیٰ توفیق بخشے۔ آمین یا رب العالمین۔

کلماتِ تشکر!

میرے لئے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ماہنامہ ”حق چاریا“ لاہور میں شائع ہونے والے میرے تمام مضامین اشاعت سے قبل قائد محترم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ (بانی تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان و خلیفہ مجاز شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ) کی تحقیق و تنقید نظر سے گزرتے رہے ہیں۔ اور اصلاح و ترمیم کے بعد شائع ہوتے رہے ہیں۔

زیر نظر مضمون بھی اوّل تا آخر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمایا۔ اور بعض مقامات پر اصلاح فرما کر ”ماہنامہ حق چار یاڑ لاہور“ میں اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس اعتبار سے یہ مضمون (جس قدر حق چار یاڑ میں شائع ہو چکا ہے) حضرت اقدس رحمۃ اللہ کا مصدقہ ہے اب نظر ثانی کے بعد اس میں مزید اضافے کئے گئے ہیں۔ اور ترتیب میں بھی کچھ تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں احقر کی خصوصی درخواست پر ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ (مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان) نے بھی خصوصی شفقت فرماتے ہوئے اس مضمون پر بطور تقریظ تائیدی تحریر ارسال فرمائی، جو گذشتہ صفحات میں موجود ہے۔ دلی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ناچیز کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اور اسے ہم سب کیلئے ہدایت و نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین

بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الو اصحابہ وازواجہ وسلم

حافظ عبدالحق خان بشیر

پیش لفظ طبع سوم

برادران اہل السنۃ والجماعۃ!

تنظیم فکر ولی الہی کے افکار و نظریات کے بارہ میں ہمارا مضمون ماہنامہ حق چار یاڑ لاہور کے شمارہ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا تھا، جسے ملک بھر کے علمی اور عوامی حلقوں نے خوب سراہا۔ اس کے بعد جب مارچ ۲۰۰۴ء میں اس مضمون کو کتابی شکل دینے کا فیصلہ کیا گیا تو بہت سے اکابر علماء نے حکم دیا کہ کتاب کے اندر امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی افکار و نظریات اور ان پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات بھی ضرور شامل کئے جائیں۔ ان اکابر کے حکم کی تعمیل میں اس کتاب کے اندر کئی حد تک حضرت سندھیؒ کے فکر و فلسفہ پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ اور یہ بات ثابت کی گئی کہ تنظیم فکر ولی الہی کا امام سندھیؒ کے فکر و فلسفہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

بد قسمتی سے ہمارے حلقہ دیوبند کا ایک طبقہ جو حضرت سندھیؒ کے بارہ میں اپنے ذہن کو صاف نہیں رکھتا، اس طبقہ کی طرف سے حضرت سندھیؒ پر عائد کئے گئے الزامات اور ان کی نظریاتی حیثیت پر ایک نئی بحث شروع ہو گئی، جس پر ہم نے ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں تقریباً ۱۵ سطوروں میں بحث کی، جسے علمی حلقوں میں قدر اور اعتماد کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

اس بحث کے دوران ہمیں امام سندھیؒ کے فکر و فلسفہ اور اس پر عائد کئے گئے الزامات و اعتراضات کے اصل اسباب و علل کا وسیع تر مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اس مطالعہ کے بعد ہم نے جب اس مواد کا اندازہ کیا جو مختلف کتب خانوں اور مختلف علماء حضرات سے حاصل کیا گیا تھا وہ تقریباً ۶۰۰، سے زائد صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کثیر مواد کی بناء پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت امام سندھیؒ کے فکر و فلسفہ اور اس کے دفاع سے متعلق مواد کو مستقل کتابی شکل دی جائے۔ اور تنظیم فکر ولی الہی کے افکار و نظریات کو علیحدہ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ جب ہم نے اپنے اس فیصلہ کا اظہار بعض اکابر علماء کے

سامنے کیا تو انہوں نے بھی اس کی تائید کی، اور اسے ہی مناسب سمجھا۔ لہذا اب زیر نظر رسالہ ”تنظیم فکر ولی اللہی اپنے افکار کے آئینہ میں“ صرف تنظیم فکر ولی اللہی کے افکار و نظریات پر ہی مشتمل ہے۔ حضرت امام سندھیؒ کے فکر و دفاع کا باب الگ کتابی شکل میں ان شاء اللہ العزیز بہت جلد منظر عام پر آ جائے گا۔

تنظیم فکر ولی الہی کے دفاعی موقف کی حقیقت

”مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی الہی“ کی اشاعت کے بعد فکری حلقوں میں ایک اچھی خاصی کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اور طویل عرصہ سے فکری تحریک کی طرف سے مختلف قسم کے پروپیگنڈے سامنے آرہے تھے۔

(۱) حضرت شیخ، والد محترم مدظلہ کی ناراضگی کا پروپیگنڈہ

کتاب کی اشاعت کے ابتدائی ایام میں یہ پروپیگنڈہ سامنے آیا کہ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت پر امام اہلسنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ نے شدید برہمی و ناراضگی کا اظہار فرمایا اور عبدالحق کو ڈانٹ کر یہ حکم دیا کہ کتاب مارکیٹ سے اٹھوا کر اسے ضائع کرو۔ اسی لئے مارکیٹ میں کتاب دستیاب نہیں۔ اور ہمیں اس وقت سخت حیرت کا سامنا ہوا جب فکری تحریک کے راہنما اور ہمارے دیرینہ دوست حافظ محمد اختر رحمانی نے تعجب کے ساتھ یہ پوچھا کہ کتاب مارکیٹ سے کیوں اٹھالی گئی ہے۔ میں نے بھی حیرت کے ساتھ ان سے پوچھا کہ آپ سے کس نے کہا ہے، کہ کتاب مارکیٹ سے اٹھالی گئی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ بات باوثوق ذرائع سے معلوم ہوئی ہے۔ میں نے مسکراہٹ کے جواب دیا کہ وہ باوثوق ذرائع نہیں، بلکہ کذب و افتراء کے ذرائع ہے۔ میں نے قطعاً کتاب نہ مارکیٹ سے اٹھائی ہے اور نہ اس کے پیچھے کوئی دباؤ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب کا پہلا ایڈیشن مکمل طور پر ختم ہے۔ جس کی وجہ سے مارکیٹ میں دستیاب نہیں۔ اور دوسرے ایڈیشن کیلئے بہت سی نئی چیزیں سامنے آئی ہے، جن کی اشاعت ناگزیر ہے، اس لئے اس کی اشاعت میں تاخیر ہو رہی ہے۔

(۲) فکری قیادت کے سامنے لا جواب ہونے کا پروپیگنڈہ

دوسرا پروپیگنڈہ فکری تحریک کی طرف سے یہ سامنے آیا کہ فکری قیادت نے کتاب کے اندر مذکور حوالہ جات کا ثبوت طلب کیا اور اس کیلئے مناظرہ و مباحثہ کا چیلنج کیا تو عبدالحق نے لا جواب ہو کر کتاب مارکیٹ سے واپس منگوالی۔ حالانکہ یہ پروپیگنڈہ بھی

سراسر خلاف حقیقت ہے۔ ہماری خود یہ خواہش رہی ہے کہ فکری قیادت سے آمنے سامنے گفتگو کا موقع ملے لیکن بد قسمتی سے اب تک ہماری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ فکری قیادت افہام و تفہیم یا بحث و مذاکرے کیلئے ہمارا یہ مطالبہ پورا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی، کہ

عزم سیریز کا پورا ریکارڈ، علماء بورڈ کے سامنے پیش کیا جائے
یہ ایک بڑی پریشان کن اور حیرت انگیز حقیقت ہے کہ تنظیم کے جملہ اکابر
واصاغر ملک بھر کے علمی و عوامی حلقوں کی طرف سے خود پر عائد کئے گئے سنگین الزامات کی
نفی و تردید تو کرتے ہیں۔ لیکن ”عزم سیریز“ کی صورت میں مطبوعہ اپنے بنیادی لٹریچر
کو منظر عام پر لانے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ اس لٹریچر کو اس طرح علماء و عوام کی نظروں سے
اوجھل رکھنا جہاں تنظیم کی نظریاتی پوزیشن کو مشتبہ کرتا ہے، وہاں تنظیم کی فکری قیادت کے
دہشت زدہ ذہن کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ کیا تنظیم کی فکری قیادت اپنی دیانتدارانہ صفائی
پیش کرنے کیلئے اپنا ”عزم سیریز“ کا ۱۹۷۶ء تا ۲۰۰۳ء کا مطبوعہ ریکارڈ جیسا کہ علماء
دیوبند پر مشتمل کسی ”علماء بورڈ“ کے سامنے پیش کرنے کیلئے تیار ہے؟ اگر ایسا ممکن
ہو سکے تو میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ شک و شبہ کے بادل چھٹ کر صورت حال
بہت حد تک واضح ہو سکتی ہے۔ اور علماء کو بھی تنظیم کے بارہ میں ذمہ دارانہ رائے قائم
کرنے میں سہولت ہوگی۔ امید ہے تنظیم کی قیادت مسئلہ کے اس پہلو پر سنجیدگی سے غور
کرے گی۔

(۳) جواب جلد آرہا ہے

تیسرا پروپیگنڈہ یہ سامنے آیا کہ فکری قیادت کتاب کا جواب ترتیب دے رہی
ہے، جو جلد منظر عام پر آئے گا۔ اور اس کے لئے ملک کے طول و عرض سے ہمیں بیسیوں
فون بھی موصول ہوئے۔ ہم شدت کے ساتھ اس جواب کے منتظر تھے کہ چند ماہ قبل کچھ
دوستوں نے خبر دی کہ آپ کی کتاب کا جواب شائع ہو چکا ہے۔ ہم نے اس کی تلاش
کیلئے احباب کی ڈیوٹی لگا دی۔ کراچی سے ہمارے انتہائی مخلص اور سرگرم مسلکی دوست

حضرت مولانا محمد عبداللہ صفدر مدظلہ نے وہ کتاب بذریعہ ڈاک ارسال کر دی۔ اسی دوران گوجرانوالہ کے ایک بزرگ عالم حضرت مولانا اللہ یار صاحب میانوالی (مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) ہمارے پاس گجرات تشریف لائے اور انہوں نے بھی یہ کتاب عنایت فرمائی، ہم نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب ”تنظیم فکر ولی اللہی کی بابت فتوؤں کی حقیقت“ دراصل ہماری کتاب کا جواب نہیں، بلکہ کراچی کے بعض مدارس کے فتوؤں کا جواب ہے۔ ہماری کتاب کا اس میں کہیں تذکرہ موجود نہیں۔

کتاب کے مصنفین!

یہ کتاب تنظیم فکر ولی اللہی کے تین مرکزی راہنماؤں، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (شیخ الحدیث، رئیس دارالافتاء و مہتمم جامعہ خدیجہ الکبریٰ بورے والا)، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب (شیخ الحدیث، رئیس دارالافتاء و مہتمم جامعہ اشاعت العلوم چشتیاں) اور حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی صاحب (استاذ الحدیث، رئیس دارالافتاء و ناظم تعلیمات ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور) کی اجتماعی کاوش کا نتیجہ ہے۔ جسے تنظیم فکر ولی اللہی کے شعبہ نشر و اشاعت نے شائع کیا ہے۔ اور مقدمہ کے اندر اس کا تعارف بایں الفاظ کرایا گیا ہے کہ

آمدہ صفحات میں ان عناصر کے پھیلائے ہوئے شکوک شبہات اور الزامات و اتہامات کا مدلل جواب دیا گیا ہے جس کو نامور علماء کرام و مفتیان عظام حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر اور حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی مدظلہم العالی نے مرتب کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ جواب اہل انصاف کیلئے حقائق کشا ثابت ہوگا..... (ص ۲۳)

اگرچہ اس کتاب کا جواب دینے کے ہم مکلف نہیں ہیں، لیکن چونکہ اس میں بعض ایسے نظریات کی بھی تردید و نفی کی گئی ہے جن کا ہم اپنی کتاب کے اندر باحوالہ ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ اس لئے اس کے مندرجات پر بحث ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ اس کتاب کے اندر فکری قیادت نے جو دفاعی پوزیشن اختیار کی ہے اس میں انہوں نے اپنی

نظریاتی صفائی کیلئے آٹھ چیزوں کو بنیاد بنایا ہے۔

(۱) مولانا سعید احمد رائیپوری کی خانقاہی نسبت

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جس چیز کو پہلی بنیاد بنایا ہے، وہ مولانا سعید احمد رائیپوری کی خانقاہی نسبت ہے۔ اس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مولانا سعید احمد رائیپوری کی تربیت چونکہ حضرت شاہ عبدالقادر رائیپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رائیپوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر بزرگوں نے کی ہے۔ اس لئے کسی غلط فکر کو ان کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ بظاہر فکری قیادت کا یہ موقف کافی مضبوط نظر آتا ہے، لیکن ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی علمی و خانقاہی شخصیت کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر بسا اوقات کچھ خود غرض اور مفاد پرست افراد اپنے مذموم مقاصد حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اپنی کتاب کے گذشتہ ایڈیشن میں اس بات کی بایں الفاظ صاف صراحت کر دی تھی، کہ

جہاں تک مولانا سعید احمد رائیپوری کا تعلق ہے تو میرے فہم ناقص کے مطابق سیکولر اور لبرل ذہن رکھنے والے بعض اشتراکیوں نے ان کی سادہ مزاجی سے فائدہ اٹھا کر انہیں دہنی طور پر یرغمال بنا رکھا ہے۔ اور مولانا رائے پوری سے ظاہری قرب رکھنے والے حضرات ایسے افراد سے بخوبی واقف ہیں..... (ص ۱۵-۱۶)

اس طبقہ نے مولانا رائے پوری کی شخصیت کو جس طرح استعمال کیا ہے وہ آئندہ ہ اوراق میں بخوبی ملاحظہ فرمایا جاسکے گا۔ مولانا کا خانقاہی تعارف کرانے کے بعد مصنفین کتاب لکھتے ہیں کہ

حضرت مولانا رائے پوری مدظلہ نے ۱۹۶۷ء میں سرگودھا شہر میں جمعیتہ طلباء اسلام قائم کی، اس موقع پر معروف بزرگ خطاط سید انور حسین نفیس رقم صاحب اور حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانیؒ بھی موجود تھے۔ ۱۹۶۹ء میں جمعیتہ طلباء اسلام کا مرکزی دفتر لاہور میں قائم کیا گیا۔ یوں حضرت رائے پوری کی سرپرستی میں کالج و یونیورسٹیز اور دینی مدارس کے طلباء کا جو سنگم قائم ہوا، اس نے سامراجی حلقوں کی نیندیں حرام کر دیں مگر حضرت رائے پوری مدظلہ کی راہنمائی میں

نوجوانوں کی فکری تربیت کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ تا آنکہ ۱۹۸۷ء میں ملتان میں آپ کی سرپرستی میں تنظیم فکر ولی اللہی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے تحت کالج، یونیورسٹیز اور دینی مدارس کے طلباء و فضلاء کی ایک بڑی تعداد ولی اللہی افکار کی شعوری تربیت حاصل کر کے غلبہ دین کی جدوجہد میں مصروف عمل ہے۔ جس کے سبب مفاد پرست حلقے سراسیمہ اور خوف زدہ ہو کر الزام تراشی پر اتر آئے ہیں..... (فتوؤں کی حقیقت ص ۲۰)

اس اقتباس میں فکری قیادت کیا تاثر دینا چاہتی ہے، وہ بالکل واضح ہے۔ فکری قیادت نے مولانا رائے پوری کو مختلف دینی مدارس اور اکابر شخصیات کے پاس لے جا کر ان کی شخصیت کو جس طرح کیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ بذات خود ایک مشکوک عمل ہے۔ کیونکہ ان کی خانقاہی نسبت بہر حال اکابر علماء کے نزدیک قابل احترام ہے۔ لہذا مولانا رائے پوری کی خانقاہی نسبت کو نظریاتی صفائی کیلئے پیش کرنا کمزور و لاغر دفاع کی دلیل ہے۔

(۲) دستور کی بنیادی دفعات

اپنے دفاع کیلئے انہوں نے سب سے پہلے جس چیز کو بنیاد بنایا ہے وہ تنظیم فکر ولی اللہی کے دستور کی درج ذیل چار بنیادی دفعات ہیں۔

دفعہ نمبر ۱، تعارف: (الف طلباء اور نوجوانوں کی علمی فکری اور نظریاتی تربیت کیلئے کام کرنے والی اس تنظیم کا نام تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان) ہوگا جو مارچ ۱۹۶۷ء میں قائم کی جانے والی جمعیتہ طلباء اسلام کی ارتقائی شکل ہے۔

(ب) اس کا صدر دفتر لاہور میں ہوگا۔

(ج) یہ دستور تنظیم فکر ولی اللہی کا اساسی اور بنیادی آئین تصور ہوگا اور اس کا اطلاق یکساں طور پر تنظیم کی تمام بالائی وزیری شاخوں پر ہوگا۔

دفعہ نمبر ۲: نصب العین: تنظیم فکر ولی اللہی کا نصب العین تمام شعبہ ہائے حیات میں دین کے مکمل غلبہ کے ذریعے رضائے الہی کے حصول کیلئے قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق علماء حق کی راہنمائی میں انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر

کرنا ہوگا۔ علماء حق وہ ہیں جو شریعت، طریقت و سیاست کی دینی جامعیت کے حامل اہل بصیرت و عزیمت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ مجددین امت اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی نقل کردہ تعبیر کے ترجمان ہوں۔

دفعہ نمبر ۳، رہنما اصول : (الف) تنظیم فکر ولی اللہی ایک آزادی خود مختار اور غیر فرقہ وارانہ تنظیم ہے، جو امت کے تمام اجماعی عقائد کی پابند، علماء حق کی رہنمائی میں کی جانے والی تمام دینی محنتوں کی قدرداں اور مرعوبہ عملی سیاست سے بالاتر ہوگی۔

(ب) تنظیم فکر ولی اللہی دینی فکری اور نظریاتی رہنمائی امام شاہ ولی اللہ دہلوی سے تاریخی تسلسل کے ذریعہ حاصل کرے گی۔

(ج) تنظیم فکر ولی اللہی اجتماعیات میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور ان کے حلقہ فکر (بالخصوص مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کی بیان کردہ تشریحات و توضیحات (بسلسلہ افکار شاہ ولی اللہ) سے استفادہ کرے گی۔

دفعہ نمبر ۴۔ اغراض و مقاصد : (الف) اسلام کے مسلمہ عقائد و نظریات کی تبلیغ و اشاعت اور ان کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں کی تکمیل کیلئے کام کرنا۔

(ب) جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیار حق و صداقت سمجھنا۔

(ج) کل نظام کی بنیاد پر اسلام کی عادلانہ اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی نظام کی عظمت کو اجاگر کرنا اور اس سلسلہ میں نوجوانوں کی ذہنی تربیت کرنا۔

(د) ہر قسم کے فرقہ وارانہ اور منفی تعصبات سے بالاترہ کرنو جوانوں میں معاشرتی جہاد کے ذریعہ خدمت انسانیت، اسلامی معاشرہ اور نظام عدل کے قیام کیلئے کام کرنا۔

(ر) اسلام کے خلاف مستشرقین کے گمراہ کن پروپیگنڈے، الحاد و ارتداد، بے دینی بے شعوری، قنوطی و سیاسی مذہبیت اور تحریف فی الدین کی تحریکوں و مخالف دین نظاموں نیز عالمی سطح پر ہونے والی انسانیت دشمن معاند اسلام سازشوں سے

نو جوانوں کو باشعور رکھنا۔

(س) نادار طلباء اور نو جوانوں کی سماجی اور مالی اعانت کرنا (ملاحظہ ہو دستور ص ۲۲-۲۳)..... (تنظیم فکر ولی اللہی کی بابت فتوؤں کی حقیقت ص ۲۲-۲۳)

دستور کی ان بنیادی دفعات کے حوالہ سے فکری قیادت پانچ چیزیں باور کرانا چاہتی ہے۔

(۱) فکری تحریک قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق ان علماء حق کی راہنمائی میں جدوجہد کر رہی ہے۔ جو شریعت، طریقت اور سیاست کی دینی جامعیت کے حامل اور سلف صالحین کی نقل کردہ تعبیر کے ترجمان ہیں۔

(۲) فکری تحریک امت کے تمام اجماعی عقائد کی پابند ہے۔

(۳) فکری تحریک، حضرت شیخ الہند، حضرت رائیپوری، مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت سندھی، شاہ عبدالقادر رائیپوری اور حضرت مدنی کی بیان کردہ تشریحات و توضیحات کی روشنی میں امام ولی اللہ دہلوی کے فکری و نظریاتی اصولوں سے راہنمائی حاصل کرتی ہے۔

(۴) فکری تحریک اسلام کے مسلمہ عقائد و نظریات کی تبلیغ و اشاعت کرنے والی

ہے۔

(۵) فکری تحریک الحاد و ارتداد، بے دینی و گمراہی اور تحریف فی الدین کی تحریکوں

سے نو جوانوں کو باشعور رکھنے والی ہے۔

فکری تحریک کی مذکورہ دستوری دفعات اور ان سے اخذ کردہ نتائج اپنے مقام پر مسلم، لیکن بات دستور کی نہیں، بلکہ دستور کی پابندی و پاسداری کی ہے۔ ہمارا نقطہ نظریہ ہے کہ فکری تحریک اپنے دستور کی ان دفعات کی پابندی و پاسداری نہیں کر سکی۔ جیسا کہ آئندہ اوراق میں ہم اس پر انشاء اللہ العزیز باحوالہ بحث کریں گے۔ تو جب دستور کی پابندی و پاسداری موجود نہ ہو تو اس دستور کو نظریاتی صفائی کیلئے پیش کرنا کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۳) حلف نامہ برائے ارکان

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جو تیسری بنیاد فراہم کی ہے، وہ

ارکان جماعت کیلئے حلف نامہ کا متن ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

میں..... ولد..... حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میں دین اسلام کے تمام اجماعی عقائد پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں۔ میں ارکان اسلام کی اخلاص کیساتھ پابندی کروں گا۔ میں تنظیم فکری ولی الہی کے دستور اور پالیسی اور پروگرام سے مکمل طور پر متفق ہوں میں تنظیم کے دستور پالیسی اور پروگرام کی پوری دیانتداری سے پابندی کروں گا میں اپنی کل آمدن کا ماہانہ اسالانہ کم از کم تین فیصد حصہ صوبائی بیت المال کو ادا کرتا رہوں گا۔ میں تنظیم فکر ولی الہی (پاکستان) کے رکن ہونے کے تمام تقاضے پورے کروں گا۔ میری زندگی کا اولین مقصد رضائے الہی کے حصول کیلئے دین اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں غالب کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اخلاص واستقامت کے ساتھ علماء حق کی رہنمائی میں دین حق کے مکمل غلبہ کی جدوجہد اور انسانیت کی خدمت کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔ ملاحظہ ہو دستور ص ۳۴..... (فتوؤں کی حقیقت ص ۲۳-۲۴)

فکری قیادت کی طرف سے نظریاتی صفائی کیلئے یہ حلف نامہ پیش کرنا بھی ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ دفاع میں اصل کردار حلف نامہ کا نہیں، بلکہ اس کی پابندی و پاسداری کا ہوتا ہے۔ اور ہمارا نقطہ نظریہ ہے کہ فکری تحریک نے اپنے اس حلف نامہ کی بھی پاسداری نہیں کی۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ العزیز آئندہ اوراق میں اسکی صراحت کریں گے۔

(۴) علماء کرام کی تائیدی آراء

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جو چوتھی بنیاد فراہم کی ہے، اس میں اس نے بعض اکابر علماء کی تائیدی آراء کا سہارا لیا ہے۔

(۱) حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ

ان میں پہلی شخصیت خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ کی ہے۔ جن کے بارہ میں لکھا ہے کہ مولانا مفتی عبدالمبین نعمانی، مولانا مفتی عبدالحق آزاد، جناب ڈاکٹر عبدالرحمن راؤ، راؤ حبیب (احمد برادر خوردمولانا سعید احمد رائے پوری

(اور پروفیسر مولانا ظفر حیات آف جھاوریوں پر مشتمل فکری تحریک کا ایک وفد حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے کہا کہ

مولانا رائے پوری مدظلہ نوجوانوں میں اکابر کے فکر اور نظریہ کو اجاگر کرنے کیلئے دن رات کام کر رہے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علماء حقہ کی دیگر تحریکات اور ادارے جو اپنے اپنے دائرے میں اشاعت دین کا کام کر رہے ہیں۔ حضرت رائے پوری مدظلہ ان کی بھی تائید فرماتے ہیں۔ اور تنظیم کا تمام لٹریچر اکابر علماء حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسنؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، حضرت مولانا سید محمد میاں وغیرہم کی کتب پر مبنی ہے۔ اور تنظیم کے عقائد وہی ہیں جو علماء دیوبند کے عقائد ہیں۔ اس موقع پر حضرت خواجہ صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ ہاں بھائی! کئی لوگ مجھ سے بھی بات کرتے ہیں تو میں ان کو کہتا ہوں کہ حضرت رائے پوری مدظلہ تو ہمارے پرانے مہربان ہیں اور ان کے بارہ میں یہ باتیں غلط ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عبدالحق آزاد صاحب نے فرمایا کہ حضرت ہم نے ان تمام لوگوں سے بات کی ہیں اور خطوط لکھے ہیں، جن میں ایسے تمام الزامات کی تردید ہیں، اور ان سے تقاضا کیا ہے کہ وہ ثبوت (اگر ہیں) تو پیش کریں۔ اس موقع پر حضرت خواجہ صاحب مدظلہ کی خدمت میں صدر وفاق المدارس اور دیگر علماء کو لکھے گئے خطوط پیش کئے گئے، حضرت خواجہ صاحب نے تینوں خطوط نہایت توجہ کے ساتھ لفظ بہ لفظ مطالعہ فرمائے.....

.....(فتوؤں کی حقیقت ص ۹۸)

اس میں یہ بات واضح ہے کہ حضرت خواجہ صاحب مدظلہ کے سامنے جماعتی عقائد و نظریات کو نہیں بلکہ مولانا رائے پوری کی شخصیت کو بطور دفاع پیش کیا گیا ہے۔ اور خواجہ صاحب انہی کے بارہ میں اپنی رائے کا اظہار فرما رہے ہیں۔ باقی جہاں تک فکری قیادت کا یہ موقف ہے کہ ان کے خلاف نظریاتی بے راہ روی کے ثبوت فراہم کئے جائیں، تو وہ زیر نظر کتاب کے اندر موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے

کہ حضرت خواجہ صاحب مدظلہ کا درج ذیل جو موقف (ایک خط کے جواب میں) نقل کیا گیا ہے جس میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ

یہ حضرات (یعنی مولانا رائے پوری اور ان کے رفقاء) ان عقائد کے حامل نہیں ہیں۔ صحیح العقیدہ لوگ ہیں۔ باقی حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خطاؤں سے کوئی پاک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے، آمین.....
.....(فتوؤں کی حقیقت ص ۱۴۸)

حضرت خواجہ صاحب کا یہ موقف اس وقت کا ہے جب ابھی ہماری کتاب ”مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی اللہی“ منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ اور فکری تحریک کی بے راہ روی کے بارہ میں ٹھوس تحریری ثبوت دستیاب نہ تھے۔ لیکن اب ہم فکری قیادت کا یہ تقاضا پورا کر چکے ہیں اور ٹھوس تحریری ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جس دوسری شخصیت کا سہارا لیا ہے، وہ امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کی شخصیت ہے۔ چنانچہ فکری مصنفین لکھتے ہیں کہ

تقریباً ستمبر ۲۰۰۰ء کے اواخر میں مولانا مطلوب علی زیدی اور مولانا محمد مختار حسن وغیرہ حضرات پر مشتمل فکری تحریک کا ایک وفد شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کیلئے لگھڑ پھنچا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی نے بھرپور تواضع اور مہمان نوازی سے اکابرین کی روایت کو برقرار رکھا۔ آمد پر انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور تعارفی استفسارات اور باہم گفتگو کی مجلس سے شرکاء مستفید ہوئے۔ اسی دوران حضرت مولانا سعید احمد صاحب رائیپوری مدظلہ اور تنظیم سے متعلق حضرت شیخ الحدیث صاحب کی طرف سے منسوب دل آزار رائے / فتویٰ کی بات بھی چل نکلی۔ اس پر حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ جس کسی نے بھی مجھ سے منسوب کرتے ہوئے حضرت مولانا سعید احمد

صاحب یا تنظیم کے متعلق کچھ کہا ہے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، حیرت ہے کہ لوگ کیسی کیسی افواہ طرازی میں مشغول ہیں۔ اس مفید گفتگو کی مجلس بابرکات کے اختتام پر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے قافلہ کو دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا.....
.....(فتوؤں کی حقیقت ص ۶۰)

ہمارے علم میں اب تک حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے حوالہ سے کوئی ایسا فتویٰ نہیں جو اس دور میں فکری تحریک کے بارہ میں حضرت شیخ مدظلہ نے جاری فرمایا ہو۔ کیونکہ اس وقت اکثر اکابر فکری تحریک کی نظریاتی بے راہ روی کے بارہ میں عدم ثبوت کی بناء پر خاموش تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فکری قیادت نے کسی اختراعی اور بے بنیاد فتوے کے حوالہ سے حضرت شیخ مدظلہ سے اپنے بارہ میں تائیدی رائے حاصل کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اور وہ اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب رہی۔ لیکن سوال اس وقت کا نہیں جب ثبوت دستیاب نہ تھے۔ سوال اب کا ہے، جب ہر ثبوت حاضر ہے۔

(۳) حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جس تیسری شخصیت کا سہارا لیا ہے، وہ جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی نور اللہ مرقہ کی شخصیت ہے۔ فکری مصنفین لکھتے ہیں کہ جب جانشین شیخ العرب و العجم حضرت مولانا اسعد مدنی پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو انہوں نے درج ذیل تحریر فکری نوجوانوں کو عطا کی۔

اس پر آشوب دور میں جہاں لوگوں کی اپنے اپنے مقاصد کے تحت بہت سی تنظیمیں ہیں۔ یہ دیکھ کر بے انتہاء خوشی ہوئی کی صحیح مقاصد کے تحت علماء اور گریجویٹ کی تنظیم قائم ہے۔ جس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مقاصد میں نوجوانوں کے اذہان میں اسلامی انقلاب لانا ہے اور دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس جماعت کا سلسلہ نسبت حضرت شیخ العرب و العجم مولانا حسین مدنیؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ سے ہوتا ہوا امام انقلاب حضرت مولانا شاہ ولی

اللہ تک جاملتا ہے اور یہ کہ اس جماعت کے سرپرست اور بانی حضرت مولانا سعید احمد رائپوری مدظلہ جو کہ قطب عالم شاہ عبدالقادر رائپوری کے سیاسی امین ہیں۔ مجھے نو جوانوں کی اس جماعت پر اعتماد ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نو جوانوں کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے تشنّت اور افتراق سے محفوظ رکھے.....
.....(فتوؤں کی حقیقت ص ۱۳۷)

اس تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ نے صرف فکری تحریک کی طرف سے فراہم کی گئی معلومات پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ انہیں فکری عقائد و نظریات کا قطعاً علم نہیں تھا۔ اس اعتبار سے یہ تحریر بھی فکری دفاع کیلئے مؤثر و مفید نہیں ہو سکتی۔

(۴) حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جس چوتھی شخصیت کا سہارا لیا ہے وہ قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی شخصیت ہے۔ چنانچہ ان کی رائے بایں الفاظ بیان کی گئی ہے کہ

تنظیم فکر ولی اللہ کے متعلق ہمیں کوئی صحیح علم نہیں، نہ ہمارے پاس کوئی ٹھوس شواہد ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کے متعلق خاموشی اختیار کی.....
.....(فتوؤں کی حقیقت ص ۱۶۲)

قائد جمعیت کی یہ رائے فکری قیادت کو اس لئے مفید نہیں کہ اس میں وہ برملا طور پر یہ اعتراف فرما رہے ہیں کہ ہمیں فکری تحریک کے عقائد و نظریات کا علم نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ تحقیق و دفاع کا کون سا اصول ہے، کہ ایک فرد یا جماعت پر ایک ذمہ دار طبقہ کی طرف سے نظریاتی بے راہ روی اور فکری بے اصولی کا الزام عائد کیا جائے۔ اور وہ فرد یا جماعت اس الزام کا جواب دینے کی بجائے اکابر علماء سے کسی شخصیت کی خدمات کا شوقیلیٹ حاصل کرنے کی کوششوں میں مگن رہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ طرز عمل فکری تحریک کے دفاعی موقف کو مزید کمزور و بے اثر کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان اکابر علماء کے

سامنے فکری تحریک کے وہ افکار و نظریات لائے ہی نہیں گئے، جن پر نظریاتی گرفت کی گئی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ جن اکابر کی آراء کو فکری قیادت نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے، ان اکابر کو فکری تحریک کے افکار و نظریات کا مکمل علم نہیں۔ اگر فکری قیادت حوصلہ کرے تو ان ہی اکابر کے سامنے (جو موجود ہیں) فکری لٹریچر کے حوالہ سے فکری عقائد و نظریات، فکری قیادت کی موجودگی میں پیش کر دیئے جائیں۔ اور پھر یہ اکابر جو فیصلہ فرمادیں وہ ہم بھی قبول کر لیں گے، اور فکری قیادت بھی قبول کر لے۔

(۵) حمایت میں فتوے

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جو پانچویں بنیاد فراہم کی ہے وہ ہے اپنی حمایت میں مختلف مدارس سے فتوے حاصل کرنا۔ چنانچہ اپنے بعض افکار و نظریات ارسال کر کے مختلف مدارس سے جو فتاویٰ طلب کئے گئے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) دارالعلوم کراچی کا فتویٰ

مذکورہ تنظیم کے تحریر کردہ اغراض و مقاصد مذکورہ بظاہر اچھے اور مستحسن ہیں۔ اس میں اصلاح کے لائق بات یہ ہے کہ ان مقاصد و اغراض کے حصول کیلئے کامل اخلاص کے ساتھ کام ہونا چاہئے اور اس سلسلہ میں اہل سنت والجماعت اور جمہور امت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ کہیں بھی شد و ذ اور خروج کا مسلک اختیار نہ کیا جائے اور اس غرض کیلئے جہاں کہیں کوئی شک و شبہ ہو مستند اور خدا ترس فقہاء و علماء کی راہنمائی حاصل کرتے رہیں..... (فتوؤں کی حقیقت ص ۱۵۵)

(۲) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا فتویٰ

ماشاء اللہ چشم بدور بہترین اغراض و مقاصد ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس عظیم خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔ ہم بھی ہر ممکن خدمت سے دریغ نہ کریں گے۔ البتہ مقصد نمبر ۴ کا مقصد اگر تقلید سے انکار ہے تو پھر یہ خدمت دین نہیں بلکہ تخریب دین ہوگی..... (ایضاً ص ۱۵۵)

(۳) جامعہ اشرفیہ لاہور کا فتویٰ

جماعت کے اغراض و مقاصد جو تحریر کئے گئے ہیں، اگر واقعتاً ایسے ہی ہیں تو بہت اچھا ہے لیکن مزید تفصیل دوبارہ مع اس فتویٰ کی فوٹو سٹیٹ کے ارسال کیا جائے اور علماء کرام سے ہمیشہ مشورہ کر کے کام کیا جائے... (ایضاً ص ۱۵۶)

(۴) جامعہ قاسم العلوم ملتان کا فتویٰ

مذکورہ تنظیم کے اغراض و مقاصد میں دعوت الی الخیر نہی عن المنکر دونوں باتیں موجود ہیں۔ جو کہ حکم الہی کا منشاء ہے..... میرے بھائی، میرے عزیز ہم وطن مجھے یہی کچھ کہنا ہے کہ اس طرح کی تنظیم قائم کرنا لوگوں کی فلاح کا سوچنا، نوجوان نسل میں دینی ذوق اور دینی فکر دینے کی سعی جمیل کرنا بڑا خوبصورت و قابل قدر جذبہ ہے۔ مگر اس تحریک کے کامیاب ہونے کی بنیادی شرط تنظیم کے ذمہ داران و اہل حل و عقد کا عملی نمونہ پیش کرنا اور اپنی ذات کو لوگوں کیلئے معیار قابل اعتبار بنانا ہے۔ اگر اس کا خیال کیا جائے تو اٹھایا جانے والا ہر قدم مبارک اور آنے والی ہر گھڑی فتح کی نوید سنائے گی۔ اور اگر یہ نہیں تو صرف نام ہوگا، نمود ہوگی۔ بالکل ان دوسری انجمنوں کی طرح جو ہر شہر، محلہ اور گلی کوچہ میں موجود ہیں۔ جن کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اللہ عز و جل ہم سب کو علم و عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ بندہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں..... (ایضاً ص ۱۵۶-۱۵۷)

(۵) دارالعلوم رحمانیہ کراچی کا فتویٰ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی فکر ہم سب کی فکر ہے۔ جس سے شاید کسی مسلمان کو اختلاف نہیں۔ حضرت شاہ سعید احمد صاحب دامت برکاتہم سے بھی شرف ملاقات نصیب ہوا ہے۔ مجھے کوئی بات خلاف اسلام سننے، دیکھنے میں معلوم نہیں ہوئی۔ عزیزم آپ کے امام صاحب مولوی شیریں زادہ جو تقریباً تین سال سے ہمارے ہاں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ماشاء اللہ ذی استعداد اور صاف ستھرے ذہن کے آدمی ہے۔ مجھے تو کوئی بات ان کی موجب کفر یا فسق سننے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اور ہم قرآن مجید کے حکم کے لحاظ سے اسی کے مکلف

ہے کہ جو بات سننے یا دیکھنے میں آئے اس پر کسی غیر معتبر آدمی کی شہادت پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے غیر ذمہ دارانہ فتوے بازی سے بہت دکھ ہوا.....
.....(فتوؤں کی حقیقت ص ۱۵۹)

ان فتاویٰ جات سے فکری تحریک کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، ہمارے لئے ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ یہ فتاویٰ جات فکری تحریک کی طرف سے ارسال کردہ افکار و نظریات اور پروگرام کی بنیاد پر حاصل کئے گئے ہیں۔ ان میں نہ تو ان افکار فاسدہ کا ذکر ہے، جو فکری تحریک کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور نہ فکری قیادت کی طرف سے ان کا کوئی جواب دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فکری قیادت نے اپنی حمایت میں فتوے حاصل کرنے کا ایک اور انداز بھی اختیار کیا ہے۔ یعنی فکری تحریک کے خلاف فتوے دینے والے مفتیان کرام کے خلاف فتوؤں کا حصول۔ مثلاً درج ذیل استفتاء مرتب کیا گیا۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان دین مسئلہ ذیل کے بارہ میں۔ کہ بعض علماء کرام اور مفتیان دین تحقیق و تفتیش کے بغیر کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

(۱) ایسا فتویٰ لگانا قرآن و حدیث کے حوالہ سے کیا حکم رکھتے ہیں۔ (۲) ایسے عالموں اور مفتیوں کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔ (۳) ایسے عالموں اور مفتیوں کے فتوے قابل عمل ہو سکتے ہیں..... (فتوؤں کی حقیقت ص ۱۶۲)

اس استفتاء کا جواب دارالعلوم فیصل آباد اور جامعہ عثمانیہ پشاور سے حاصل کیا گیا۔ ہر ذی ہوش اور باشعور آدمی باسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ اور مفتیان کرام نے اس کا جواب کیا دیا ہوگا۔ لیکن ہمارے لئے یہ بات ناقابل فہم ہے کہ ان فتاویٰ جات سے فکری تحریک کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

فکری مصنفین نے کتاب کے صفحہ ۲۶ پر پانچ شقوں پر مشتمل اصول فتویٰ تحریر کیا ہے۔ کاش اصول فتویٰ کے ساتھ وہ اصول استفتاء بھی تحریر فرما دیتے۔ تاکہ جائزہ لیا جاسکتا کہ ان کے استفتاء کے جواب میں حاصل ہونے والے مذکورہ فتاویٰ ان کو کچھ

فائدہ دے سکتے ہیں یا نہیں۔

(۶) فکری تحریک کے ناظم عمومی کا فتویٰ

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے چھٹی بنیاد یہ فراہم کی ہے کہ اپنی تحریک کے ناظم عمومی مفتی عبدالحق نعمانی کا فتویٰ بھی شائع کر دیا ہے۔ چنانچہ استفتاء اور فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

استفتاء

محترمی و مکرمی مفتی عبدالحق نعمانی صاحب مرکزی ناظم عمومی تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان) السلام علیکم ورحمۃ اللہ! گزارش ہے کہ ہم نوجوان تنظیم کی بدولت اسلام کے اعلیٰ پیغام سے واقف ہوئے اور ہمیں یہ ذہن نشین ہوا کہ اسلام ہمارے دور کے مسائل کے حل کا مؤثر پروگرام رکھتا ہے۔ اور ہم نے شاہ ولی اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی خدمات سے متعارف ہونے کے بعد دیگر تنظیموں کے طلبہ سے بات چیت کی تو ان کے پاس ہماری گفتگو کا کوئی جواب نہ تھا۔ جس سے اسلام پر ہمارے یقین میں مزید اضافہ ہوا۔ مگر گذشتہ دنوں ایک مخالف تنظیم نے ایک پرچہ تقسیم کیا جس میں تنظیم کے بارے میں ایسے الزامات تھے کہ پڑھ کر پریشانی ہوئی۔ ان الزامات کی تفصیل یہ ہے۔ ۱۔ بغیر اسباب کے اللہ تعالیٰ کسی کام کے کرنے پر قادر نہیں۔ ۲۔ نماز کا درجہ سبحان اللہ کہنے کی طرح۔ نماز نہ پڑھنے پر گناہ نہیں۔ ۳۔ امام مہدی کا تصور مردہ قوموں کا خیال ہے۔ ۴۔ جنت و دوزخ من گھڑت خیالات ہیں۔ ۵۔ کیونرم عین اسلام ہے۔ ۶۔ قتال کرنا قطعاً جائز نہیں۔ ۷۔ صحابہ معیار حق نہیں۔ ۸۔ خلافت کے بغیر ایمان و اعمال بے کار ہیں۔ ۹۔ سود جائز ہے۔ ۱۰۔ داڑھی کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ ۱۱۔ موجودہ دور میں حدود ظلم ہیں۔ ۱۲۔ علماء معاشرے پر بوجھ ہیں۔ انہیں قتل کرنا ضروری ہے اور سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہوا کہ یہ باتیں ماہنامہ الفاروق میں شائع ہوئیں۔ جو مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا ہے جو دینی مدارس کی ایک تنظیم وفاق المدارس کے صدر ہیں اور جامعہ کراچی کے مہتمم اور شیخ

الحديث ہیں۔ اور پھر ان کی طرف سے ایک اور پرچہ بھی تقسیم ہوا کہ تنظیم فکر ولی الہی کے خیالات و نظریات لحدانہ ہیں اور اس کے لوگ تقیہ کرتے ہیں۔ ہم نوجوان تو اسی تنظیم کے ذریعے مذکورہ بالا خیالات کے برعکس ولی الہی نظریات کی تربیت پاتے رہے۔ اب یکا یک معلوم نہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے کیونکر ایسی باتیں لکھ دیں جو ہم نے تنظیم کے کسی خصوصی یا عمومی اجلاس میں نہیں سنیں۔ ہم آپ سے اس لئے رجوع کر رہے ہیں کہ آپ تنظیم کے مرکزی ذمہ دار ہیں۔ آپ اس بابت تنظیم کا موقف بیان کر دیں تاکہ ہمیں دلجمعی نصیب ہو اور حضرت مخدوم و مرشد مکرم حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی کے تائیدی و شخط ہو جائیں۔ تو ہمارے لئے سیروں خون بڑھنے کا باعث ہوگا۔

چوہدری رشید احمد پیر کا لونی گلی نمبر املتان
منور اقبال غوث آباد کا لونی گلی نمبر ۴ ملتان

باسمہ تعالیٰ
الجواب

مذکورہ بالا تمام الزامات و اتہامات غلط، بے بنیاد اور جھوٹے ہیں۔ تنظیم ان تمام الزامات سے مکمل برات اور لاتعلق کا اظہار کرتی ہے اور تمام مسلمانوں کیلئے ان خیالات سے کلی اجتناب ضروری سمجھتی ہے۔ مذکورہ بالا الزامات جو مولانا سلیم اللہ خان نے لگائے ہیں۔ تنظیم کے نصیب العین، رہنماء اصول اور اغراض مقاصد سے صریح متصادم ہیں۔ یہ الزامات کسی بیمار ذہن کی اختراع ہیں۔ بنا بریں مولانا سلیم اللہ خان سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنے الزامات و اتہامات سے دستبردار ہو کر وفاق اور دینی مدارس کی ساکھ کو بچنے والے نقصان کی تلافی کریں۔ مفتی عبدالمبین نعمانی (مرکزی ناظم عمومی تنظیم فکر ولی الہی پاکستان) (فتوؤں کی حقیقت ص ۵۲ تا ۵۴)

اس فتویٰ کی تائید فکری تحریک کے سرپرست اور مرشد مولانا سعید احمد رائے پوری نے بایں الفاظ کی۔

مذکورہ بالا جواب سے مکمل اتفاق ہے اور میں اس کی تائید کرتا ہوں، فلعنہ اللہ علی الکاذبین۔

یہ فتویٰ ۱۳، نومبر ۲۰۰۰ء کو جاری کیا گیا۔ اس فتوے کے اندر بعض منسوب افکار فاسدہ سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے، جو کہ اسی وقت تک مفید ہو سکتا تھا جب تک ان افکار فاسدہ کی فکری تحریک کی طرف نسبت کا کوئی ٹھوس ثبوت دستیاب نہ تھا۔ اب جب کہ ہر ثبوت موجود ہے اس فتوے کی کیا اخلاقی حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ اس کی وضاحت فکری قیادت ہی کر سکتی ہے۔

(۷) علماء کے نام خطوط

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے جو ساتویں بنیاد فراہم کی ہے وہ ہے ملک کے مختلف علماء کے نام خطوط۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان خطوط کے مکمل متن قارئین کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ وہ اندازہ کر سکیں کہ ان سے فکری تحریک کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

(۱) مولانا عبدالرحمن اشرفی کے نام مکتوب

بخدمت محترم و مکرم حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

خانقاہ عالیہ رحیمہ رائے پور بر عظیم پاک و ہند ایک عظیم خانقاہ ہے جس کے بانی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنہیں سید الطائفہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے سلسلہ کی خلافت کی اور فقیہ الہند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی اپنے سلسلہ کی نسبت منتقل کرتے ہوئے خلق خدا کی روحانی و باطنی اصلاح کی ذمہ داری سپرد کی۔ حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو اپنے زمانہ کے علماء کرام میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ آپ جہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ کے رفیق حریت اور ان کی غیر موجودگی میں تحریک ریشمی رومال کے نگران تھے، وہاں آپ عالم اسلام کے دو عظیم تعلیمی اداروں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے

سرپرست بھی تھے۔

میرے والد محترم حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری نور اللہ مرقدہ بانی خانقاہ حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے نواسہ تھے اور آپ کی تعلیم و تربیت حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی زیر نگرانی وزیر سایہ ہوئی۔ پھر شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے خلیفہ اول حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی صحبت میں میرے والد محترم رہے۔ تاوقت آنکہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے انہیں اپنا جانشین اور خانقاہ رحیمیہ کا مسند نشین بنادیا۔ میں نے الحمد للہ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں ۳۰ سال گزارے اور ان کی خدمت میں رہ کر اس وقت کے چوٹی کے اکابرین علماء دیوبند سے خانقاہ رائے پور میں ملاقاتیں رہیں اور میں ان سے فیض یاب ہوتا رہا۔ میں نے خانقاہ رائے پور میں مولانا محمد الیاس دہلویؒ امیر تبلیغی جماعت، امام حیریت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، مولانا حبیب الرحمن رائے پوریؒ و دیگر اکابرین مجلس احرار اسلام و جمعیتہ علماء ہند کی زیارت کی اور ان سے استفادہ کیا۔ کئی سال تک خانقاہ رحیمیہ میں امامت کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ مذکورہ بالا تمام علماء کرام رحمہم اللہ نے کئی بار میری امامت میں نماز ادا کی۔ الحمد للہ یہ میرے بزرگوں کا میرے اوپر اعتماد اور میری خوش قسمتی تھی۔ حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا رحمۃ اللہ میرے استاذ حدیث ہیں۔ جب تک مدرسہ سہارنپور (مظاہر العلوم) میں زیر تعلیم رہا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی شفقت میرے اوپر رہی۔ حتیٰ کہ تمام تعلیمی زمانہ میں میرا کھانا حضرت شیخ الحدیث کے گھر سے آتا رہا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں ۳۰ سال گزارنے کے بعد اپنے والد محترم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی خدمت میں بھی ۳۰ سال تک کرینکا مجھے شرف حاصل ہے۔ میرے والد محترم شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ بزرگوں

کی یہ امانت میرے سپرد کر گئے اور مجھے خانقاہ عالیہ رحیمہ رائے پور کی گدی پر اپنی حیات مبارکہ میں ہی بٹھا گئے۔ الحمد للہ میں نے اکابرین رائے پور و دیگر اکابر علماء کرام کے مشن پر پوری تندہی سے کام کیا ہے۔ آپ مجھے ۳۰ سال سے جانتے ہیں اور آپ خانقاہ رائے پور کے بزرگوں کا اعتماد جو میرے اوپر تھا۔ اس سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ آج کل بعض شریکین عناصر نے خود ساختہ چند غلط عقائد بنا کر میری طرف منسوب کرنے کی انتہائی مکر وہ کوشش کی ہے تاکہ خانقاہ رائے پور کے عظیم سلسلہ اور میرے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں۔ میں اپنے اکابرین علماء دیوبند، اکابر رائے پور، اکابر مجلس احرار اور جمعیت علماء ہند کے مسلک و مشرب کا پابند اور ترجمان ہوں۔ میرے خیالات اپنے بزرگوں اور سرپرستوں اور اکابرین دیوبند سے ذرہ بھر مختلف نہیں ہیں۔ میں اپنے بزرگوں کی تصدیق سے چھپنے والی کتاب ”الہند علی المفند“ مؤلفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور عقائد کا ہی پابند ہوں، گمراہ کن پراپیگنڈے کے ذریعے پھیلانے جانے والے عقائد و نظریات سے میرا اور میرے متعلقین کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم بزور تاکید اس کی تردید کرتے ہیں۔ الحمد للہ ہم اپنے اکابر کے مشن اسلام کے اجتماعی غلبہ اور شریعت، طریقت و سیاست کے پروگرام کو لیکر چل رہے ہیں۔ جس سے ہزاروں نوجوان وابستہ ہو چکے ہیں۔ مغرب کے الحاد زدہ تعلیمی نظام میں پڑھنے والے ہزاروں نوجوان اس خانقاہ سے وابستہ ہو کر اپنی دینی و دنیوی اصلاح کر رہے ہیں۔ رمضان المبارک کے معمولات بھی خانقاہ کے پرانے دستور کے مطابق جاری و ساری ہیں۔ گذشتہ رمضان المبارک کے معمولات بھی خانقاہ کے پرانے دستور کے مطابق جاری و ساری ہیں۔ گذشتہ رمضان المبارک کا شیڈول و معمولات کی ایک کاپی بھی پیش خدمت ہے۔ میں گذشتہ سال یکم مئی ۱۹۹۹ء کو اپنے مرکز رائے پور ہندوستان میں بھی گیا تھا۔ الحمد للہ آج بھی وہاں میرے اکابر کی محنت کے نتیجے میں اس خانقاہ کے ہزاروں متوسلین موجود ہیں اس دورہ ہندوستان کے احوال پر مبنی ایک

خط پمفلٹ کی شکل میں بھیج رہا ہوں۔ سعید احمد رائے پوری عفی عنہ ۱۴ ستمبر ۲۰۰۰ء

(۲) مولانا عبدالمجید صاحب (کھر وڑپکا) مدظلہ کے نام مکتوب

محترم جناب مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث مدرسہ باب العلوم کروڑپکا (لودھراں)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

مقصود تحریر اس وقت یہ ہے کہ آپ ۳۱، اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز منگل دارالعلوم

مدرسہ عربیہ اسلامیہ بورے والا میں وفاق المدارس العربیہ کے قائم کردہ امتحانی مرکز کے

معائنہ کے لئے تشریف لائے تو آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس موقع پر تنظیم فکر ولی

اللہی اور حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ مسند نشین خانقاہ عالیہ رائے پور کے

بارے میں صدر وفاق المدارس کے رویے اور وفاق کی مجلس کے فیصلے پر گفتگو ہوئی

تو آپ نے بتایا کہ وفاق کے ایجنڈہ پر تنظیم کے حوالہ سے کوئی بات نہ تھی اور یہ کہ آپ

مذکورہ اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ نیز آپ نے صدر وفاق کی طرف سے تحقیق نہ

کرنے کو تسلیم کیا اور ساتھ ہی پیشکش کی کہ ماہنامہ الفاروق میں مندرجہ الزامات

واہیات کے حوالہ سے نکتہ وار جواب لکھ دیا جائے تو آپ وفاق کے ذمہ داروں کو رجوع

پر آمادہ کریں گے۔ سوا تمام حجت کے لئے مطلوبہ جواب حاضر ہے۔ امید ہے کہ جن

حضرات کو واقعہ کوئی غلط فہمی ہے وہ حقائق کو تسلیم کرنے میں کسی پس و پیش سے کام

نہیں لیں گے اور رجوع کرنے میں سبکی محسوس نہیں کریں گے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں کیونکہ اسباب مخلوق ہیں اور خالق اپنی مخلوق کا

محتاج نہیں ہو سکتا۔ وہ قادر مطلق ذات اور فعال لما یرید کی صفت کا حامل ہے۔

۲۔ نماز بعد از شہادتین (توحید و رسالت) دین اسلام کا سب سے اہم رکن

اور شعائر دین میں سے ہے۔ اس کی فرضیت کا انکار کفر اور اس کا ترک کرنا گناہ کبیرہ

ہے۔

۳۔ مہدی علیہ السلام کا ظہور مستند احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ جن کی رو

سے وہ زمین کو عدل و انصاف سے مالا مال کریں گے اور ظلم کا قلع مچ کریں گے۔

۴۔ جنت و دوزخ برحق ہیں اور قیامت کے روز تمام افراد انسانیت اپنے اعمال کے مطابق ان مقامات میں جزایا سزا پائیں گے۔

۵۔ کیونز مسمیت دنیا کا کوئی مادی نظام اور ملحدانہ فکر، اسلام کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ اسلام ایک مکمل جامع اور تمام نظاموں کو منسوخ کرنے والا ہے۔ تنظیم کے اغراض و مقاصد میں ”اسلام کے خلاف مستشرقین کے گمرہ کن پروپیگنڈے، الحاد ارتداد، بے دینی، تحریف فی الدین کی تحریکوں اور مخالف دین نظاموں پر عالمی سطح پر ہونے والی انسانیت دشمن اور معاند اسلام سازشوں سے نوجوانوں کو باشعور رکھنا، شامل ہے۔ (دفعہ نمبر ۴، دستور تنظیم)

۶۔ ”جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیار حق و صداقت اس کی عظیم خدمات اور تاریخ اسلام کے اجتماعی نقطہ نظر سے نوجوانوں کو واقف کرانا تنظیم فکر ولی اللہی کے اغراض و مقاصد میں شامل ہے (دفعہ نمبر ۴ (ب) دستور تنظیم) اور ہر تنظیم اپنے اغراض و مقاصد سے ہی پہچانی جاتی ہے۔

۷۔ قتل از روئے قرآن فرض ہے۔ جس پر ایمان لانا ضروری ہے اس کی فرضیت کی نوعیت (یعنی یا کفائی، اقدامی یا دفاعی وغیرہ) کا تعین فقہائے کرام نے جن حوالوں سے کیا ہے اس کی پابندی لازمی ہے اور اس سے انحراف موجب فساد و انتشار ہے۔

۸۔ ایمان اور نیک اعمال کا ہر مکلف انسان مخاطب ہے ان پر عمل کیلئے قیام خلافت کے انتظار کا نظریہ شریعت کو معطل کرنے کے مترادف ہے جس کی اجازت کسی انسان کو حاصل نہیں تاہم قیام خلافت کے لئے جدوجہد کرنا ایک مستقل دینی فریضہ ہے جس سے انحراف بے دینی ہے۔

۹۔ سود نہ صرف حرام بلکہ اس کو جائز قرار دینے والا دائرہ اسلام سے خارج، دشمن انسانیت اور محارب خدا اور رسول ہے۔ اس کے خلاف جدوجہد تنظیم فکر ولی اللہی

کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔

۱۰۔ دائرہ سنت مؤکدہ ہے اور امور فطرت میں سے ہے۔ اس کا احیاء حب رسول کی پہچان اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا دینی تقاضہ ہے۔

۱۱۔ حدود کا ثبوت قطعی نصوص سے ہے۔ ان کا نفاذ قیام عدل میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور ان سے ہی صحیح معنوں میں جرائم کی بیخ کنی ہوگی۔

۱۲۔ علماء حق انبیاء کرام کے وارث اور لائق اتباع ہیں۔ تنظیم کے دستور کی دفعہ ۲ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ تنظیم فکر ولی اللہی کا نصب العین شعبہ ہائے حیات میں دین کے مکمل غلبہ کے ذریعہ رضائے الہی کے حصول کیلئے قرآن و سنت کے احکام کے مطابق علماء حق کی راہنمائی میں انفرادی، اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنا ہے۔ (علماء حق وہ ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آئمہ اربعہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی نقل کردہ تعبیر دین کے ترجمان ہوں)

ان مندرجہ بالا حقائق کے اثبات کیلئے قرآن و سنت سے دلائل کا تذکرہ آپ جیسے عالم دین کیلئے ضروری نہیں سمجھتا۔ اس لئے ان کو تحریر میں نہیں لایا گیا۔ آخر میں واضح لفظوں میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسالہ الفاروق میں مذکور عقائد و نظریات سے حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی اور تنظیم فکر ولی اللہی کا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا اور ان کی طرف ان کی نسبت کرنے والے کاذب و مفتری اور ظالم ہیں۔

الالعیۃ اللہ علی الکاذبین والمفترین۔ الالعیۃ اللہ علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل اللہ ویہیغونھا عوجا مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

فقط والسلام

عبد المتین نعمانی (۲۰۰۰-۱۱-۱۲)

یہ خط ”اتمام حجت“ کے عنوان سے عزم سیریز نمبر ۱۸۴ دسمبر ۲۰۰۰ء، جنوری ۲۰۰۱ء کے صفحہ ۹۷ میں بھی شائع ہوا ہے اور اس کے آخر میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ یہ خط (۱) صدر وفاق المدارس العربیہ (۲) ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ (۳) اراکین

مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ کے نام بھی جاری کیا گیا ہے۔

(۳) مولانا سلیم اللہ خان کے نام مکتوب

محترم جناب مولانا سلیم اللہ خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج سلامت ہو گئے آپ کے جامعہ سے جاری ہونے والے رسالہ الفاروق میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی اور ان کی قائم کردہ تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان) کے خلاف بے بنیاد الزامات پر مبنی ایک مضمون پڑھا۔ ایک دینی رسالہ میں اس طرح کے جھوٹے اور من گھڑت مضمون کا چھپنا نہایت افسوسناک ہے۔ جس سے خانقاہ عالیہ رائے پور سے وابستہ لاکھوں عقیدت مندوں کی دل آزاری ہوئی۔

مضمون نگار اور مضمون شائع کرنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ صاحب معاملہ سے جن سے آپ حضرات بخوبی واقف ہیں۔ تحقیق و تصدیق کیے بغیر محض سنی سنائی باتوں اور جھوٹی گواہیوں کی بنیاد پر برصغیر کی عظیم خانقاہ کے مسند نشین کے خلاف مضمون چھاپنے سے پہلے ان سے ملاقات کر کے یا کم از کم خط و کتابت کے ذریعے ہی آگاہی حاصل کر لیتے۔ قطب وقت کی طرف جھوٹے عقائد کو نسبت کرنا اور ان پر کفر و الحاد کا فتویٰ لگانا علماء کرام کیلئے تو کسی صورت روا نہیں۔

آپ کی معلومات کیلئے عرض ہے کہ تنظیم فکر ولی اللہی کا پروگرام کوئی نیا پروگرام نہیں یہ اکابرین علماء حق کی جدوجہد کا تسلسل ہے۔ تنظیم سے وابستہ حضرات کو حضرت امام شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، حضرت مولانا محمد میاں اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ کے افکار، مضامین و کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ ہم نے اپنا کوئی لٹریچر تیار کیا ہے نہ ہی اکابرین کے لٹریچر کی موجودگی میں کسی لٹریچر کی ضرورت ہے۔ بلکہ

آج تو ضرورت ہی اکابرین حق سے وابستہ کرنے کی ہے۔ تنظیم کے دوستوں نے سینکڑوں نوجوانوں کو حضرات اکابین کے پروگرام سے واقف کرایا اور شعوری طور پر وابستہ کروایا ہے اس کا اہل حق سے وابستہ کسی دوسری تنظیم یا ادارہ سے کوئی تضاد نہیں بلکہ اس کے کام کے نتائج تمام اہل حق تنظیموں کے حق میں ظاہر ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

تنظیم کی دعوت پر مشتمل کتابچہ ارسال کر رہا ہوں تاکہ آپ حقائق سے آگاہ ہو سکیں۔

ہمارے عقائد الحمد للہ وہی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ سے لیکر حضرت قاری محمد طیب صاحب تک کی کتب میں مندرج ہیں۔ ان عقائد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں جو کہ آپ کے ”الفاروق“ میں منسوب کئے گئے ہیں یہ کسی مفتی ماجن کے خیالات محسوس ہوتے ہیں ابھی آپ کے دستخط کے ساتھ ایک اور مضمون سامنے آیا۔ جس میں تو غیر ذمہ داری کی انتہاء کر دی گئی۔ تنظیم کی یہ پالیسی نہیں کہ وہ کسی کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرے اور نہ ہی تنظیم کا کوئی ذمہ دار ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ چونکہ حضرت رائے پوری مدظلہ العالی کے عقیدت مند پاکستان بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور کئی ایک تنظیم کے نظم سے باہر ہیں اس لئے ان میں کسی نے الفاروق کی ہجویات پڑھ کر شدت جذبات میں آپ کے منصب کا خیال نہ رکھا۔ جس کو آپ سے دستخط لینے والے حضرات بھی پامال کر چکے ہیں۔ حضرت رائے پوری مدظلہ العالی اور تنظیم پر تلخ ہونے اور سبائی ہونے کا الزام کوئی انتہائی کم ظرف شخص ہی لگا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک مدرسہ کے شیخ الحدیث سے اس قسم کی افتر پردازی پر دستخط لئے جائیں تحریر میں سید نفیس شاہ صاحب کا حوالہ دیا گیا ہے کیا انہوں نے بھی اپنی خانقاہ کے مسند نشین کی جانب من گھڑت عقائد منسوب کئے ہیں کسی کی بیان کردہ کہانی پر اظہار افسوس کیا ہے؟

تحریر میں یہ شکایت بھی کی گئی ہے کہ تنظیم کے خصوصی اجلاسوں میں کسی کو شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی۔ سوال یہ ہے کہ کیا وفاق المدارس کی شوروی کے اجلاس میں ہر مسلمان یا ہر عالم دین شریک ہو سکتا ہے بلکہ وفاق کی انتظامیہ تو مجلس شوروی کے

اجلاس سے مجلس عمومی کے ارکان علماء کرام کو بھی نکال باہر کرتی ہے تو کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ وفاق کی مجلس شوریٰ میں تخریب دین اور پاکستان دشمن طاقتوں سے ساز باز جیسے معاملات طے پاتے؟ اگر نہیں تو تنظیم کے بارے میں ایسے افسانے گھڑنے کا کیا جواز ہے کہ خصوصی اجلاسوں میں غلط نظریات پڑھائے جاتے ہیں۔ دراصل تنگ نظر افراد اپنے اکابر کے نظریات و افکار سے ناواقف ہیں۔ والناس اعداء لما جہلوا (اور لوگ ان باتوں کے دشمن ہوتے ہیں جن سے وہ واقف نہیں ہوتے ہیں) کے اصول کے تحت انہیں اپنے علاوہ سب غلط نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اکابرین کی کتابیں استعداد کے مطابق درجہ بدرجہ پڑھاتے ہیں جیسے درس نظامی کے درجہ اولیٰ کے طالب علم کو دور حدیث کے علوم سمجھ نہیں آتے۔ اسی طرح اکابر کی کتب سمجھنے کیلئے ابتدائی استعداد نا کافی ہوتی ہے۔ ہمیں استاد محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹوکی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ کبھی بھی منبر پر عوام کے سامنے خفی شافعی دلائل مت بیان کرنا کہ اس سے کئی لوگ دین سے بدظن ہو سکتے ہیں۔ اس لئے درجاتی تعلیمی نظام کا قیام ضروری قرار پاتا ہے۔

منسوب کردہ عقائد کے بارے میں ہماری تحقیقاتی رپورٹ یہ ہے کہ یہ عقائد دراصل آپ کے ایک افغان شاگرد خالد محمود گیان فاضل جامعہ فاروقیہ کے ہیں۔ جو اس نے دوران تعلیم اپنائے اور پھر تنظیم میں لانے کی کوشش کی۔ جس پر تنظیم نے اس شخص اور اس کے خیالات سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا، جو صوبہ سرحد کے اخبارات میں شائع ہوا۔ یہ شخص تنظیم کے اعلان لاتعلقی کے بعد تنظیم کی دشمنی پر اتر آیا اور بڑے کہلانے والے حضرات کی سرپرستی میں تنظیم کے خلاف کچڑ اچھالنے لگا۔ حالانکہ یہ شخص ان لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں جن کے ثبوت محفوظ ہیں۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ بہتر ہوگا کہ آپ حضرات اپنے اشکالات بالمشافہ گفتگو کے ذریعے دور کرنے کی معقول راہ اپنائیں تاکہ دھریہ اور ملحد حلقوں کے سامنے وابستگان دین کی جگہ ہنسائی نہ ہو لہذا آپ یا آپ کے معتبر نمائندے کوئی وقت مقرر

کر کے مرکزی دفتر لاہور یا جیسے باہم اتفاق سے طے ہوا۔ تشریف لائیں تاکہ حقیقت حال واضح ہو سکے۔ اگر آپ اس پر تیار نہ ہوں تو ازراہ دیانت اس خط کو اپنے رسالہ الفاروق میں شائع کر دیں تاکہ تصور کا حقیقی رخ بھی قارئین کے سامنے آ سکے اور وہ خود کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

فقط والسلام عبدالمتمین نعمانی خادم تنظیم فکر ولی اللہی پاکستان

ویکے از وابستگان خانقاہ عالیہ رحیمیہ قادریہ عزیز یہ سعید رائے پور

خادم الحدیث دارالعلوم مدرسہ عربیہ اسلامیہ بورے والا (ضلع دہاڑی) (۲۰۰۰-۱۰-۹)

(۴) مولانا صاحبزادہ محمود شاہ کا مولانا سلیم اللہ خان کے نام مکتوب

خانقاہ یاسین زائی پٹیا لہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے مسند نشین اور فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا صاحبزادہ محمود شاہ صاحب نے بھی ماہنامہ الفاروق میں شائع الزامات پر مولانا سلیم اللہ خان کو درج ذیل مکتوب تحریر کیا۔ (اصل مکتوب فارسی میں ہے)

محترم المقام برادر م مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خیریت طرفین مطلوب

گذشتہ رات تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان) کے بارے میں آپ کا فتویٰ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اس لئے کہ تنظیم فکر ولی اللہی کے بانی مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری صاحب کے میری خانقاہ (خانقاہ یاسین زائی پٹیا لہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) کے ساتھ اچھے مراسم ہیں۔ اور کبھی کبھی تشریف بھی لاتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ بات کس حد تک صحیح ہے۔ انہوں نے سختی سے انکار کیا اور کہا کہ میں بھی یہ عقائد، کفر کے عقائد سمجھتا ہوں۔ اور جو کوئی بھی میرے ساتھ اس بارے میں بات کرنا چاہے۔ تمہاری اس خانقاہ میں تمہاری موجودگی میں دلائل سے میرے ساتھ بات کر کے ثابت کرے۔ میں ازسرنو اسلام کا کلمہ پڑھ لوں گا۔ میں نے یہی بیان شیخ معزالحق صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم عربیہ ثل ضلع ہنگو) کو لکھا۔ انہوں نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ لیکن انہوں نے

مناظرہ اور بات کرنے سے انکار کیا۔ مولوی امان اللہ صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ کا ہی ضلع ہنگو) کو لکھا انہوں نے بھی بات کرنے سے انکار کیا۔ مولوی شیر علی صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ) سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا۔ اس بات پر میں حیران ہوں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کہ یہ لوگ کفر کا حکم لگانے میں تو اس قدر سختی کرتے ہیں لیکن کفر کو ثابت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

جناب آپ سے بھی عرض کر رہا ہوں کہ کسی پر صرف دعویٰ کرنے سے ثبوت دعویٰ نہیں ہو جاتا۔ جب تک دعویٰ کیلئے دلیل نہ لائی جائے۔ اور دعویٰ بھی کفر کا دعویٰ ہے۔ اس کیلئے دلیل تو ضروری ہے۔ آخر وہ اقوال جن کی وجہ سے آپ نے ان پر کفر کا حکم لگایا ہے مدلل انداز میں پیش کیجئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا اور میں بھی اس کو بری نظر سے دیکھوں گا، لیکن صرف یہ بات کہ فلاں نے یوں کہا، فلاں نے یوں کہا اس سے کام نہیں چلے گا۔ ہمارے اسلاف رحمہ اللہ مسلمان پر کفر کا حکم لگانے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ خود حضرت مدنی (شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی) سے سنا ہے کہ ہمارے اسلاف مولانا احمد رضا خان کے گروہ پر کفر کا حکم نہیں لگایا، تم لوگوں نے جب کفر کے حکم کا پروپیگنڈہ ہر طرف پھیلا دیا، اب میدان میں آئیے اور اس کو روز روشن کی طرح ثابت کیجئے۔ آپ کراچی سے تشریف لائیں۔ اور میں مولانا سعید احمد رائے پوری صاحب کو لے آؤں گا۔ اور میری خانقاہ میں ان کے ساتھ اس بارے میں مدلل گفتگو کریں۔ اس نیت کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ شاید ان کو ہدایت نصیب فرمائے اگر وہ گمراہ ہیں یا مجھے غلط فہمی سے نکالیں اگر میں غلط فہمی میں پڑا ہوا ہوں۔ مناظرہ کی نیت سے بات نہ ہو، کیونکہ مناظرہ اللہ تعالیٰ کا قہر ہے جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے۔ آخر میں ایک دفعہ پھر عرض کرتا ہوں کہ ان اشتہارات اور اخبارات و رسائل کے ان فتوؤں سے اسلام کو بدنام کر کے عام مسلمانوں کو حیرانی و پریشانی میں ڈالنا، علماء حق کا یہ کام نہیں ہے۔

والسلام محمود عفا عنہ خانقاہ الیسیں زئی پٹیاہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

۱۹، رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ کے نام مکاتیب کے علاوہ عزم سیریز کے اندران کے بارہ میں جو مضمون شائع ہوا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

علماء کیلئے باعث شرم عناصر

گذشتہ دنوں کراچی کے ایک صاحب جو خیر سے ایک مدرسے کے شیخ الحدیث ہی نہیں کئی مدارس کے وفاق کے سربراہ بھی ہیں کے دستخط کے ساتھ ایک تحریر نظروں سے گزری جس کو پڑھ کر اس فارسی مقولہ کے مفہوم کا اندازہ ہوا۔ ”چون کفر از کعبہ بر خیزد کجا مانند مسلمانی“ کہ اگر حاملین دین بھی بہتان طرازی پر آئیں تو پھر عصر حاضر کے اہل سیاست سے کیا شکایت! معلوم نہیں کہ موصوف نے تحریر پڑھ کر دستخط کئے یا کسی نے عیاری سے دستخط حاصل کر لئے، دونوں صورتوں میں موصوف بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ اس طرح کی تحریروں کی موجودگی میں علماء دین کا وقار خاک ملانے کیلئے کسی این جی او، وغیرہ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ جن کا محاسبہ کرنے کیلئے آئے دن مذہبی تنظیمیں اخباری بیان اور احتجاجی دھمکیاں دیتی رہتی ہیں۔ ایسی تنظیموں اور جماعتوں کو سب سے پہلے اپنی صفوں میں موجود ایسے ”بزرگوں“ کو بھی کسی ضابطہ اخلاق کا پابند بنانا چاہئے جو کانوں کے بھی کچے ہیں اور زبان و قلم کے بھی۔

(۱) تاسف و تعجب کی بات یہ ہے کہ تنظیم فکر ولی الہی کے نظریات کو ملحدانہ قرار دینے والے صاحب ایک عرصہ تک بعث پارٹی کے عیسائی بانی میٹل عفلق سے عراق جا کر امداد وصول کرتے رہے چنانچہ ان کے مدرسہ کی کئی عمارات اسی امداد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ گویا میٹل کے کفریہ عقائد اور الحادی نظریات سے تو ہم آہنگی ہے یا وہ قابل برداشت ہیں مگر سچے لوگوں کے پیروکار قابل گردن زنی ہیں اسی کو دورخی کہا جاتا ہے جو ذوالجھین لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ وان شر الناس عند اللہ یوم القیامۃ ذوالجھین (الحدیث)

(۲) حقیقت یہ ہے کہ تنظیم فکر ولی الہی کا نصب العین، رہنما اصول اور اغراض و مقاصد کوئی راز نہیں، ان کی تصویب نہ صرف ملک کے بڑے مدارس کے بڑے مدارس

کے مفتیان کرام کر چکے ہیں بلکہ تنظیم کی مرکزی مجالس کی اکثریت بھی مستند علماء کرام پر مشتمل ہے۔ نیز حقیقی وابستگان میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، جامعہ فاروقیہ کراچی، جامعہ دارالعلوم کراچی، جامعہ تعلیم القرآن راولپنڈی، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، جامعہ مدنیہ لاہور، جامعہ قاسم العلوم ملتان، جامعہ رشیدیہ ساہیوال، جامعہ امدادیہ فیصل آباد، جامعہ تعلیم القرآن ہارون آباد، مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم چشتیاں، دارالعلوم مدرسہ عربیہ اسلامیہ بورے والا، جامعہ امینیہ راولپنڈی اور جامعہ مدنیہ ڈیرہ اسماعیل خان جیسے اہم اداروں کے فاضلین و مستحصین نہ صرف شامل ہیں بلکہ نوجوانوں کی تربیت پر فائز ہیں، اللہم زد فزذ۔

(۳) تنظیم فکر ولی الہی کے حقیقی (فرضی نہیں) وابستگان کے عقائد من وعن بلا کم وکاست ظاہر و باطناً عند اللہ و عند الناس وہی ہیں جو اہل حق کی مسلمہ کتب عقائد میں درج ہیں جن کی ترویج ولی الہی علماء حق کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ اتبع سبیل من اناب الی کے قرآنی حکم کے تحت اہل حق کی پیروی کو سرمایہ مغفرت سمجھتے ہیں لہذا ان اجماعی عقائد کے علاوہ تنظیم کی طرف کسی اور بات کی نسبت کرنے والے عند اللہ و عند الناس مجرم ہیں۔ اللہم انانعلک فی خورهم و نعوذ بک من شرورهم تنظیم کی سوچ کی نمائندگی کرنے والا لٹریچر ہر دلچسپی رکھنے والے شخص کے مطالعہ میں رہتا ہے، اب تک اس سلسلہ میں ۴۹ پمفلٹس شائع ہو کر عوام الناس تک پہنچ چکے ہیں۔ ایسے میں مستند ذرائع پر اعتماد کی بجائے افواہوں پر اپنی رائے قائم کرنے والے ساقط العدا لہ ہی گردانے جائیں گے۔ کفی بالمرء کنباً ان یحدث بکل سمع (الحديث)

(۴) موصوف کے دعویٰ کے برعکس تنظیم فکر ولی الہی کے نظریات کے لحاظ سے ہونے کیلئے کوئی ثقہ اور معتبر گواہی سرے سے وجود ہی نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں اسلام نظام عدالت کے تحت تزکیہ اشہو دکی بنیادی اہمیت ہے جس کے روبہ عمل آنے کی صورت میں گواہوں کا سارا کچا چٹھا کھل جاتا ہے۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب پاکستان

میں اسلام کا نظام نافذ ہوگا تو اس کے تحت اس کی سرے سے کوئی گنجائش نہ ہوگی کہ مدعی (خواہ اس نے مذہبی روپ دھار رکھا ہو) خود ہی اپنی یا اپنے چند زیر اثر افراد کی گواہی پر قاضی کا منصب سنبھال لے۔ اس لئے اسلام کے نظام عدالت کی ایسی تصویر کشی تو اس کو مسخ کرنے کے مترادف ہے کہ کسی خانہ ساز یا فاسق و فاجر کی جھوٹی اطلاع پر ملحد سازی کا فتویٰ صادر کر کے عوام الناس کو مشتعل کیا جائے اور اس ذریعہ سے معصوم مسلمانوں کی جان لینے کی کوشش کی جائے۔ اور اگر ایسی کوئی حرکت ہوئی تو فتویٰ بازی کرنے والے اس کے قانونی نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یا ایہا الذین آمنوا! نہ جہاں فاسق بناء فتینو ان تصیبا و اقوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (القرآن)

(۵) الحمد للہ تنظیم فکرولی الہی کے طریق کار میں نہ کبھی تقیہ رہا ہے اور نہ انشاء اللہ ہوگا۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے عظیم خانوادہ، حاجی امداد اللہ مہاجر کی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، حضرت مولانا تاج محمود امروٹی، حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری، حضرت حاجی ترنگزئی، حضرت مولانا محمد صادق کھڑوی وغیرہ کی پیروی میں عزیمت کا راستہ اختیار کرنے کی فکر و سعی میں ہے۔ اس میں ایسے خرافات کی گنجائش کہاں ہے؟ اس تناظر میں تقیہ کرنے والے اور تقیہ کا بہتان باندھنے والے اس ایک کشتی کے سوار نظر آتے ہیں۔ جس کے ملاح عبداللہ بن ابی عبداللہ بن سبا اور لارنس آف عربیہ رہے ہیں۔ خذلہم اللہ و من تبعہم الی یوم الدین۔

(۶) تقیہ کا الزام دھرنے والے اپنی مذہبی زندگی میں عملی تقیہ کا پورا اہتمام کرتے رہتے ہیں، موصوف نے ۱۹۷۰ء میں مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کی جدوجہد کو سوشلزم قرار دے کر اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا پھر ۱۹۸۱ء میں عراق

ایران جنگ میں سوشلسٹ عراق کو اتنا بھایا کہ وہاں سوشلسٹ حکمرانوں کے قسیدے پڑھنے لگے اور ان کے نمائندوں کے سامنے کورنش بجالانے میں مصروف رہے۔ پھر ان سے رات بپانے لگ، اس دوران موصوف نے عراق کے مہنگے ہوٹلوں میں جو کچھ کیا وہ ان کے رفقاء سفر سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور جب عراق ایران جنگ ختم ہوئی اور رات بپانے بند ہوئی تو پھر صدام حسین کو کافر ودھریہ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور اس کے نام سے بنائی گئی عمارت کو راتوں رات بے نام کر دیا گیا۔

(۷) یہ امر باعث مسرت ہے کہ خانقاہ عالیہ رائے پور کے اکثر و بیشتر مفتیین بدستور خانقاہ سے استفادہ کر رہے ہیں اور انہیں خانقاہ عالیہ سے بدظن کرنے کے تمام گھناؤنے حربے ناکام ثابت ہو رہے ہیں چنانچہ کوئی بھی غیر متعصب شخص ماہ رمضان المبارک میں خانقاہ کے روح پرور ماحول میں آکر عظیم الشان اجتماع کا مشاہدہ کر سکتا ہے اور خانقاہ عالیہ کے موجودہ مسند نشین حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ سے فیض حاصل کر سکتا ہے جو تقریباً ۳۰ سال حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی شفقت و تربیت میں رہے اور خلیفہ مجاز قرار پائے بعد ازیں مزید ۳۰ سال حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ قدس سرہ کی خدمت و صحبت میں رہے تا آنکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی رحلت سے چار سال قبل ۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء کو خانقاہ عالیہ رائے پور کی مسجد کے سامنے وسیع میدان میں بلا مبالغہ ہزاروں مسلمانوں کی موجودگی میں اپنے ان ہونہار خلف اکبر کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کیا اور وابستگان کو ان سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ تعمیل حکم کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(۸) حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ اپنے اسلاف مشائخ کے مشن پر استقامت کے ساتھ مصروف عمل ہیں اور اپنے شیخ کی ہدایت پر نوجوانوں میں کام کر رہے ہیں۔ مدللہ ظہم وجعل سعیم مشکورا، ان سمیت تمام مشائخ رائے پور کے مشن کو جاننے کیلئے درج ذیل کتب لائق مطالعہ ہیں۔ (۱) شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ مولفہ مولانا مفتی عبدالحق آزاد مدظلہ، (۲) سوانح شاہ عبدالقادر رائے پوری مولفہ مولانا علی

میاں (۳) مجالس حضرت رائے پوری (۴) ارشادات حضرت رائے پوری جمع کردہ مولانا حبیب الرحمن رائے پوری اور جو چند ایک حضرات خانقاہ سے قطع تعلق کر کے اپنی مسند سجا چکے ہیں وہ ازراہ حسد کذب بیانی کا شوق پورا کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے بیان کی کوئی حیثیت کسی جگہ قابل تسلیم نہیں۔ (نعوذ باللہ من شر اللفافات فی العقد و من شر حاسدانا حسد)

(۹) سچے بزرگوں سے سچی عقیدت، محبت، علی وجہ البصیرت تعلق اور ان سے ملنے والے قرآن و سنت کے فہم و ذوق کا تقاضا یہ ہے کہ ان بزرگوں کے سچے وارثوں اور مخلص شیدائیوں سے بھی محبت و تعلق رکھا جائے نہ کہ ان پر ایسی باتوں کا بوجھ ڈالا جائے جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئیں۔ فلا تاتوا بھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم۔

(۱۰) غالباً موصوف پیرانہ سالی کے باعث درست معلومات تک رسائی سے قاصر ہیں یا کسی وہمی مرض کا شکار ہو گئے ہیں۔ بہر صورت ان کے قریبی خیر خواہوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کو صحیح معلومات سے آگاہ رکھا کریں اور ان کی تحریروں کو جانچ لیا کریں اور ان سے دستخط لینے والوں کی نگرانی رکھا کریں کیونکہ ان کے شعوری یا غیر شعوری منفی رویے سے علماء کرام کے وقار پر مضراثرات مرتب ہو رہے ہیں، نیز ان کو تمام ذمہ داریوں سے فارغ کر کے ان کے بوجھ کو ہلکا کریں۔ (شعبہ نشر و اشاعت، عزم سیریز نمبر ۱۸۴، دسمبر ۲۰۰۰ء، جنوری ۲۰۰۱ء ص ۶۲۲)

(۵) مرکزی ناظم نشر و اشاعت کا جامعہ علوم اسلامیہ کراچی کے مہتمم کے نام مکتوب

محترمی و مکرمی مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر الازہری مدظلہ العالی

رئیس جامعہ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ صحت و عافیت کے ساتھ ہوں گے۔ آپ سے غالباً ۱۹۷۰ء میں شرف تلمذ حاصل ہوا تھا۔ جب آپ نے چند یوم کیلئے ”طریقہ عصریہ“ کا درس دیا

تھا۔ بعد ازیں آپ مصر ولیدیا تشریف لے گئے۔ اس وقت سے آپ سے ایک تعلق قائم ہے۔ جس میں حضرت والد صاحب (مولانا محمد بدیع الزمان) رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس وقت سے تافرغت جامعہ میں جن بزرگوں کی آمد و رفت ہی، ان کی زیارت بھی ہوتی رہی۔ چند ایک اکابر، جامعہ کے ذمہ داران کے اصرار پر جامعہ میں طویل قیام بھی فرماتے رہے۔ اسی جامعہ کی بدولت خانقاہ عالیہ رجمیہ رائے پور سے واقفیت ہوئی۔ یہیں سب سے پہلے حضرت الشاہ عبدالعزیز رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی زیارت ہوئی۔ حضرت رائے پوری کے رفقاء میں انکے خلف اکبر (اب جانشین ہیں) مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی نمایاں ہوتے تھے۔ حضرت بیعت ہونے والوں کو تعلیم ذکر کیلئے اپنے ہونے والے جانشین کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ (راقم سے بھی حضرت نے یہی ارشاد فرمایا۔ جب حضرت والد صاحب نے راقم کو بیعت کرایا) الحاصل جامعہ کیلئے خانقاہ رائے پور اجنبی نہیں اور نہ اس کے حضرات مشائخ نامانوس، حضرت الشیخ البوری سے حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہید تک ہمیشہ اکابر رائے پور کی مہمان نوازی کی سعادت جامعہ کو حاصل رہی۔ جس کے آپ بھی گواہ ہیں۔ کچھ عرصہ سے خانقاہ عالیہ رائے پور کے موجودہ شیخ طریقت حضرت الشاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی (جن سے آپ کی متعدد ملاقاتیں اور نشستیں رہی ہیں) اور ان کی قائم کردہ تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان) سے متعلق بہتان طرازی پر مبنی فتویٰ بازی ہو رہی ہے۔ جس سے جامعہ نے اب تک اپنا دامن بچائے رکھا لیکن اب محسوس ہوتا ہے کہ اس وائرس نے جامعہ کے دارالافتاء میں بھی نفوذ حاصل کر لیا ہے۔ فیالسنی، وہ مسند افتاء جس پر مفتی اعظم حضرت الاستاذ مولانا مفتی ولی حسن ٹوکنی، حضرت الاستاذ مولانا مفتی احمد الرحمن رحمانی اور حضرت مولانا عبدالسلام چانگامی مدظلہ فائز رہے اب وہ طفلان مکتب یا سیاسی گھاگھوں کے نرغے میں ہے۔ گویا؟ کے تصرف میں عقابوں کے نشین!

شاید آپ کے علم میں ہو جامعہ کے دارالافتاء نے ایک فتویٰ نمبر ۴۰۴۱ مورخہ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ جاری کیا ہے۔ آپ اس کا بغور مطالعہ فرمائیے اور دارالافتاء کی

روایات کی پامالی پر غور کیجئے۔ اس سلسلہ میں چند معروضات سر دست پیش ہیں۔

۱۔ جناب محمد اطہر سلیم نے دارالافتاء سے ایک تحریری استفتاء کے ذریعہ رجوع کیا۔ جس پر دارالافتاء کے محرر نے ۷۸/۲ نمبر رقم کیا اور تاریخ ۲۲ جمادی الاول ۱۴۲۰ھ ثبت کی۔ اس استفتاء کا دو سال تک کوئی جواب نہ دیا گیا۔ باوجودیکہ اس سلسلہ میں کئی بار تقاضا بھی کیا گیا۔ اب یکا یک ایک اور استفتاء ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ بمطابق ۳۰ اگست ۲۰۰۱ء کو لکھا جاتا ہے اور دارالافتاء سے کمال چابکدستی سے اسی تاریخ کو جواب دیدیا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اسی تاریخ کو دو سال پرانے استفتاء پر بھی تحریر درج کر دی جاتی ہے۔ یہ طرز عمل درج ذیل شہبات پیدا کرتا ہے۔

(۱)۔ استفتاء دارالافتاء کے محررین نے تیار کیا اور خود ہی اس پر فتویٰ بھی دیدیا۔ (۲) دارالافتاء کے محررین تنظیم فکر ولی اللہی کی بابت پہلے سے ادھا رکھائے بیٹھے تھے اور وہ تنظیم کے بارے میں متعصبانہ جذبات رکھتے تھے۔ اب ایسے میں آپ ہی بتائیے کہ شریعت اسلامیہ میں ”ذی غم“ کی شہادت کی کیا حیثیت ہے؟

۳۔ جس شخص نے استفتاء مرتب کیا ہے اور بے خبری میں مسجد کمیٹی کے صدر سے دستخط کرائے۔ نہایت دجل سے کام لیتے ہوئے عبارتوں میں قطع و برید اور اضافے کر کے مفہوم کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور دارالافتاء کے محررین (لکھاریوں) نے بھی اسی طرز پر اپنا کردار ادا کیا۔ (اس دجل کی تفصیل کسی اور موقع پر بیان کی جائیں گی)۔

۴۔ تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان) کے کسی درجہ کے نصاب میں ”الہام الرحمن“ اور افادات و ملفوظات“ نامی کتب شامل نہیں ہیں۔ استفتاء میں دجل سے کام لیتے ہوئے انہیں تنظیم کا نصاب قرار دیا گیا ہے اور فتویٰ میں نمبر ۶، ۱۱، ۱۹، ۲۰، اور ۲۳ کے تحت انہی کتابوں کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ (گو استفتاء میں ان کی عبارتوں کے مفاہیم کو بھی مسخ کیا گیا ہے جو اس وقت زیر بحث نہیں) کیا اس حوالہ سے تنظیم کے بارے میں استفتاء اور فتویٰ محررین کی بددیانتی کا کھلا ثبوت نہیں؟

۵۔ فتویٰ (صفحہ ۱۴) کی آخری سطور میں نمبر ۷ کے تحت تنظیم پر جنت کے حوالہ

سے جو الزام تراشی کی گئی ہے۔ اس کی بنیاد جس عبارت پر رکھی گئی ہے۔ اسے آپ بھی بغور پڑھیے اور بتائیے کہ اس کے کس جملہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنت و دوزخ محض انسانی کیفیت کا نام ہے اور پھر یہ فیصلہ بھی کیجئے کہ فتویٰ کے محررین، افتاء کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یا شام کے کسی اخبار کیلئے کہانی گھڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟

۶۔ تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان) کے نصاب میں ”المقام المحمود“ شامل نہیں ہے اس لئے اس حوالہ سے تنظیم پر کسی فتویٰ کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ جہاں تک اس پر تقریظ (تعارف) لکھنے والوں کا تعلق ہے۔ (جن میں راقم شامل ہے) تو وہ جس طرح تنظیم فکر ولی اللہی سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح وہ خانقاہ عالیہ رائے پور سے منسلک اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے فاضلین بھی ہیں اور مختلف تعلیمی اداروں میں تدریسی فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

جہاں تک جنت و دوزخ کی پیچیدگی و غلطی کے صریح انکار کا الزام اصحاب تقاریظ پر لگایا گیا ہے تو یہ ایک صریح بہتان ہے کیونکہ یہ سب حضرات خلود پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن خلود کے مفہوم میں نہ صرف سلف میں ایک سے زائد آراء رہی ہیں بلکہ قرآن حکیم میں بھی خلود ایک سے زائد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں فتویٰ کے محررین سردست علامہ سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی جلد چہارم کا مطالعہ کریں۔

۷۔ آب کوثر وغیرہ سے متعلق عبارت در حقیقت حضرت الامام الشاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی تصنیف ”تقیہات الہیہ“ سے ماخوذ ہے جس کو فتویٰ کے محررین نے تنظیم کی منسوب کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ تنظیم دشمنی میں حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی حدیث و آثار سے ثابت شدہ عقیدے سے منحرف قرار دے بیٹھے، غالباً محررین عبارت کو سمجھ ہی نہیں پائے۔ اگر مذکورہ الزام سلف دشمنی نہیں تو جہل مرکب ہونے سے آپ بھی انکار نہ کریں گے۔ کیا ایسے لوگ منصب افتاء کے شایان شان ہیں؟

۹۔ جو مساجد فرقہ واریت کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ جہاں سے تغلیط اسلاف

کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ جہاں مخالف مسلک و نظریہ مسلمان کا داخلہ ممنوع ہے۔ جہاں طاغوت کے خلاف جہاد کی بات کرنا اور امریکہ دشمنی سے آگاہ کرنا شجر ممنوعہ ہے۔ وہاں مساجد کی انتظامیہ کی اس روش پر تنقید کرنا کسی طور پر شعائر اسلام کی اہانت کو مستلزم (لازم) نہیں بلکہ شعائر دین کی عظمت کی بحالی ایک محسن کوشش ہے۔ استفتاء میں جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ قارئین کو دعوت فکر، مساجد کی انتظامیہ اور علماء کرام کو دعوت اصلاح ہے اور مساجد کی حالت زار پر کڑھن اور تاسف کا اظہار ہے۔ معلوم نہیں کہ فتویٰ کے محررین نے بلاغت اور اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ صاحب مطالعہ ہیں تو انہیں یہ بھی پتہ ہونا چاہئے۔ کہنے والا کا انداز اور سیاق کلام جملوں کا مفہوم متعین کرتا ہے۔

ان معروضات کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جامعہ کے ارباب حل و عقد (ذمہ داران) اس فتوے کے بارے میں اپنی پوزیشن واضح کریں۔ اگر آپ حضرات اس کے مندرجات کی تائید پر عصر ہیں تو پھر کسی بھی غیر جانبدار ماحول اور غیر متعصب پلیٹ فارم پر کھلے مباحثہ کی پر خلوص دعوت ہے تاکہ احقاق حق و ابطال طائل ہو سکے۔ نیز تنظیم کے وابستگان دارالافتاء کے ذمہ داروں کے بارے میں کوئی بھی سماجی، قانونی یا ابلاغی راستہ اختیار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ جسے وہ مناسب موقع پر استعمال کریں گے۔ ایسی صورت میں جامعہ کی شہرت متاثر ہونے کی ذمہ داری محررین فتویٰ اور ان کے سرپرستوں پر عائد ہوگی۔ والا ثم علی من افتاء۔

مجھے قوی امید ہے کہ ایسے موقع پر جب پاکستان میں دینی قوتوں کی اتحاد کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ مذکورہ فتوؤں کی تردید جاری کی جائیگی۔ فقط والسلام! سعید الرحمن بن حضرت مولانا محمد بدیع الزمان (۲۔ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ، بمطابق ۲۰ ستمبر ۲۰۰۱ء)

(۶) نائب رئیس دارالافتاء کے نام مکتوب

محترم جناب نائب رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دارالافتاء سے جاری ہونے والا فتویٰ نمبر ۴۰۴۱ مجریہ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ کے نقائص کے حوالے سے آپ کی خدمت میں عرض ہے۔

۱۔ کاتب استفتاء نے اپنے مطلب کے فتویٰ کے حصول کیلئے جو جاں بچھایا تھا۔ آپ اسے شاید بھانپ نہ سکے۔ چنانچہ جلت میں فتویٰ تحریر کر دیا گیا۔ اور تحقیق کی نوبت نہ آسکی، واضح رہے کہ استفتاء اور فتویٰ دونوں پر ایک ہی تاریخ درج ہے یعنی ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۲ھ بمطابق ۳۰ اگست ۲۰۰۱ء

۲۔ تنظیم فکر ولی اللہی کے کسی درجہ کے نصاب میں الہام الرحمن، المقام المحمود اور افادات و ملفوظات نامی کتب شامل نہیں۔ لہذا ان کی عبارات کی آڑ میں تنظیم کو مورد الزام ٹھہرانا کسی طور پر قرین انصاف نہیں۔

۳۔ تنظیم کے نصاب میں جو کتب و رسائل داخل ہیں ان کا حرفی مطالعہ کر کے ان پر صا و نہیں کیا جاتا (اندھی تقلید نہیں کی جاتی) بلکہ تحقیقی مطالعہ اور استدلالی مباحثہ کے ذریعے مندرجات پر غور کیا جاتا ہے نتیجتاً ان سے قرآن و سنت کے حقائق ثابتہ و دلائل مستندہ کی بنیاد پر اتفاق یا اختلاف کیا جاتا ہے۔ بالکل سی طرح جس طرح حنفی دینی مدارس میں صحیح بخاری کے شامل نصاب ہونے کا مفہوم امام بخاریؒ کے تمام استنباطات (اخذ کردہ نتائج) سے اتفاق نہیں ہوتا۔

۴۔ تنظیم کے نصاب میں شامل کتب و رسائل کے مطالعہ سے مقصود نوجوانوں کو یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ اسلام کل کی آج کے مسائل حل کرنے کی اعلیٰ صلاحیت کا حامل واحد دین حق ہے۔ اور ان افکار کی نشاندہی کرنا ہے جو غلبہ دین کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ جیسے الحاد، دھرتیت، اباحت، مادہ پرستی، مزدکیت، فرعونیت، قارونیت، پاپائیت، رہبانیت، ملوکیت ناس، الوہیت ناس، فرقہ واریت، استشر ایت وغیرہ نیز ان عصری رجحانات کا جائزہ لینا جن کو دین حق کی تعلیمات راسخہ عقائد اساسیہ کے تحت لا کر اپنا یا جاسکتا ہے۔ مثلاً اختیارات و وسائل میں عوام کا حصہ، انسانی مساوات و معرفۃ الاشیاء کماہی (اشیا کی حقیقت کا علم) سائنسی ایجادات، رواداری و عدم تشدد، جغرافیائی شناخت

وغیرہ۔

۵۔ فتویٰ میں نمبر ۷ کے تحت جو ”تحقیق“ رقم کی گئی ہے کہ اس پر جب آپ نظر ثانی کریں گے تو حقیقت واضح ہو جائیگی کہ زیر اعتراض عبارت میں کوئی ایسا نہیں ہے۔ جو جنت و دوزخ کے محض نفسیاتی کیفیت ہونے کو بیان کر رہا ہو۔

۶۔ آپ کوثر سے متعلقہ عبارت حضرت الامام شاہ ولی اللہ کی ہے جو بذات خود مذکور الزام کی نفی کرتی ہے۔ بالفرض اگر عبارت قابل اعتراض اور موجب خروج از اہل السنّت والجماعت ہے تو فرد جرم میں حضرت شاہ صاحب کو بھی شامل کر لیا جائے۔

اگر آپ کو یا کسی بھی صاحب کو مزید کوئی اشکال ہے تو اس سلسلہ میں اصحاب معاملہ سے دریافت کر لینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ خود ساختہ صغریٰ و کبریٰ ملا کر اور کوئی نتیجہ نکال کر اسے نشر کر دیا جائے، کیونکہ اس سے محض کسی فرد کی ثقاہت (باعتداحیثیت) ہی مجروح نہیں ہوتی بلکہ پورا ادارہ اور مسلک بھی متاثر ہوتا ہے جو یقیناً ایک بڑا نقصان ہے اور اس سے احتراز ضروری ہے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ تنظیم کے حوالہ سے ایک آپ پوری طرح اطمینان کر لینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے اور اس سلسلہ میں راقم الحروف آپ سے مکمل تعاون کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار ہے تاکہ دینی جامعات و مدارس پر بے پرکی اڑانے کی بھنتی نہ کسی جائے۔

فقط والسلام

سعید الرحمن، مرکزی ناظم نشر و اشاعت، تنظیم فکر ولی اللہی پاکستان

(۱۸ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ، ۴ دسمبر ۲۰۰۱ء)

(۸) افکار فاسدہ سے برأت

فکری قیادت نے اپنی نظریاتی صفائی کیلئے آٹھویں بنیادیراہم کی ہے کہ اپنی طرف منسوب افکار فاسدہ سے برأت کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے جن افکار فاسدہ سے برأت کا اعلان کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۔ اسباب کے بغیر اللہ کی قدرت کے انکار کا الزام..... (ص ۶۲)

- مغالطہ نمبر ۲۔ نماز کی اہمیت کے انکار کا الزام..... (ص ۶۳)
- مغالطہ نمبر ۳۔ امام مہدی کے انکار کا الزام..... (ص ۶۳)
- مغالطہ نمبر ۴۔ جنت و دوزخ کے انکار کا الزام..... (ص ۶۴)
- مغالطہ نمبر ۵۔ اشتراکی خیالات کے پرچار کرنے کا الزام..... (ص ۶۶)
- مغالطہ نمبر ۶۔ قتال کے انکار کا الزام..... (ص ۷۵)
- مغالطہ نمبر ۷۔ صحابہ کرامؓ کے معیار حق ہونے کے انکار کا الزام..... (ص ۷۹)
- مغالطہ نمبر ۸۔ خلافت کے بغیر ایمان و اعمال کے ضروری نہ ہونے کا الزام..... (ص ۸۰)
- مغالطہ نمبر ۹۔ سود جائز قرار دینے کا الزام..... (ص ۸۰)
- مغالطہ نمبر ۱۰۔ داڑھی کو زیادہ اہمیت نہ دینے کا الزام..... (ص ۸۲)
- مغالطہ نمبر ۱۱۔ موجودہ دور میں حدود کو ظلم قرار دینے کا الزام..... (ص ۸۴)
- مغالطہ نمبر ۱۲۔ علماء کرام کو معاشرہ پر بوجھ قرار دینے کا الزام..... (ص ۸۴)
- مغالطہ نمبر ۱۳۔ قرآن حکیم کی قرأت کو بت پرستی کی مانند قرار دینے کا الزام..... (ص ۱۰۸)
- مغالطہ نمبر ۱۴۔ جنت و دوزخ کو نفسیاتی کیفیات خیال کرنے کا الزام..... (ص ۱۱۱)
- مغالطہ نمبر ۱۵۔ جنت و دوزخ کی ہمیشگی اور غلد کے انکار کا الزام..... (ص ۱۱۲)
- مغالطہ نمبر ۱۶۔ آپ کوثر کے بارہ میں سابق عقیدہ سے انحراف کا الزام..... (ص ۱۱۳)
- مغالطہ نمبر ۱۷۔ عقیدہ شفاعت کے انکار کا الزام..... (ص ۱۱۸)
- مغالطہ نمبر ۱۸۔ عصر حاضر کی مساجد کو مسجد ضرا قرار دینے کا الزام..... (ص ۱۲۲)
- مغالطہ نمبر ۱۹۔ حیات عیسیٰؑ و ظہور مہدی کو غیر اسلامی قرار دینے کا الزام..... (ص ۱۲۵)
- مغالطہ نمبر ۲۰۔ حدیث کے مستقل وحی ہونے کے انکار کا الزام..... (ص ۱۲۷)
- مغالطہ نمبر ۲۱۔ سواد اعظم کی مخالفت اور تفرک کا الزام..... (ص ۱۳۶)
- مغالطہ نمبر ۲۲۔ تنظیم پر الحاد اور زندگی کے الزامات..... (ص ۱۳۹)

یہ ہے وہ افکار (جو کراچی سے جاری ہونے والے فتاویٰ جات میں فکری تحریک کی طرف منسوب کئے گئے) جن سے فکری قیادت نے برأت کا اعلان

کیا ہے۔ لیکن یہ اعلان برأت اسی جگہ مؤثر ہو سکتا ہے، جہاں ان افکار کی فکری تحریک کی طرف نسبت کا ثبوت موجود نہ ہو۔ ہم آئندہ اوراق میں جو افکار ٹھوس ثبوت کیساتھ باحوالہ نقل کریں گے ان کیلئے یہ مذکورہ اعلان برأت مؤثر ہو سکتا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ قارئین خود کر لیں۔

زیر نظر کتاب کا مآخذ

چونکہ تنظیم فکر ولی الہی کے بارہ میں عام طور پر یہی تاثر پایا جاتا رہا ہے کہ اس کے افکار فاسدہ کے بارہ میں کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں ہے۔ لیکن ہمارے مطبوعہ مضمون اور مطبوعہ کتاب میں اس تاثر کو غلط ثابت کر دیا۔ اور جملہ اکابر علماء نے ہمارے پیش کردہ تحریری مواد کو تنظیم کے خلاف پہلا، ٹھوس اور مدلل مواد تسلیم کیا۔ پہلے مضمون میں ہم نے تنظیم کے افکار پر، اس کے مرکزی آرگن ”عزم سیریز“ کے حوالہ سے بات کی تھی۔ اور پھر کتاب کے اندر مذکورہ مآخذ کے علاوہ ان کے تربیتی نصاب کی مستقل کتاب ”شعور و آگہی“ اور تنظیم کے مرکزی اکابر کی تصدیقات و تائیدات سے مزین تفسیر ”المقام المحمود“ کے حوالہ جات بھی نقل کئے گئے تھے۔ اب بھی ہمارا بنیادی مآخذ یہی تین چیزیں ہیں۔

- (۱) تنظیم کا مرکزی آرگن، عزم سیریز
- (۲) تنظیم کے تربیتی نصاب کی مرکزی کتاب، شعور و آگہی
- (۳) حضرت امام سندھیؒ کی طرف منسوب تفسیر المقام المحمود

چند افکار فاسدہ

حضرت سندھیؒ کے اس فکری اصول سے ہمارے لئے تحقیق و ریسرچ کا یہ باب واہو جاتا ہے کہ ہم حضرت سندھیؒ کی طرف منسوب تفسیری نظریات کو مذکورہ اصول کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اگر وہ تفسیری اقوال و نظریات اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں اور مذکورہ پانچ بزرگوں کے اصول کے مطابق ہیں تو وہ حضرت سندھیؒ کے ہیں۔ ورنہ وہ ناقل کے اختراعی ذہن کی پیداوار ہیں۔ حضرت سندھیؒ کے اس اصول نے ہمارے لئے ان کی

طرف منسوب تحریرات و نظریات کی جانچ پڑتال بہت آسان کر دی ہے۔ لہذا ہم ”تفسیر المقام المحمود“ کے قابل گرفت اور ناقابل اعتماد نظریات کو اسی کسوٹی پر پرکھیں گے۔ اب آئیے ان میں چند نظریات ملاحظہ فرمائیے۔

فکری تحریک کے افکار فاسدہ

تنظیمی لٹریچر کے آئینہ میں

تنظیم فکر ولی اللہی کی مرکزی قیادت کے خصوصی اہتمام سے فکری و انقلابی بنیادوں پر شائع کی جانے والی حضرت سندھی کی طرف منسوب ”تفسیر المقام المحمود“ کے حوالہ جات سے فکری تحریک کے افکار فاسدہ کی ایک ہلکی سی جھلک آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب اس کے افکار فاسدہ کا دوسرا پہلو بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ جو کہ اسکے تنظیمی لٹریچر کے حوالہ جات پر مشتمل ہے۔ ان کی روشنی میں فکری تحریک کے عزائم و مقاصد اور اس کی نظریاتی پوزیشن تک رسائی یقیناً آسان ہوگی۔ کیونکہ ہمارا مقصد صرف اتمام حجت ہے۔ اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ زیر نظر ”جائزہ رپورٹ“ صرف دستیاب لٹریچر کی حد تک ہے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو مسلک دیوبند کی روشنی میں اپنی فکری اصلاح کرنے کی توفیق بخشے آمین، یا رب العالمین

(تفسیر ”المقام المحمود“ کی روشنی میں)

اشراکیت کی حمایت اور اس کے لئے مذکورہ اہداف کی بناء پر فکریوں کے اندر جو اعتقادی فسادات اور نظریاتی خرابیاں پیدا ہوئیں، اس مقام پر ہم ان کا مختصر تذکرہ بھی ناگزیر خیال کرتے ہیں۔ تاکہ اسلاف امت اور اکابرین دیوبند کا فکری دامن چھوڑنے کا خوفناک انجام بھی قارئین کے سامنے آگے۔ آئیے لگتے ہاتھوں فکری حضرات کے افکار فاسدہ کی ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمالیجئے۔ ہمارے خیال میں ان کے افکار فاسدہ کے دو پہلو ہیں۔

اس کا ایک پہلو تو حضرت سندھی کی طرف منسوب وہ کتب و تفاسیر ہیں جو ہمارے نزدیک ہر اعتبار سے ناقابل اعتماد ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ہم اس کی

مفصل اور ضروری بحث کر چکے ہیں۔ جبکہ فکری حضرات ان کتب پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ ان کتب میں مذکورہ افکار و عقائد کو مکمل طور پر صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان حضرات کا اپنا مطبوعہ تنظیمی لٹریچر ہے، جس میں متعدد فاسد نظریات موجود ہیں۔ ہم ان دونوں پہلوؤں پر الگ الگ بحث کرنا چاہیں گے۔ ہم گذشتہ اوراق میں حضرت سندھیؒ کی طرف منسوب تفسیر ”المقام المحمود“ پر ضروری بحث کر کے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تفسیر مکمل طور پر حضرت سندھیؒ کی املائی نہیں۔ بلکہ اس میں حضرت سندھیؒ کی فکری بنیادوں اور اسلاف دیوبند کے افکار و عقائد کے خلاف جو نظریات مذکور ہیں، وہ سب کے سب اس تفسیر کے ناقل و مرتب (مولانا عبداللہ لغاری) کی اپنی ذہنی اختراع ہیں، جن سے حضرت سندھیؒ بہر حال بری الذمہ ہیں۔ لیکن فکری حضرات اس تفسیر کو مکمل طور پر حضرت سندھیؒ ہی کی تفسیر مانتے ہیں۔ گویا وہ اس میں منقول و مذکور ہر نظریہ کو حضرت سندھیؒ کا نتیجہ فکر اور فکری اعتبار سے درست تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تفسیر فکری تحریک کے ایک مرکزی راہنما نے اپنے ادارہ کی طرف سے پورے اہتمام کے ساتھ شائع کی۔ فکری تحریک کے دوسرے راہنما نے اس تفسیر پر تحقیق، تصحیح اور تعلیق کا فریضہ سرانجام دیا۔ اور تحریک کے دیگر دو مرکزی راہنماؤں نے اس پر تعارفی ابتدائیہ تحریر کر کے اس میں قلمی حصہ لیا۔ غرضیکہ فکری تحریک کے چار مرکزی راہنماؤں کی مشترکہ جدوجہد سے یہ تفسیر منظر عام پر آئی۔

(۱) جناب محمد عباس شاد! اس تفسیر ”المقام المحمود“ کے ناشر ہیں، جنہوں نے یہ تفسیر اپنے ادارہ ”مکی دارالکتب غزنی سٹریٹ لاہور“ کی طرف سے شائع کی۔ اور وہ فکری تحریک کے مرکزی اور ذمہ دار راہنما ہیں۔

(۲) مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب! یہ بھی فکری تحریک کے مرکزی اور ذمہ دار راہنما ہیں۔ مذکورہ تفسیر پر تحقیق، تصحیح اور تعلیق کا کام انہوں نے ہی کیا ہے۔ اور ہواشی کے ذریعہ متعدد مقامات پر کچھ ناقل کی مراد اور کچھ اپنے مافی الضمیر کا بھی اظہار فرمایا ہے۔

(۳) مفتی عبدالحق آزاد! موصوف فکری تنظیم کے مرکزی راہنما بھی ہیں۔ اور فکری تحریک کے سرپرست اعلیٰ مولانا سعید احمد رائیپوری کے داماد بھی، چنانچہ انہوں نے ”مولانا عبید اللہ سندھی“ کا منفرد تفسیری اسلوب جدید تقاضوں کے تناظر میں“ کے عنوان سے اس تفسیر کا تعارف کرایا ہے۔ جس کے آخر میں فرماتے ہیں کہ

زیر نظر تفسیر ”المقام المحمود“ کی طباعت اور اشاعت وقت کی بڑی اہم ضرورت تھی۔ بالخصوص اردو، دان حضرات کیلئے اس سے استفادہ کرنا بڑا اہم تھا۔ ہمارے محترم مولانا محمد عباس شاد صاحب اور قاری محبوب الرحمن صاحب کی ہمت اور محنت سے یہ کتاب طبع ہو کر قارئین کے سامنے آ رہی ہیں۔ یہ حضرات ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑے جذبہ اور لگن سے کام لیکر اسے ہم تک پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے نفع اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور علماء حق اور اکابرین ربانین کی جماعت سے وابستگی کو قبول فرما کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود نصیب فرمائے۔ آمین..... (ص ۵۷، ۵۸)

یعنی مفتی عبدالحق صاحب کے نزدیک اس تفسیر ”المقام المحمود“ کی اشاعت بھی بہت ضروری تھی۔ اردو، دان طبقہ کیلئے اس سے استفادہ بھی بڑا اہم تھا۔ اور اس تفسیر سے نفع حاصل کرنا علماء حق سے وابستگی کی دلیل ہے۔

(۴) ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن صاحب! فکری تنظیم کے چوتھے مرکزی راہنما ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن صاحب (استاد جامعہ بہاؤ الدین ذکریا ملتان) نے اس تفسیر پر دو مختصر مقالے لکھے ہیں پہلا ”حرف فکر“ کے عنوان سے جس میں فرماتے ہیں کہ ہماری رائے میں اہل مدارس کو اپنے خصوصی حلقہ ہائے قرآن میں ”المقام المحمود“ کو شامل کرنا چاہئے، تاکہ وہ عصر حاضر میں اسلام کی متوازن تعبیر پر دسترس حاصل کر کے کی نسل نو کی درست خطوط پر راہنمائی کر سکیں۔ نیز ملکی جامعات اور اپنے اعلیٰ تعلیمی نصابوں میں اس تفسیر کو شامل کرنے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہے..... (ص ۶۲)

دوسرا مقالہ انہوں نے ”حرف خیال“ کے عنوان سے تحریر فرمایا، جس میں فرماتے ہیں کہ

زیر نظر تفسیر میں مولانا سندھیؒ کے حوالہ سے قرآن حکیم کی حکمت کو عصری انداز فکر کے حوالہ سے اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے گہرے مطالعہ سیقاری بالخصوص باشعور نوجوان اپنے فکری اضطراب، علمی تشنگی، اور روحانی قلق کی جگہ شعور و بصیرت پر مبنی اطمینان قلب اور فکری بالیدگی محسوس کرے گا..... (ص ۶۵)

گویا اس تفسیر میں حکمت قرآن کو عصری انداز فکر سے اجاگر کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے اطمینان قلب اور فکری بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ علمی تشنگی اور فکری اضطراب کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ڈاکٹر صاحب ارباب مدارس کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ اس تفسیر کو اپنے تعلیمی نصاب میں شامل کریں۔ اسے اپنے مطالعہ قرآن اور درس کی زینت بنائیں تاکہ اس کے ذریعہ اسلام کی متوازن تعبیر سامنے آئے۔ اور ہماری نئی نسل درست خطوط پر راہنمائی حاصل کر سکے۔ فکری تحریک کے ان مرکزی اور ذمہ دار حضرات کے مذکورہ فرامین اور اس تفسیر کی اشاعت کیلئے ان کی انتھک جدوجہد سے یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ اسکے نزدیک یہ تفسیر نہ صرف قابل اعتماد ہے۔ بلکہ عصری تقاضوں کے عین مطابق، اور مدارس کے تعلیمی نصاب میں شامل کئے جانے کے قابل ہے۔ اور اسی کے ذریعہ دیگر تفاسیر میں منقول اسلام کی غیر متوازن تعبیر کی تلافی ممکن ہے۔ اب آئیے اس تفسیر کے وہ چند نظریات ملاحظہ فرمائیے جو اہل سنت والجماعت کے اجماعی فکر اور مسلک علماء دیوبند کے خلاف ہیں۔

حضرت سندھیؒ کی اساس تفسیر

ہم گذشتہ اوراق میں پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ تفسیر ”المقام المحمود“ میں بہت سی چیزیں حضرت سندھیؒ کے فکری اصولوں کے منافی ہیں جس کی وجہ سے وہ ناقابل اعتماد ہیں۔ اور انہیں حضرت سندھیؒ کا فکر و نظریہ قرار دینا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ اس مقام پر ایک بار پھر ہم اس کی وضاحت ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ اس غلط فہمی کا پوری طرح ازالہ ہو سکے کہ یہ حضرت سندھیؒ کے املائی نظریات ہیں۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ کی تحقیق و تفسیر کا یہ فکری اصول تفسیر ”المقام المحمود“ کی پہلی جلد کی

پشت پر بھی مذکور ہے۔ اور فکری راہنما ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن صاحب نے بھی اپنے ”حرف خیال“ میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت سندھیؒ اپنے اس فکری اصول میں فرماتے ہیں کہ

قرآنی معارف و مطالب میں مجھے شاہ ولی اللہ صاحب کے علاوہ کسی اور حکیم کے افکار سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے قرآن سے جو اخذ کیا ہے۔ اور جو بھی معانی مضامین قرآن سے استنباط کئے ہیں۔ مجھے ان کے تعین اور تائید کیلئے شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر میں جہاں کہیں میں نے عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے، وہاں میں نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اصول کو اپنے لئے سند مانا ہے۔ بعض ایسے مواقع بھی ہیں کہ میں نے شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اقوال کو حجت بنایا ہے۔ اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ میں نے محض اپنے فکر و رائے کی بناء پر دوسرے مفسرین سے اختلاف کیا ہو۔ جہاں کہیں اس طرح کی کوئی بات ہے میں ایسے موقع پر صراحتاً دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کر دیں۔ مگر جن چیزوں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہو، اور ان کی تشریح اور تفسیر کے مطابق آیات میں تناسب اور ربط پیدا ہو سکے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم اس کے قبول کرنے میں انکار نہ کریں۔

حضرت سندھیؒ کے اس فکری تفسری اصول کو بار بار غور سے ملاحظہ فرمائے۔ اور اندازہ کیجئے کہ حضرت سندھیؒ تفسیر قرآن کیلئے پانچ بزرگوں (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے اصول و اقوال کو حجت اور اتھاڑتی تسلیم کر رہے ہیں۔ اور بر ملا طور پر اعلان فرما رہے ہیں کہ میں نے شاذ و نادر ہی ان بزرگوں کے اصول و اقوال سے ہٹ کر اپنی شخصی تحقیق کو اپنایا ہے، یا اگر کہیں ایسا ہوا ہے تو قاری کو اس کے قبول یا رد کرنے کا پورا اختیار ہے۔

مقدمہ

فکری تحریک کے مقاصد و پروگرام

فکری تحریک کا تاریخی پس منظر!

چودھویں صدی ہجری کے آخر میں جمعیت علماء اسلام پاکستان اپنی سیاسی تقسیم کے تیسرے مرحلے سے گزر چکی تھی۔ پہلے مرحلے میں حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیرہ بزرگوں نے جمعیت سے علیحدگی اختیار کر کے مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نام سے الگ سیاسی جدوجہد شروع کر دی۔ دوسرے مرحلے میں ضیغم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی جمعیت سے علیحدگی کے بعد بعض حضرات نے جمعیت علماء اسلام ”ہزاروی گروپ“ کے نام سے الگ سیاسی پلیٹ فارم تشکیل دے لیا۔ جبکہ تیسرے مرحلے میں مولانا سعید احمد رائے پوری نے جمعیت طلباء اسلام کی مرکزی قیادت جناب محمد اسلوب قریشی اور جناب سید مطلوب علی زیدی وغیرہ حضرات کی معاونت و تحریک سے جمعیت علماء اسلام سے اپنا افرادی حصہ وصول کر لیا۔ جو سیاسی میدان میں جمعیت کے عنوان سے اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکا۔ جس کی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد اسے ”تنظیم فکر ولی اللہی“ کا نام دیدیا گیا۔ البتہ اس کی مرکزی قیادت انہی افراد کے ہاتھ میں رہی جو جمعیت سے علیحدگی اختیار کرنے والے تھے۔

مقصد قیام تنظیم!

کوئی بھی تنظیم اپنے قیام کے کچھ نہ کچھ مقاصد ضرور رکھتی ہے۔ خواہ وہ شخص سیاسی اغراض سے متعلق ہوں یا قومی و ملی مفادات سے۔ چنانچہ اس فکری تحریک کے قیام کی ضرورت و مقاصد پر تبصرہ کرتے ہوئے تنظیم کے مرکزی راہنما سید مطلوب زیدی فرماتے ہیں کہ

ہمارے معاشرے میں جن رکاوٹوں کا ہمیں سامنا ہے، ان کو دور کرنے کیلئے

نوجوانوں کی ایک ایسی تنظیم کا ہونا ضروری ہے جو عدل و احسان کے اعلیٰ کردار کی مالک ہو..... (عزم سیریز نمبر ۱۱۸ ص ۵)

تنظیم کے ایک دعوتی پمفلٹ میں تنظیم کے قیام کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ الغرض بنیادی تبدیلی یعنی موجودہ ظالمانہ نظام کو مکمل طور پر ختم کئے بغیر اجتماعی مسائل کا پائیدار حل ممکن نہیں۔ اس مقصد کے حصول کی جدوجہد کی فکر پیدا کرنے کیلئے تنظیم فکر ولی الہی وجود میں آئی... (ہماری دعوت ص ۴ از تنظیم فکر ولی الہی)

گویا تنظیم کا مقصد قیام اجتماعی مسائل کے حل کیلئے موجودہ ظالمانہ نظام کا مکمل خاتمہ ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کیلئے وہ اجتماعی شکل میں نوجوانوں کی ایسی فکری و عملی تربیت کا پروگرام رکھتی ہے جس سے وہ معاشرہ کیلئے اخلاق و کردار اور عدل و احسان کا اعلیٰ نمونہ بن سکیں۔ اس مقصد کیلئے تنظیم نے منظر سے ہٹ کر پس منظر میں یعنی ”انڈر گراؤنڈ“ رہ کر نوجوانوں کی ذہن سازی کا سلسلہ شروع کیا۔

کیا انبیاء کرامؑ کی دعوت عام نہ تھی؟

فکری تحریک کے اس عزم اور طرز عمل سے اختلاف کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اور نہ کسی تنظیم و تحریک کو اس بات پر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ منظر عام پر کام کرے کیونکہ وہ اپنی ترجیحات و تحفظات کو خود بہتر جانتی ہے۔ البتہ خفیہ طریقہ پر کام کرنے کیلئے فکری قیادت نے جو دلیل قائم کی ہے، اس سے کسی صورت بھی اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس سے کھلم کھلا توہین نبوت لازم آتی ہے۔ مولانا سعید احمد رائیپوری فرماتے ہیں کہ

انبیاء کی بعثت کا مقصد، جو قوم ان کے سپرد کی جائے اس کی اصلاح کرنا ہے۔ لیکن ترتیب یہ رہی کہ پیغمبر نے بجائے پورے معاشرہ کیلئے اصلاحی طریقے اختیار کرنے کے ایک جماعت پیدا کی۔ جو پیغمبر کی فکر پر جمع ہوتی اور بڑی عزیمت والی ہوتی ہے۔..... (عزم سیریز نمبر ۱۱ ص ۷)

مولانا رائے پوری کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نہ دعوت عام ہوتی ہے، اور نہ ان کا تربیتی و اصلاحی پروگرام عمومی ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی

خفیہ دعوت کے ذریعہ صرف چند افراد کی فکری ذہن سازی کر کے ایک جماعت تیار کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ جماعت عزیمت واستقامت والی جماعت ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دعوت پیغمبرؐ کے ذریعہ اکثر و بیشتر فکری بنیادوں پر ایک جماعت ضرور تیار ہوتی ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ پیغمبرؐ کی دعوت اور اس کا اصلاحی پروگرام صرف اسی جماعت کیلئے ہوتا ہے، درحقیقت انبیاء کرام علیہم السلام کے مقصد بعثت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

کوہ صفا پر آپ کے اعلان رسالت، بازار طائف میں آپ کی دعوت توحید اور اس کے خلاف کفار کے عمومی رد عمل سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصلاح معاشرہ کیلئے پیغمبر برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخر وہ کونسا پروگرام تھا، جو ابوبکرؓ و بلالؓ کیلئے تو تھا، لیکن ابوجہل و ابولہب کیلئے نہ تھا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ، اگر پیغمبر برحق کی دعوت عمومی نہ تھی تو تیرہ سال تک سرزمین مکہ میں انہیں مصائب و آلام کی ہولناک چکی میں کیوں پیسا گیا؟ اور پھر ہجرت حبشہ و مدینہ کے پریشان کن مراحل طے پائے؟ دراصل فکری حضرات اپنی دعوت کو دعوت انبیاء کا تسلسل ثابت کرنے کیلئے اپنے کارکنوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی محنت بھی خفیہ اور صرف جماعت سازی تک محدود تھی۔ اس لئے ہمارا طرز عمل بھی یہی ہے۔ وہ بھی زیر زمین انقلابی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ لہذا ہم بھی ”انڈر گراؤنڈ“ انقلاب لانا چاہتے ہیں۔

فکری تحریک کے باطنی مقاصد!

ہم گذشتہ سطور میں واضح کر چکے ہیں کہ فکری تحریک کا ظاہری پروگرام (بزعم خویش) امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار و تعلیمات کی روشنی میں نوجوانوں کو اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ بنانا ہے۔ لیکن دستیاب لٹریچر کی روشنی میں تحریک کے جو باطنی مقاصد ہمارے سامنے آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) فکری تحریک نے اپنی شعوری جدوجہد کی بنیاد اعتقادی تعلیمات کی بجائے معاشی ترجیحات پر رکھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سماجی زندگی میں

عقائد و نظریات کی حیثیت محض جزوی و ثانوی ہے۔

(۲) فکری لٹریچر میں امام ولی اللہ دہلویؒ سمیت جملہ اسلاف دیوبند کے ساتھ نسبت صرف سیاسی و معاشی خدمات کے حوالہ سے ظاہر کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اسلاف کی اعتقادی تعلیمات سے متفق نہیں۔ اور یا انہیں غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ بلکہ مسلکی تحفظ و تشخص کے حوالہ سے انکی خدمات کو فرقہ واریت قرار دیتے ہیں۔

(۳) فکری حضرات معاشی و معاشرتی عدل کیلئے خلافت اسلامیہ کے قیام کی جدوجہد میں حصہ نہیں لیتے بلکہ مذاہب عالم کے مابین مساوات کی بنیاد پر وحدت ادیان اور جدید قانون سازی کا تصور دیتے ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ خلافت اسلامیہ کو معاشی و معاشرتی امن کا ضامن تسلیم نہیں کرتے۔

(۴) فکری قیادت سرمایہ دارانہ نظام کو تو اسلامی معاشی نظام سے متصادم قرار دیتی ہے لیکن سوشلزم و کمیونزم کو عصر حاضر کی معاشی ضرورت قرار دیکر اس کا نہ صرف بھرپور دفاع کرتی ہے۔ بلکہ مخالفت کرنے والوں کو سامراج کا ایجنٹ قرار دیتے ہوئے عالم اسلام کے مسلمانوں کو ان معاشی نظاموں کی مخالفت سے روکتی ہے۔

تنظیم کی بنیادی فکر!

دستیاب لٹریچر کی روشنی میں میرے فہم ناقص کے مطابق فکرولی الہی کے پرکشش عنوان اور شعوری بنیادوں پر انقلابی جدوجہد کے حوالہ سے تنظیم کی فکری کاوشوں کا محور صرف اور صرف سامراجیت سے جنگ ہے۔ لیکن تنظیم کے ہاں سامراجیت کا اپنا ایک الگ تصور ہے۔ اس کے نزدیک سامراجیت کی تعریف صرف امریکہ، برطانیہ اور دیگر یورپین ممالک پر فٹ آتی ہے۔ لہذا اسی سامراج سے جنگ کرنا اس کا نصب العین ہے۔ چنانچہ فکری پیشوا مولانا رانیپوری فرماتے ہیں کہ

مسلمانوں کی حقیقی دشمن یورپ کی استعماری قوتیں ہیں جنہوں نے اپنے استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعہ پوری دنیا کو اپنا معاشی غلام بنا رکھا ہے۔ ان کے

لوٹ کھسوٹ کے عالمی نظام کے نتیجہ میں پوری دنیا تباہی کے دھانہ پر کھڑی ہے۔ اگر آج نوجوان بیدار نہ ہوا، اور سامراج کے خلاف کوئی حکمت عملی تشکیل نہ دی گئی تو دنیا ایک بہت بڑے عذاب سے دوچار ہو جائے گی.....
 (عزم سیریز نمبر ۱۸۲ ص ۹)

گویا صرف یورپین طاقتیں ہی استعماری قوت ہیں۔ انہی کا نظام استحصال ہے۔ وہی سامراج ہیں وہی عالمی تباہی کا باعث ہیں اور انہی کے خلاف جدوجہد کر کے دنیا کو پیش آمدہ عذاب سے بچایا جاسکتا ہے۔

ولی اللہی افکار کی طرف نسبت کی حقیقت

فکری تحریک کا ظاہری پروگرام!

تنظیم فکر ولی اللہی اپنی نظریاتی جدوجہد کو حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر سے منسوب کرتی ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ فکری اعتبار سے امام ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات پر گامزن ہے۔ چنانچہ تنظیم کے بنیادی پمفلٹ میں یہ وضاحت مذکور ہے کہ

بنیادی تبدیلی کے تین اجزاء ہیں۔ جن کے بغیر کوئی تحریک انقلابی نہیں کہلا سکتی (۱) فکریا نصب العین (۲) جماعت یا تنظیم (۳) لائحہ عمل یا پروگرام۔ نصب العین سے مراد وہ مقصد جس کے حصول کیلئے جماعت وجود میں آئی ہے۔ لہذا ”تنظیم فکر ولی اللہی کا نصب العین مختصر الفاظ میں امام شاہ ولی اللہ کے انقلابی افکار کی روشنی میں استحصال اور ظلم کا نظام مکمل طور پر ختم کر کے عادلانہ نظام کا قیام، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے..... آج دین کے نام پر مخلص افراد کے ساتھ مفاد پرستوں کے گروہ اور جماعتیں بھی موجود ہیں۔ اور اسلام کے مرکزیت فکری اور سیاسی اعتبار سے پارہ پارہ ہو کر رہ گئی ہے۔ فرقے لا تعداد ہیں۔ فرقہ پرستی کو ختم کرنے اور اتحاد کے دعویدار نئے فرقوں کے قیام کا سبب بن رہے ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ایک ایسی شخصیت کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کیا جائے، جس کا اعتراف مسلمانوں کے تمام مذہبی گروہ کرتے ہوں۔ اس کا فکر عالمگیر، اس کی سوچ مثبت و انسانی تقاضوں کو پورا کرنے والی ہو۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں مجدد پیدا کرتا ہے۔ جو دین کے احیاء اور تجدید کا کام کرتا ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ دورِ حاضر کے لئے وہ شخصیت امام ولی اللہ دہلویؒ کی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں بھی متعدد حلقے شاہ صاحب کا نام لیکر مختلف بے سند اور باطل نظریات کا پرچار کر رہے ہیں لہذا ضروری ہے کہ اسلام کی اس عظیم شخصیت کے افکار کو ان کی حقیقی جماعت اور شاگردوں کے حوالہ سے عام کیا جائے.....

.....(ہماری دعوت ص ۶ تا ۷)

فکری تحریک کے سرپرست و مرشد مولانا سعید احمد رائے پوری فرماتے ہیں کہ ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر دور کا مجدد انہی تقاضوں کے مطابق حکمت عملی اپناتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو اس دور کے مجدد امام شاہ ولی اللہ دہلوی سے جوڑتے ہیں۔ کہ وہ اس دور کے تقاضوں کو کسی اور کی نسبت بہتر سمجھتے ہیں.....(عزم سیریز نمبر ۱۱ ص ۹)

تنظیم کے مرکزی ناظم عمومی مولانا عبدالمبین نعمانی فرماتے ہیں کہ تمام حلقوں پر یہ امر واضح رہنا چاہئے کہ تنظیم فکر ولی اللہی پاکستان امام شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کو قرآن و سنت کی روشنی میں مستند سمجھتی ہے۔ اور ان کی ترویج کو اپنی بنیادی ذمہ داری تصور کرتی ہے.....(عزم سیریز نمبر ۱۲ ص ۴)

مذکورہ بیانات و اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تنظیم بغیر درمیانی واسطوں کے براہ راست امام ولی اللہ دہلوی کے افکار و نظریات کی ترویج و ترجمانی کی دعویدار ہے۔ اور درمیانی واسطوں کی حیثیت وہ صرف ناقل و راوی کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ گویا ان واسطوں کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام ولی اللہ دہلوی بالاتفاق بارہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔ اور ان کی تجدیدی خدمات ہر اعتبار سے ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن ان کے فکر تک درمیانی واسطوں کی مجددانہ خدمات کے بغیر بلا واسطہ رسائی درحقیقت بعد کے مجدد دینیکی تجدیدی خدمات سے انکار و انحراف کے مترادف ہے۔

برصغیر کے جو علمی و فکری حلقے امام ولی اللہ دہلوی کے بارہویں صدی کے مجدد ہونے پر متفق ہیں وہ حلقے بالاتفاق تیرہویں صدی کا مجدد حضرت سید احمد بریلوی شہید کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن فکری حضرات سید احمد شہید کی تجدیدی خدمات سے وابستگی غالباً اس لئے غیر ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ جہاد و قتال پر مبنی ہیں اور جہاد و قتال کا فکری تحریک کے پروگرام میں تصور بھی شامل نہیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیلات قارئین کرام انشاء اللہ العزیز آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ پھر چودہویں صدی ہجری

میں مختلف شعبوں کے اندر علماء دیوبند کی تجدیدی خدمات بھی ولی اللہی تحریک سے وابستہ طبقوں کے ہاں بالاتفاق تسلیم کی گئی ہیں اور علماء دیوبند کو ہی (من حیث الجماعت یا اس کے بعض افراد کو) چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا گیا ہے۔ فکری تحریک کے ہاں علماء دیوبند کی تجدیدی خدمات سے ترک تعلق اس لئے ضروری خیال کیا گیا ہے کہ وہ تفسیر و حدیث، تصوف و فقہ، دعوت و تعلیم، سیاست و جہاد اور تردید مذاہب باطلہ وغیرہ جملہ دینی شعبوں پر حاوی ہیں جبکہ فکری حضرات کا دائرہ محنت بہت محدود اور سمٹا ہوا ہے۔ جیسا کہ مولانا رائے پوری فرماتے ہیں کہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا یہ دور سیاست اور معیشت کا ہے۔ (عزم سیریز نمبر ۱۱۸ ص ۲۲)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی طرف اس قول کی نسبت کہاں تک درست ہے۔ یہ بحث تو ان شاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گی لیکن یہ بات واضح ہے کہ فکری تحریک کی تمام فکری کاوشیں اور ان کی بنیاد پر اس کی عملی جدوجہد صرف اور صرف سیاست اور معیشت کیلئے ہے۔ جیسا کہ آئندہ اوراق میں آپ انشاء اللہ العزیز اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے۔ فکری حضرات کیلئے یہ فکر بھی دامن گیر ہے کہ کچھ حلقے امام ولی اللہ دہلویؒ کے حوالہ سے بے سند اور باطل نظریات کا پرچار کر رہے ہیں وہ کون سے حلقے ہیں اور کن بے سند و باطل نظریات کی اشاعت کر رہے ہیں؟ فکری لٹریچر میں اس کی وضاحت موجود نہیں البتہ فکری تحریک کے افکار و نظریات کی روشنی میں ہم اس حقیقت کو پوری طرح پا چکے ہیں کہ فکری تحریک کا تصور فکر ولی اللہی اور اس سے اخذ شدہ افکار و نظریات خود بے سند و باطل ہیں۔ جن کی نسبت امام ولی اللہ دہلویؒ کی طرف اگر ہٹ دھرمی نہیں تو جہالت ضرور ہے۔

فکر ولی اللہی کے حقیقی خدو خال

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنظیم فکر ولی اللہی کی فکری پوزیشن کے بارہ میں مقصودی بحث کو واقعی دلائل اور ان کے منطقی نتائج کی طرف لے جانے سے قبل پہلے اس کی امام ولی اللہ دہلویؒ کی طرف نسبت کی اس بنیادی غلط فہمی کا ازالہ کر دیا جائے

جو اس بحث کا مرکزی نکتہ ہے۔ اسلاف دیوبند کی تحقیقات کی روشنی میں جملہ تاریخی شواہد اس حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کرتے ہیں کہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار و نظریات کسی جدت پسند لبرل ذہن کی پیداوار نہیں، بلکہ اسلام کے قرن اوّل سے لیکر عصر حاضر تک اہل سنت و الجماعت کے صدیوں پر محیط متواتر و متوارث نظریات ہی کا تسلسل ہیں۔ اور اس بے غبار حقیقت سے کوئی ذی ہوش و بیدار مغز انکار نہیں کر سکتا۔ ماضی کے اس متواتر و متوارث فکری تسلسل سے کاٹ کر امام ولی اللہ دہلویؒ کو ایک جدت پسند، لبرل مفکر کی حیثیت سے قوم کے سامنے پیش کرنا صریح نا انصافی اور ان کے افکار سے ناواقفیت کی کھلی دلیل ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ کی ہمہ جہتی مجددانہ فکری جدوجہد پر بحث کرتے ہوئے مورخ اسلام حضرت مولانا سید محمد میاں دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

طوائف الملوکی اور رات دن کے قیامت خیز ہنگامے جن میں (۱۷۳۲ء میں) مرہٹوں کی دہلی پر یلغار (۱۷۳۸ء میں) نادر شاہ کا قتل عام، دہلی کی لوٹ مار اور (۱۷۶۱ء میں) احمد شاہ ابدالی کی جنگ پانی پت بھی شامل ہے۔ ان ہلاکت بار طوفانوں نے اس کا موقع نہ دیا کہ حضرت شاہ (ولی اللہ دہلویؒ) صاحب انقلابی منشور (یعنی فیسٹو) کو یکجا مدون اور مرتب کر سکیں۔ آپ نے اپنے انقلابی نظریات کو کبھی ترجمہ قرآن شریف کے رنگ میں پیش کیا۔ کبھی (حجتہ اللہ البالغہ، البدور البازغہ اور فیوض الحرمین وغیرہ میں) تصوف اور اسلامی فلسفہ کے دامن میں چھپایا۔ اور کہیں اس کو (ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین میں) تاریخ اسلام اور خصائل صحابہؓ کا جامہ پہنایا۔..... (علماء ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ ص ۳۴)

یہ مذکورہ عبرت صاف اس بات کی خبر دیتی ہے کہ امام ولی اللہ دہلویؒ کا انقلابی پروگرام صرف سیاست و معیشت کے دائرہ میں بند نہ تھا، بلکہ زندگی کے اخلاقی و روحانی اور دینی و دنیوی تمام اصلاحی شعبوں پر محیط تھا۔ ان کا انقلابی پروگرام جہاں تصوف و اسلامی فلسفہ کے تاریخی تسلسل سے وابستہ تھا، وہاں پیغمبرِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت و فیض یافتہ اسلام کی سب سے پہلی اور معیاری انقلابی جماعت صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سیرت و تاریخ سے بھی بے گانہ و بے نیاز نہ تھا۔

فکری تحریک کے افکار ونظریات

پہلی فکر فاسد فکری تحریک کے اہداف

اشتراکیت کی تائید و حمایت اور کمیونسٹ انقلاب کے دفاع کیلئے فکری حضرات نے جدوجہد کے جو دو اہداف مقرر کئے ہیں۔ اور ان اہداف پر انہوں نے بھرپور انداز میں منظم طریقہ پر جو ”انڈر ورلڈ“ محنت کی ہے، ہم اس کا تذکرہ بھی ناگزیر خیال کرتے ہیں۔ آئیے پہلے اس کا مختصر جائزہ لے لیا جائے۔

﴿ پہلا ہدف ﴾

سیکولر ازم کیلئے جدوجہد!

اشتراکیت کی تائید اور حمایت کیلئے فکری حضرات کا پہلا ہدف ایک ایسے نظام کی راہ ہموار کرنا ہے جس کی خشت اول ہی لامذہبیت ہے۔ جس میں مذہب (اسلام سمیت) اور مذہبی عقائد و اعمال کو پرستل (یعنی صرف ذاتی) اور ثانوی (یعنی تھرڈ کلاس) حیثیت حاصل ہے۔ قومی زندگی اور اجتماعی نظام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔ یعنی اسلامی عقائد، شعائر اور احکام کو کسی قسم کا قانونی تحفظ نہیں مل سکتا۔ جب کسی کا جی چاہے قادیانی ہو جائے۔ جب جی چاہے یہود و انصار ملی کا مذہب اختیار کر لے۔ جب چاہے نماز پڑھ لے جب چاہے ترک کر دے۔ غرضیکہ مذہبی عقائد و اعمال کے بارہ میں کوئی قانونی پابندی نہیں۔ یہی نظام عرف عام میں سیکولر ازم کہلاتا ہے، چنانچہ فکری ترجمان ڈاکٹر سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

آج سیکولر ازم کے حوالہ سے اس امر پر غور کیا جانا چاہیے کہ یہ فکر یورپ میں درحقیقت جامد مذہبی سوچ اور فرسودہ انداز فکر کے رد عمل کے طور پر سامنے آئی جبکہ پاپائیت نے مذہب کو بازیچہ اطفال بنا لیا۔ مذہبی ضابطے بادشاہوں اور ان کے حواریوں کے اشارہ ابرو کے مطابق ترتیب پانے لگے اور مذہب کی بنیاد پر امتیازی قوانین بننے لگے۔ تو ایسے میں جو رد عمل فکری صورت میں سامنے آیا وہ

سیکولرازم کے نام سے معروف ہوا۔ اس میں اس نے مذہبی طبقے سے گلو خلاصی کرائی۔ اسکے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اس کے سامنے نہیں تھا۔ اب اگر دین فطرت اس وقت اپنی پوری تابانی کے ساتھ متعارف ہوتا تو یقیناً دین کے دائرہ میں رہ کر انسانیت کے اتحاد و ارتقاء کے دشمن ان تمام اصول و قوانین سے محفوظ رہا جاسکتا تھا۔ جن سے بچنے کیلئے سیکولرازم کا نظریہ پروان چڑھا۔ ایسے میں اسلام کو سیکولرازم کے مقابل لاکھڑا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نظر میں گویا اسلام بھی یہودیت و عیسائیت جیسے مسخ شدہ مذاہب کی صف میں آن کھڑا ہوا ہے۔ اور ایسا اگر ہوتا ہے تو یہ المیہ سے کم نہ ہوگا۔ اسلام نے تو ہر دور میں افکار کی تہذیب اور ان کی چھان بھٹک کا کام کیا ہے۔ اس نے کہیں بھی بغیر سوچے سمجھے طے شدہ فیصلہ نہیں سنایا۔ مثلاً عباسی دور میں یونانی افکار عربی میں منتقل ہو کر جب معاشرہ میں ہلچل پیدا کرتے ہیں تو علماء حق اس سے انحراف کی بجائے اس سے استفادہ کرنے کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ اور کھرے کھوٹے کی تمیز پر ساری توجہ صرف کرتے ہیں۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے مذہبی حلقے سیکولرازم، نیشنل ازم، سوشلزم اور ڈیموکریسی وغیرہ جیسے نظریات پر بدکنے کی بجائے ان کا نظریہ کر کے ان میں کھرے کھوٹے کا امتیاز کریں۔ اور دورِ حاضر کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ یہی اسلوب نبوت ہے.....

(سیریز نمبر ۱۱۸ ص ۳-۴)

لیجئے جناب اعوان کے مفروضات بار بار ملاحظہ فرمائیے۔ جو سیکولرازم سے انکی محبت اور مذہبی طبقات سے ان کی بھرپور نفرت کے بارہ میں ان کی قلبی کیفیت، ذہنی مرغوبیت، فکری مقاصد اور ان کے شعوری عزائم کی مکمل نشاندہی کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی اطلاع کیلئے ان کی خدمت میں ہم دست بستہ عرض کرنا چاہیں گے کہ

(۱) جس یورپ کی جامد مذہبی سوچ، فرسودہ انداز فکر اور مذہب کی بنیاد پر امتیازی قوانین کے رد عمل کے طور پر وہ سیکولرازم کی وکالت کر رہے ہیں۔ وہی یورپ اس سیکولرازم کا موجد ہے۔ اور آج پورے کاپورا پورا یورپین نظام اسی سیکولرازم کی

بنیادوں پر قائم ہے، جو مذہب کو بنیاد پرستی قرار دیکر اسکے خلاف اعلانیہ نفرت کی فضاء پیدا کر رہا ہے۔ گویا مغرب کا استحصالی اور مشرق کا اشتراکی دونوں نظام سیکولرازم پر متفق و متحد نظر آتے ہیں۔ اور دونوں کی بنیادوں میں سیکولرازم کی فکر ہی نمایاں ہے، کیونکہ دونوں کے مفادات اسی سے وابستہ ہیں۔ یعنی

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو ہم دونوں درجائے پہ جا ملے

تاریخ گواہ ہے کہ ارباب کلیسا (یعنی عیسائیت کے مذہبی طبقات) ایک طویل مدت تک امور مملکت میں پوری طرح ذخیل و اثر انداز ہے۔ چونکہ یہ اثر مذہبی مقاصد سے زیادہ ارباب کلیسا کے شخصی مفادات سے وابستہ تھا۔ جو ارباب حکومت کیلئے پریشانی و ہزیمت کا باعث تھا۔ لہذا انہوں نے سیاسی قوت استعمال کرتے ہوئے قانون سازی کے ذریعہ سٹیٹ (یعنی امور مملکت) سے مذہبی طبقہ کی مداخلت ختم کرنے کیلئے ارباب کلیسا کے اختیارات کلیسا (یعنی عبادات و اخلاقیات کی دعوت و اصلاح) تک محدود کر دئے۔ گویا کلیسا اور اسٹیٹ یا الفاظ دیگر مذہب اور سیاست کے درمیان تفریق پیدا کر کے آئینی طور پر امور مملکت میں مذہبی طبقہ کی مداخلت کا راستہ بند کر دیا گیا۔ چنانچہ اس کا اعتراف فکری قیادت کو بھی ہے۔ ایک ممتاز فکری راہنما نفیس زیدی اس بارہ میں فرماتے ہیں کہ

یہ سترہویں صدی کے اداکار اور اٹھارہویں صدی کے اوائل کی بات ہے کہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور کا آغاز یورپ سے ہوا۔ نئے علوم و فنون اور جدید صنعتی نظام کی داغ بیل پڑی جس سے معاشی، سیاسی اور معاشرتی میدان میں ماضی سے ایک بالکل مختلف جدید سائنسی اجتماعیات کا سفر شروع ہوا، یہ ایسا وقت تھا کہ عیسائی پاپائیت تاج برطانیہ سے شکست کھا چکی تھی۔ اور علمی میدان میں بھی سائنسی حقائق نے اہل کلیسا کی جاہلانہ توہم پرستی کا پردہ چاک کر دیا تھا۔ اور یہ حقیقت آشکارا ہو چکی تھی کہ عیسائیت کا مذہبی طبقہ راہنمائی کے اوصاف سے محروم اور علمی ترقی کا مخالف اور شاہی نظم کا آلہ کار بن چکا ہے، چنانچہ جدید منطق و فلسفہ

اور سائنسی انداز فکر نے ایک ایسا طبقہ یورپ میں پیدا کر دیا جو کلیسا کی عائد کردہ فکری پابندیوں کو توڑ پھوڑ کر آزاد سوچ کا علمبردار بنا۔ پھر آہستہ آہستہ مغرب بھر میں سائنسی اجتماعیات نے ہر طرح سے لاندہ بیت کا لباس پہن کر خدا اور اس کے تمام احکامات کو تمام تر اجتماعی زندگی سے خارج کر کے کلیسا کی چار دیواری میں محدود کر دیا..... (دعوت فکر و عمل ص ۲)..... شائع کردہ تنظیم فکر ولی الہی ابتدائیہ از نفیس زندگی)

مذہب اور سیاست کے درمیان تفریق کا یہی فلسفہ (یعنی خدا اور اس کی تعلیمات کو اجتماعی زندگی سے خارج کر دینا) سیکولر ازم کی بنیاد ہے جس کا اسلام کے اندر تصور بھی کفر ہے۔ کیونکہ خدا اور اس کے نظام کو اجتماعی زندگی سے نکال کر دہریت کے سوا پیچھے بچتا ہی کیا ہے؟ جبکہ اسلام کی سیاست مکمل طور پر مذہب کے تابع ہے۔ اور اسلامی مملکت کی حکمرانی کا اصلی و حقیقی حقدار ہی وہی ہوتا ہے جو خدا اور نظام خدا کی مکمل معرفت کے ساتھ قرآن اور سنت مصطفیٰ کی اطاعت بھی کرتا ہو۔ جو امامت نماز اور امور شرعیہ پر فتویٰ کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے پاکستان کے اندر سیکولر ازم کی بات کرنا اور اس کی لئے راہ ہموار کرنا خلافت اسلامیہ کے احیاء کی دینی تحریکوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کے مترادف ہے۔ جس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ یہاں کی اسلامی تحریکیں ملک کے اندر اسلامی نظام کے نفاذ و احیاء میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

(۲) باقی رہا یہ خطرہ کہ سیکولر ازم کے مقابل آنے سے اسلام کی اصلی و حقیقی حیثیت مجروح ہو سکتی ہے تو یہ خطرات و مفروضات بھی کسی دہشت زدہ اشتراکی ذہن کے تراشیدہ نظر آتے ہیں۔ تاکہ سادہ لوح مسلمان تحفظ اسلام کے ایمانی جذبہ کے تحت ذہنی طور پر مرعوب و خوف زدہ ہو کر سیکولر ازم کی مخالفت ترک کر دیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام جیسے حقیقی و واقعاتی بلکہ صدیوں تک نصف سے زائد سر زمین پر نافذ العمل رہ کر عدل و انصاف اور امن و آشتی کے پھریرے لہرانے والے مشاہداتی نظام کو محض فرضی خطرات و مفروضات کی بناء پر یہودیت و عیسائیت جیسے مسخ شدہ محرف و مبدل مذاہب کے برابر کھڑا کر دینا۔ اور اس آڑ میں سیکولر ازم کی راہ ہموار کرنا کسی بیمار ذہن کی ہی

پیداوار ہو سکتا ہے۔

(۳) یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلم مفکرین نے ہر دور میں افکار کی چھان پھٹک کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اور اس کے جدید عصری علوم کا سہارا بھی لیا ہے۔ جیسے یونانی فلسفہ (یعنی عقلیات) کے ذریعہ اسلامی افکار سے متصادم، معرض وجود میں آنے والے افکار فاسدہ کا رد امام فخر الدین رازیؒ اور امام ابو حامد محمد غزالیؒ جیسے مفکرین اسلام نے یونانی فلسفہ ہی کے ذریعہ کیا۔ لیکن یہ حقیقت بھی بہر حال تسلیم شدہ ہے کہ انہوں نے جدید عصری علوم اسلامی افکار کے دفاع کیلئے حاصل کئے، نہ کہ اسلامی افکار کو اجتماعی زندگی سے نکالنے اور بیدخل کرنے کیلئے۔ جناب اعوان ذرا اپنے نکتہ نظر پر غور فرمائیں کہ کہاں یونانی فلسفہ اور کہاں سیکولرازم؟ کہاں رازیؒ و غزالیؒ اور کہاں فکری تحریک؟ کیا واقعی جناب اعوان اسلامی افکار کو اجتماعی زندگی کے قابل خیال نہیں کرتے؟ اگر کرتے ہیں تو سیکولرازم کی حمایت کیوں؟ اور اگر نہیں کرتے تو تجدید ایمان کریں..... یہی ان کے لئے بہتر ہوگا۔

(۴) جناب اعوان کا یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ مذہبی طبقات سیکولرازم، سوشلزم، نیشنلزم اور ڈیموکریسی وغیرہ نظریات پر بدکنے کی بجائے ان کا تجزیہ کریں کھرے کھوٹے میں امتیاز قائم کریں۔ دور حاضر کی نفسیات کو سمجھیں کہ یہی اسلوب نبوت ہے۔ جہاں تک ان الفاظ کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے تو اپنے مقام پر ان کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن جب اصطلاحی عنوان کے حوالہ سے یہی الفاظ مستقل نظاموں کی صورت میں سامنے آچکے اور اپنے فکر و فلسفہ کے اعتبار سے اسلامی نظام سے متصادم بھی ثابت ہو چکے تو اب ان کا تجزیہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیونکہ مسلم دانشوروں نے ان نظاموں اور نظریات کو اسلامی نظام کے ساتھ موازنہ کرنے کے بعد مسترد کیا ہے؟ اور انہیں اسلام سے متصادم قرار دیا ہے، جہاں تک دور حاضر کی نفسیات کا تعلق ہے تو ہم جناب اعوان کی خدمت میں دست بستہ سوال کریں کہ کیا واقعی نظام الہی عصری نفسیات کا محتاج ہوتا ہے؟... اگر قیامت تک کیلئے نظام ایک ہی ہے تو اسے عصری نفسیات سے کیا واسطہ؟

اور ہمارے خیال میں اسلوب نبوت، نفسیات کیلئے نظام بدلنا نہیں، بلکہ نظام کیلئے نفسیات بدلنا ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کی نفسیات اور اسلامی نظام میں بظاہر ہم آہنگی نہ تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نظام الہی کے ذریعہ پورے عرب کی نفسیات بدل دیں۔ اس لئے فکری حضرات کو عصری نفسیات سے مرعوب ہو کر سیکولرازم اور اشتراکیت وغیرہ نظاموں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے اپنی توانائیاں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے صرف کرنی چاہیں۔

جناب اعوان ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں کہ

حتیٰ کہ بھارت اور پاکستان کی مذہبی تنظیمیں بھی اس (سیکولرازم) کی افادیت کی نہ صرف قائل ہیں بلکہ سیکولرازم کے تقاضوں سے روگردانی پر اظہار ناراضگی بھی کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ بابر مسجد کے واقعہ تہدیم پر اظہار رنج و غم کے ساتھ ساتھ پاکستانی سرکاری ذرائع ابلاغ، کثیر الاشاعت اخبارات اور تمام سیاسی مذہبی حلقوں نے اسے سیکولرازم کے منافی قرار دیا۔ اور بھارتی اقتدار پر ہندو تنگ نظری کے سامنے اپنے اصولوں کی سپر ڈالنے کا الزام بھی لگایا، جس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ احیاء مذہب کی کاوشیں ہمارے مذہبی حلقوں میں بھی پریشانی کا باعث ہیں۔ وہ فرسودہ مذاہب کے احیاء کی جگہ سیکولرازم کے حقیقی تقاضوں پر عملدرآمد کے خواہاں ہیں..... (سیریز نمبر ۱۲۰ ص ۳)

بابری مسجد کے انہدام کا سانحہ گذشتہ صدی کا بدترین حادثہ ہے۔ اور اس پر ملک بھر کی دینی و سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے ذوق اور وسائل کے مطابق شدید احتجاج بھی کیا۔ لیکن اس احتجاج کے حوالہ سے جناب اعوان کا ملک بھر کی دینی جماعتوں پر یہ الزام عائد کرنا کہ وہ احیاء اسلام کی بے اثر کاوشوں سے پریشان ہو کر العیاذ باللہ تعالیٰ سیکولرازم پر فریضہ ہونے لگی ہیں۔ ایک خالص افتراء اور جھوٹا فکری پروپیگنڈہ ہے۔ کیونکہ بابری مسجد کے انہدام کے بارہ میں حکومت ہند پر پاکستان کی مذہبی جماعتوں کی طرف سے سیکولرازم کی خلاف ورزی کا الزام اس لئے نہ تھا کہ وہ سیکولرازم کو پسند کرنے لگی ہیں۔ بلکہ بایں وجہ تھا کہ ہندوستان کا دستور سیکولر ہے۔ جس میں مسجد کا انہدام

قانون کی خلاف ورزی اور آئین کے منافی تھا۔ لہذا حکومت ہند کو یہ باور کرایا گیا کہ اس کی غفلت یا مذہبی تعصب کی وجہ سے مسجد کو گرا کر دستور کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ حکومت اس کی تلافی کرے یا اپنے سیکولر نظام کی وضاحت کرے۔ حیرت ہے کہ جناب اعوان نے اسے اپنی فتح کیسے قرار دے لیا؟..... اور پھر جناب اعوان کا اسلام سمیت تمام مذاہب کو فرسودہ قرار دے کر ان کے احیاء سے روکنے کا مشورہ دینا ان کی بہت بڑی جسارت اور اسلامی دشمنی کی بین دلیل ہے۔ غرضیکہ فکری حضرات محض ذہنی مفروضات اور اشتراکی لیڈروں کے پیدا کردہ خدشات کی بناء پر قوم کو سیکولر ازم کے راستہ سے اشتراکیت کی دہلیز پر لے جانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

❖ دوسرا ہدف ❖

مذہب سے بیزاری!

جس طرح اشتراکیت تک رسائل کیلئے سیکولر ازم کی اشاعت ضروری ہے۔ اسی طرح سیکولر ازم کی وکالت کیلئے مذہب اور مذہبی جماعتوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا بھی ناگزیر ہے۔ اور فکری تحریک کا دوسرا ہدف یہی ہے۔ اپنے (تصوراتی) نظام میں وہ مذہبی طبقہ کو جو حیثیت دیتے ہیں وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اجتماعی نظام اور یاسی امور میں وہ مذہب اور مذہبی طبقہ کی ذرہ برابر مداخلت قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اور مذہب کو مساجد اور مدارس کی چار دیواری تک محدود و مقید کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک معاشرتی اصلاح، معاشرتی انصاف اور قومی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی طبقہ ہی ہے۔ چنانچہ سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

انبیاء کو اپنے دور میں ہمیشہ ایسے طبقات کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہوا جو مروجہ معنوں میں اپنے آپ کو مذہب سے وابستہ قرار دیتے تھے۔ اور ان کے ہاں مذہب کا ایک تصور ضرور موجود ہوتا تھا۔ لیکن یہ تصور جو د کو سمجھ عطا کرنے اور ظلم کو باقی رکھنے کیلئے بطور آلہ استعمال ہوتا تھا..... (سیریز نمبر ۱۱۸ ص ۲)

اور فکری پیرومرشد مولانا رانپوری اس بارہ میں فرماتے ہیں کہ

بنی اسرائیل نے کئی پیغمبروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ ان کے مذہبی طبقے پیغمبروں پر ایمان لانے کیلئے تیار نہ تھے..... (سیریز نمبر ۱۱۱ ص ۸)

مخالفین و قاتلین انبیاء کو مذہبی طبقات قرار دیکر فکری حضرات کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اس کی تفصیل تو آئندہ اوراق میں انشاء اللہ العزیز اس مقام پر آئے گی جہاں ہم فکریوں کے اس نظریہ پر بحث کریں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصد صرف معاشی انقلاب برپا کرنا تھا۔ اور ان کی دعوت عقائد و افکار کی بنیاد پر نہیں بلکہ معیشت کی بنیاد پر تھی۔ جبکہ مذہبی طبقات ان کی معاشی دعوت کی راہ میں حائل تھے.... گویا فکری حضرات اس سے قوم کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عصر حاضر کے دینی طبقات اگر سوشلزم، کمیونزم اور سیکولر ازم وغیرہ جیسے معاشی و جمہوری نظاموں کی مخالفت کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ یہ ان مذہبی طبقات کی پرانی حالت ہے۔ یہ تو انبیاء علیہم السلام کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے معاشی نظام کی بھی مخالفت کر چکے ہیں..... نیز وہ یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فکریوں کی شعوری جدوجہد اور اشتراکیوں کا معاشی انقلاب انبیاء کرام کے طرز پر ہے۔ اور ان کے مخالفین انبیاء دشمن کے طریق پر ہیں۔ جناب سعید اعوان ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ

دور حاضر میں انسانیت کی تقسیم کے علمبردار مذاہب کی بنیاد پر جہاں بھی سیاست ترتیب پا رہی ہے۔ وہاں نتائج کی نوعیت کم و بیش یکساں ہے۔ ایسی سیاست میں انسانی خون کی ارزانی ہو جاتی ہے۔ تنگ نظری عروج پر ہوتی ہے۔ انسانی حقوق پامالی کی زد میں ہوتے ہیں۔ اور معاشرہ کی اجتماعی اقدار تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یوں معاشرہ کی چولیس ہل کر رہ جاتی ہیں..... (سیریز نمبر ۱۲ ص ۲)

جناب اعوان کا فلسفہ یہ ہے کہ انسانیت کی تقسیم اسلام اور عیسائیت، اسلام اور یہودیت، یا اسلام اور قادیانیت وغیرہ کی بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس تقسیم سے انسانی خون بکثرت بہتا ہے۔ انسانی حقوق پامال ہوتے ہیں۔ اور اجتماعی اقدار تباہ ہوتی ہیں۔ لیکن جناب اعوان سے ہمارا سوال یہ ہے کہ مذہبی بنیادوں پر انسانیت کی تقسیم کے حوالہ سے آپ انسانی خون کی ارزانی، انسانی حقوق کی پامالی اور تنگ نظری پیدا ہونے

کا جو خوف محسوس فرما رہے ہیں، جس نے آپ کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ کیا دیگر بنیادوں پر قائم ہونے والی انسانی تقسیم سے یہ حالات درپیش نہیں آسکتے؟ کیا فرانس، روس اور چین کے اندر معاشی بنیادوں پر اٹھائی گئی طبقاتی تقسیم سے جو انقلابات رونما ہوئے اور انہوں نے جو گل کھلائے وہ تنگ نظری نہ تھی؟ وہ انسانی حقوق کی پامالی نہ تھی؟ وہ انسانیت کا قتل اور اجتماعی اقدار کی تباہی نہ تھی؟ کیا وہاں معاشی بنیادوں پر کروڑوں انسانوں کا قتل عام انسانی خون کی ارزانی کا عندیہ نہیں دیتا۔ درحقیقت ہمارے فہم ناقص کے مطابق جناب اعوان کی اصل پریشانی یہ ہے کہ مذہب کی بنیاد پر سیاست کے ترتیب پانے سے معاشرہ کی چولیس بلیں یا نہ بلیں۔ فکریوں کی اشتراک کی تحریک کی چولیس ضرور ہل جاتی ہیں۔ جناب اعوان مزید فرماتے ہیں کہ

کیا مذہب کا احیاء ممکن ہے؟ یہ ایک نازک سوال ہے (غالباً جناب اعوان کے فکر و استدلال سے بھی نازک بشیر) تاریخ کا یہ اصول ہے جو حقیقت ایک دفعہ ماضی کا حصہ بن جائے وہ بعینہ دوبارہ اپنا شخص حاصل نہیں کر پاتی۔ اور اس اصول سے عام مذہب بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی مذہب ابدی اصول فطرت اور انسانی اقدار کا علمبردار ہو، اور ان پر معاشرہ کی تشکیل جدید اور موثر حکمت علمی کی راہ سمجھا تا ہو تو ایسی صورت میں اس کے احیاء کی کوششوں کی نوعیت دوسری ہو گی۔ اس وقت مذہبی دنیا جس دورا ہے پر کھڑی ہے اس میں ایک طرف اسکی تمنائیا ہے کہ مذہب کا احیاء ہو اور ہر طرف اس کا غلغلہ ہو۔ دوسری طرف مذہب کی شریائیں اس قدر سکڑ چکی ہیں کہ اس میں مادہ حیات کا گزر بھی مشکل ہو چکا ہے۔ ایسی میں احیاء مذہب کی کوشش اور اس پر مبنی سیاست کا فروغ معاشرہ کو ایسے الاؤ میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ جو تمام معاشرتی عناصر کو بھسم کر ڈالنے والا ہے..... (ایضاً ص ۱۲)

مذکورہ اقتباس کو بار بار ملاحظہ فرمائیے اور فکری تحریک کی ذہنیت کا اندازہ کیجئے کہ مذہب سے بیزاری کس حد تک اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے؟ جناب اعوان فرماتے ہیں کہ

یہ تاریخ کا اصول ہے کہ جو حقیقت ماضی کا حصہ بن جائے وہ دوبارہ اپنا شخص حاصل نہیں کر سکتی۔ لہذا مذہب کا احیاء ممکن نہیں۔ جبکہ قرآنی و نبوی تعلیمات کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلہ نبوت کے دوران مذہب کا احیاء متعدد بار ہوا۔ اور بسا اوقات پہلے سے بہت بہتر انداز میں ہوا۔ گویا احیاء مذہب کے بارہ میں جناب اعوان کا اصول متعدد بار خود انبیاء کرامؑ کے ذریعہ ٹوٹ چکا ہے۔ دراصل جناب اعوان ایک طرف تو مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلامی نظام اور خلافت اسلامیہ کا احیاء ممکن نہیں۔ لہذا اس کیلئے جدوجہد ترک کر دو، اور اپنی توانائیاں ضائع نہ کرو۔ اور دوسری طرف امت مسلمہ کے اس اجماعی عقیدہ پر کاری ضرب لگا رہے ہیں کہ جس کے مطابق ظہور مہدیؑ اور نزول مسیحؑ کے بعد احیاء اسلام ہوگا۔ وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جب اسلامی نظام کا احیاء و نفاذ اپنی اصلی اور مکمل صورت میں ممکن ہی نہیں تو اس کیلئے ظہور مہدیؑ اور نزول مسیحؑ کا نظریہ و عقیدہ فضول و بیکار ہے۔

دوسرے نمبر پر جناب اعوان نے قضیہ فرضیہ کے طور پر اسلامی اصول فطرت پر مبنی انسانی اقدار کے علمبردار کسی مذہب کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ اور اس کے احیاء کی شاہانہ اجازت بھی مرحمت فرمائی ہے۔ لیکن انہوں نے اس بت کی وضاحت گوارا نہیں فرمائی کہ اس جامعیت کا حامل کوئی مذہب اس وقت دنیا کے کسی خطہ میں اپنا کوئی وجود بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر وجود رکھتا ہے تو وہ کونسا ہے؟ اور اس کا نام کیا ہے؟ اور پھر جناب اعوان اور ان کی فکری جماعت اس ابدی اصول فطرت پر مبنی نظام کے احیاء و نفاذ کیلئے کیا کوشش فرما رہے ہیں؟

اور اگر ایسے کسی مذہب کا وجود اس وقت دنیا میں باقی نہیں ہے (اور آپ کی طرف سے احیاء مذہب کی مطلقاً نفی بظاہر اسی کی نشاندہی کرتی ہے) تو پھر مذہب اسلام کے بارہ میں جناب والا کا کیا خیال ہے؟ وہ ابدی اصول فطرت پر مبنی انسانی و اجتماعی اقدار کا علمبردار ہے یا نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو آپ کی فکری تحریک اسلامی نظام کے احیاء و نفاذ کیلئے کھل کر جدوجہد کیوں نہیں کرتی؟ یہاں ہم یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتے

ہیں کہ پاکستان کے اندر کسی بھی انداز اور کسی بھی رنگ سے احیاء مذہب کی مخالفت خالص اسلام دشمنی شمار ہوگئی۔ کیونکہ یہاں دیگر مذاہب (عیسائیت، یہودیت وغیرہ) کے احیاء و نفاذ کی کوئی تحریک سیاسی میدان میں موجود نہیں۔ یہاں مذہب اسلام کا تصادم و مقابلہ سیاسی میدان میں صرف اشتراکیت کی لادینی تحریک اور اس کے ہموادوں سے ہے۔

تیسرے نمبر پر جناب اعوان مذہب کی شریانیں سکڑنے کا شکوہ کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ جناب اعوان مذہب کی ان شریانوں سے کیا گزارنے کا پروگرام رکھتے ہیں؟ البتہ ہم یہ وضاحت اس مقام پر ضروری خیال کرتے ہیں کہ اگر مذہب کی ان شریانوں سے قرآنی و اصول افکار اور نبوی عقائد و تعلیمات، سنت خلفاء راشدینؓ و اجماع امت کی روشنی میں گزارنا مقصود ہو تو بحمد اللہ تعالیٰ مذہب اسلام کی یہ شریانیں آج بھی چودہ سو سال پہلے کی طرح کشادہ اور اپنی اصلی فطری حالت پر باقی ہیں۔ اور اگر جناب اعوان ان شریانوں سے اشتراکیت کی ریل یا سیکولرازم کا ٹرالا گزارنا چاہیں تو یہ شریانیں بلا شک و شبہ بہت تنگ اور سکڑی ہوئی ہیں۔ ان شریانوں سے یہ کچرہ بہر حال نہ گزر پائے گا۔ بلکہ کسی فکری تحریک کا ان شریانوں سے ایسا اشتراک کچرہ گزارنے کی کوشش کرنا بھی کھلی حماقت ہوگا۔

دوسری فکر فاسد تنظیم فکر ولی اللہی اشتراکیت کی دہلیز پر

مجبوری یا منصوبہ؟

کسی بھی اپنے سے بڑی طاقت و قوت سے ٹکراتے وقت کم از کم اس جیسی یا اس سے بڑی طاقت کا سہارا حاصل کرنا ایک فطری امر ہے۔ مسلمان بھی جب خدا کے نظام اور خدا کی رضا کیلئے کسی اسلام دشمن طاقت سے ٹکراتا ہے تو سب سے پہلے خود کو خدا تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہے۔ اور پھر اسے اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ افرادی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود مجھے کائنات کی سب سے بڑی قوت۔ اور ”حقیقی سپر پاور“ یعنی خدائے وحدہ لا شریک کی تائید و نصرت حاصل ہے۔ اور اسی کے سہارے وہ دنیا کی ہر طاغوتی قوت سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ فکری حضرات بھی جب امریکی اور یورپین سامراج کے خلاف شعوری جدوجہد کا پروگرام لے کر نکلے تو اپنے سے بہت بڑی طاقت کو سامنے پا کر نفسیاتی طور پر عدم تحفظ کا شکار ہو گئے، چونکہ ان کی تمام تر فکری جدوجہد روحانیت کی بجائے مادیت کی بنیادوں پر تھی۔ اس لئے وہ ”حقیقی سپر پاور“ کی بجائے ”روسی سپر پاور“ کی طرف جھک گئے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر کمیونسٹ بلاک کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ہم اس بارہ میں فی الحال کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے کہ یہ ان کی ہنگامی مجبوری تھی یا طے شدہ منصوبہ؟

اشتراک کی نظام کی مدح سرائی!

فکری لٹریچر کا (دستیاب حد تک) مطالعہ کرنے کے بعد کم از کم مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب و آشکارا ہو چکی ہے کہ فکری تحریک کے پاس ولی اللہی لیبل کے سوا اپنا کوئی پروگرام ہے نہ نصب العین۔ بلکہ وہ صرف اشتراکیت کے ”میڈیا چینل“ سے نشر ہونے والے اشتراک کی پروگراموں کی بعینہ تصویر اپنے تنظیمی لٹریچر اور اپنی تربیتی نشستوں کے ذریعہ پاکستانی نوجوانوں کے ذہن و شعور کی سکریں پر منتقل کرنے کیلئے ایک ”فل

پاور بوسٹر“ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ اور اس کیلئے وہ اشتراکی نظام کی مدح سرائی کی اس انتہاء تک بھی پہنچے جہاں تک کوئی ضرورت مند پہنچ سکتا ہے۔ ہمارے اس دعویٰ میں کس حد تک صداقت پائی جاتی ہے؟ آئیے فکری لٹریچر کی روشنی میں اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرما کر فیصلہ کر لیجئے۔ ذیل میں ہم فکریوں کے اشتراکی ترجمان جناب چوہدری عبدالرؤف صاحب کے مختلف مضامین سے چند عبارات و اقتباسات اپنے قائم کردہ عنوانات کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اشتراکی تحریک کی مخالفت نہیں چاہیے!

دنیا کی تمام انقلابی تحریکات کو اس وقت بہت تقویت ملی۔ جب روس میں اشتراکی انقلاب ۱۹۱۷ء آیا۔ کمیونسٹ انقلاب یورپ کی صدیوں کے استحصال اور ظلم کے خلاف ایک رد عمل تھا۔ جس میں سرمایہ کو اصل فساد کی جڑ تسلیم کر کے اس کے وجود ہی سے انکار کر دیا گیا۔ اور محنت کو ترقی کا عنصر اول مانا گیا۔ کاش کہ محنت کش طبقہ کی اس تحریک کی مخالفت سچے مذہب (اسلام) والے نہ کرتے تو آج بدترین جدید سامراج کا وجود ہی نہ ہوتا..... (سیریز نمبر ۱۲۲ ص ۱۱)

اشتراکی انقلاب مذہب کے خلاف نہ تھا!

اس گروہ کی قیادت اشتراکی فلسفی مارکس نے کی۔۔ بعد ازیں لینن نے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق عوام کو منظم کیا۔ اور زار شاہی کے خلاف انقلاب لے آیا۔ یہ انقلاب دراصل کسی مذہب کے خلاف تو نہ تھا۔ لیکن چونکہ مذہب (عیسائیت) کے نام پر حکمران ظلم ڈھارہے تھے۔ اس لئے انقلابیوں نے مذہب کے نام پر ظلم کے خلاف رد عمل کے طور پر مذہب کا بھی انکار کر دیا..... (سیریز نمبر ۱۱۴ ص ۱۹)

اشتراکی انقلاب نے خطہ کی تقدیر بدل دی!

اشتراکی انقلاب جس کے گرد مغربی سرمایہ دار بلاک نے سرد جنگ کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ آج دنیا نے جب حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو دنگ (حیران) رہ

گئی۔ اختلاف کا حق ہر شخص کو اپنی جگہ موجود، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتنے بڑے خطہ کی تقدیر بدل گئی۔ ۱۹۸۸ء کے پاکستانی اعداد و شمار کے مطابق صرف ماسکو میں ۷، لاکھ سے زائد طلبہ یونیورسٹی کی سطح پر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان میں ۲۰، ہزار غیر ملکی بھی شامل ہیں۔ ۸۰، لاکھ کی آبادی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے ۴، ہزار لائبریاں موجود ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی گروپ میں خواتین سائنسدانوں کا تناسب ۴۰، فیصد ہے۔ مشرقی علوم کے صرف ایک ادارہ میں ۸، سو سکالر مشرقی ممالک کے بارہ میں تحقیق میں مصروف ہیں جن میں سے ۷، سو پتی، ایچ، ڈی کی ڈگری رکھتے ہیں۔ یہ ادارہ ہر سال ۵، زبانوں میں ۱۲۰، کتابیں شائع کرتا ہے، کوئی ۵۰، کتابیں تو پاکستان پر بھی شائع ہو چکی ہیں..... (ایضاً ص ۱۲۰)

(نوٹ) اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو یہ ساری معلومات روسی سفارت خانہ کی فراہم کردہ لگتی ہیں۔..... بشیر

روس نے دنیا کا امن بچالیا!

یورپ نے پوری دنیا کی دولت کو لوٹا۔ امریکہ نے جنگ عظیم اول اور دوم میں اسلحہ کی تجارت میں اپنی معاشی ترقی کو چار چاند لگائے۔ پھر ابھی تک امریکی قوم کو کسی جنگ جیسی آفت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس روسی عوام نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ دیکر دنیا کے امن کو بچالیا۔ ورنہ ایشیا پھر سے مستقل غلام بن جاتا۔ ایسا نظام جس میں بنیادی ضروریات کی ضمانت افرادی محنت کو اجتماعی شکل دیکر ملک کو دنیا کی سپر طاقت بنا دیا گیا ہو۔ اس کے خلاف پروپیگنڈہ آخر کب تک چلے گا؟ دنیا کی مظلوم انسانیت تو عمل کی زندگی دیکھنے کی خواہش مند رہی ہے..... (ایضاً ص ۲۱)

اشتراکی تحریک بہتر نظام میں داخل ہو چکی ہے!

حیرت کی بات ہے کہ جس سسٹم کے تحت سوویت یونین کے عوام نے دنیا میں ترقی کی اور سپر پاور بنے، تیسری دنیا کے کم ترقی یافتہ حکمران اور نام نہاد دانشور کہتے ہیں کہ وہ نظام دنیا میں ناکام ہو گیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ تاریخی اور شعوری

ترقی کے باعث اگلے بہترین نظام میں داخل ہوئے ہیں۔ غریب ممالک کے نام نہاد مسلم دانشوریوں خوش ہو رہے ہیں جیسے اس وقت ان کے بنائے ہوئے نظام کا اس نظام سے مقابلہ تھا۔ اور تبدیلی کا عمل انہی کی محنت سے ہوا ہے۔ اشتراکی نظام کا مقابلہ کر نیوالے سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ممالک اور ان کے دانشور تو کہتے ہیں کہ اب اشتراکی نظام کی نئی شکل سے خطرہ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے..... (ایضاً ص ۲۶)

روس نے امریکہ کو سیاسی شکست دیدی!

اس پس منظر میں اندازہ کریں کہ انسانیت کیلئے سابق سوویت یونین کی قیادت نے اہم کام کیا ہے۔ دنیا سے جنگ کے خطرات کو بہت حد تک کم کر دیا ہے..... سب سے بڑی بات یہ کہ امریکہ کو یورپ میں سیاسی شکست دیکر تحفیفِ اسلحہ کے ذریعہ اس کی یورپ میں فوجی طاقت کو کم کر دیا ہے۔ یہ قابل قدر سیاسی حکمت عملی ہے، جو بغیر جنگ کے دنیا کے مسائل حل کرتی ہے..... (ایضاً ص ۲۷)

اشتراکی نظام کے ذریعہ دنیا کا نقشہ بدل جائیگا!

سوچنے کی بات کہ سوویت یونین کی ری پبلکس نے خود مختار ملک بننے اور کامن ویلتھ کے فیصلے کتنے سکون اور مشترکہ طریقہ سے کئے۔ ورنہ اگر کسی ملک کا نظام فیل ہو جائے تو وہاں زوال آتا ہے۔ اور زوال کی بیماریوں سے ہم ہندوستانی اور پاکستانی مسلمان گزر چکے ہیں لیکن ہماری تمام بیماریوں کا کوئی نشان بھی سوویت یونین میں نہیں ملتا۔ بلکہ وہ تو بہتر جمہوری انداز میں آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ عمرانیات کی زبان میں وہ اب صحیح قومی انقلاب (ارتفاق سوئم) سے گزر رہے ہیں اور اس احسن انداز میں وہ رضا کارانہ طور پر چوتھے ارتفاق یعنی بین الاقوامیت میں داخل ہو گئے تو دنیا کا نقشہ بدل جائے گا.....

..... (ایضاً ص ۲۷)

مذکورہ حوالہ جات آپ ملاحظہ فرما چکے، قطع نظر اس سے کہ یہ کس حد تک حقیقت پسندانہ یا خلاف حقیقت ہیں؟ ہم اپنے معزز قارئین سے یہ مشورہ چاہیں گے کہ جناب

چوہدری صاحب کی ان تحقیقات یا مفروضات کو کیا نام دیا جائے؟ انہیں ان کی چشم پوشیوں پر محمول کیا جائے یا خوش فہمیوں پر؟ انہیں ان کی اشتراکیت نوازی کا نام دیا جائے یا اسلام دشمنی کا؟ انہیں ان کی روسی نمک حلائی سے تعبیر کیا جائے یا قومی و ملی نمک حرامی سے؟ غرضیکہ اسے جو بھی نام دیا جائے یہ بہر حال ایک مسلمہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سوویت یونین (جو افغان مجاہدین کے ہاتھوں اپنا وجود کھو کر ایک قصہ پارینہ بن چکی ہے) کے دفاع، اس کی سیاسی حکمت عملی کی تعریف، اور اس کے اشتراک کی نظام کی مدح سرائی کا جو حق چوہدری صاحب نے ادا کیا ہے، وہ کوئی تنخواہ دار ملازم بھی کم ہی ادا کر سکتا ہے۔ اشتراک کی نظام کی وکالت و ترجمانی میں مذکور اقتباسات کا ایک ایک جملہ تنظیم ولی الہی کی فکری تحریک کے فنانی الاشتراکیت ہونے کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتا ہے۔

اشتراک کی پروگرام قرآن سے اخذ کیا گیا ہے۔

ہم حیران تھے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے چوہدری عبدالرؤف صاحب کو اشتراکیت کے دفاع کا اتنا حوصلہ کہاں سے مل گیا۔ لیکن ہماری حیرانی اس وقت پریشانی میں بدل گئی جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ فکری قیادت کے نزدیک اشتراک کی پروگرام کا مأخذ ہی قرآن پاک ہے۔ ظاہر ہے جب ایک چوہدری کو اپنے نزدیک مسلمہ ایک مفتی و مولوی کے ذریعہ اشتراک کی پروگرام کے اس مأخذ کا پتہ چلا ہوگا تو وہ بھلا ”بلے بلے اشتراکیت“ کا نعرہ لگاتا ہوا ”طلکرے“ کیونکر نہیں مارے گا؟ اس نے بھی تو آخر قرآن کے ساتھ اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کر کے اپنی آخرت بچانی ہے۔ حوالہ گذشتہ اوراق میں باب ثانی کی فصل چہارم کے اندر گزر چکا ہے۔ وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

کیمونسٹ انقلاب کی اصلیت!

لیکن جس کیمونسٹ انقلاب کو فکری حضرات محنت کش طبقہ کی معاشی تحریک کا نام دیکر اس کی وکالت و دفاع کر رہے ہیں۔ وہ مذہب کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے۔ اور مذہب کا وجود دنیا سے ختم کرنا ان کا بنیادی پروگرام ہے۔ کیمپٹل ازم (یعنی سرمایہ دارانہ نظام) کے مقابلہ میں مارکسزم کے نام سے جو نظام معرض وجود میں آیا وہ

سوشلزم (یعنی اشتراکیت) اور کمیونزم (یعنی اشتمالیت) کے دو مختلف عنوانوں سے متعارف ہوا۔ اس کا بانی کارل مارکس جرمن باشندہ اور یہودی النسل تھا۔ جو ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا۔ بون اور برلن کی یونیورسٹیوں میں اس نے تعلیم حاصل کی۔ فلسفہ اور قانون کا شیدائی تھا۔ اسے اشتراکیت کا پیغمبر تسلیم کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی کے بارہ میں فرمایا تھا کہ

ع نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

مذہب کے بارہ میں اشتراک کی نظریات!

مذہب چونکہ مارکسزم (یعنی کمیونسٹ تحریک) کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے اس کا سب سے پہلا حملہ مذہب پر ہی ہوتا ہے۔ اور وہ مذہب کا وجود ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اور دنیا سے مذہب کا خاتمہ اس کے بنیادی پروگرام میں شامل ہے۔ چنانچہ کارل مارکس لکھتا ہے کہ

ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانی ضمیر کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرانا ہے کیونکہ مذہب عوام کے حق میں ایفون کا اثر رکھتا ہے.....

.....(بحوالہ سرمایہ دارانہ اور اشتراک کی نظام ص ۱۵۶ از علامہ شمس الحق افغانی)

مذہب کے خلاف یہ نفرت کمیونسٹ لیڈروں کے دلوں میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ نفرت ان کی بنیادی فکر میں شامل تھی۔ جس کا تذکرہ اس تحریک کے بانیوں کی تعلیمات میں واضح طور پر موجود ہے۔

اشتراک کی نظام میں عورت کی حیثیت!

مذہب کے خلاف اس قدر کھلی بغاوت اور شدید نفرت کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اشتراکیت میں نہ روحانیت ہے اور نہ اخلاق۔ اس میں بھوک اور جنسی خواہشات کی تسکین کیلئے کوئی حد بندی نہیں ہے، نہ حلت و حرمت کی اور نہ جائز و ناجائز کی۔ چنانچہ تمام ضروریات زندگی کی مشترکہ ملکیت کے اشتراک کی تصور پر ایک فطری سا سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ کہ عورت بھی تقاضائے بشریت اور ضروریات زندگی کا ایک حصہ

ہے۔ اس کے بارہ میں اشتراکیت کا تصور کیا ہوگا؟ اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ لیکن پورا بورژوا طبقہ (جدید سرمایہ دار طبقہ کیلئے یہ ایک اشتراکی اصلاح ہے) ایک آواز سے چیخ اٹھتا ہے کہ تم کمیونسٹ تو عورتوں کو بھی سا جھے کی (مشرکہ) ملکیت بنا دو۔ بورژوا کی نظر میں اس کی بیوی کی حیثیت بھی پیداوار کے ایک آلہ سے زیادہ نہیں۔ پھر جب وہ سنتا ہے کہ آلات پیداوار کا استحصال سا جھے میں کیا جائے گا تو قدرتا اس کے سوا کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ عورتوں کا بھی حشر ہوگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ اصل مقصد عورتوں کی اس حیثیت کا خاتمہ کرنا ہے جس میں وہ صرف پیداوار کا آلہ بن کر رہ گئی ہوں پھر اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے بورژوا پاک دامنی کے جوش میں عورتوں کی سا جھے داری پر ناک بھوں چڑھائیں۔ اور ظاہر یہ کریں کہ کمیونسٹ کھلے بندوں اور قانوناً اس کو رائج کریں گے۔ کمیونسٹوں کو کیا پڑی ہے کہ عورتوں کی سا جھے داری کو رائج کریں۔ اس کا رواج تو بہت پرانے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ زنان بازاری کا تو کہنا ہی کیا۔ جب اپنے مزدوروں کی بہو، بیٹیوں سے بھی جی نہیں بھرتا تو ہمارے بورژوا ایک دوسرے کی بیویوں سے ناجائز تعلق قائم کر کے انتہائی مسرت حاصل کرتے ہیں۔ بورژوا شادی دراصل سا جھے میں بیویاں رکھنے کا دستور ہے۔ اور اس کیلئے کمیونسٹوں پر بفرض محال بڑے سے بڑا الزام کوئی ہو سکتا ہے تو یہی کہ وہ اس منافقت بھری اور پوشیدہ سا جھے داری کے بدلے عورتوں کی اعلانیہ قانونی سا جھے داری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل حقیقت ظاہر ہے کہ جب موجودہ تعلقات پیداوار میں گے تو اسکے ساتھ عورتوں کو سا جھے میں رکھنے کا دستور یعنی بازاری یا کاگی عصمت فروشی بھی جو ان تعلقات کا نتیجہ ہے، مٹ جائے گی..... (کمیونسٹ پارٹی کا مینی فیسٹو ص ۵۸، ۵۹)

یہ کسی عام اشتراکی کا قول و نظریہ نہیں۔ بلکہ کارل مارکس اور اینجلز کا مرتبہ وہ منشور ہے جو پوری دنیا کے اشتراکیوں کیلئے یکسان طور پر واجب العمل ہے۔ جس سے دنیا کا کوئی اشتراکی برأت و بیزاری کا اظہار نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس موجود یہ اشتراکی منشور ۱۸۸۸ء کے مطبوعہ انگریزی ایڈیشن کا اردو ترجمہ ہے۔ اور اس پر لینن کی تائیدی

تحریر بھی مذکور ہے۔ اسی اشتراکی بنی فیسٹو کے زیر اثر روس کے اشتراکی انقلاب کے سربراہ لینن نے انقلاب روس کے فوراً بعد ۱۹، نومبر ۱۹۱۸ء کو مزدور خواتین کی پہلی کل روس کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

سوویت حکومت نے اخلاق کے پورے طریق کار کو کاملاً منسوخ کر دیا ہے۔ ہم نے جائز اور ناجائز بچوں کے امتیاز کے خاتمہ اور سیاسی پابندیوں کی منسوخی کیلئے قانون منظور کر دیا ہے..... یہ تاریخ کا پہلا موقع ہے کہ ہمارے قانون نے عورتوں کے حقوق میں اثر انداز ہونے والی ہر چیز کا خاتمہ کر دیا ہے.....

.....(لینن کے نظریات مذہب بحوالہ اسلام اور اشتراکیت ص ۱۸۴)

عورتوں کی حیثیت اور جائز و ناجائز بچوں کے حوالہ سے مذکورہ اشتراکی نظریات پر ہم کسی تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ہم صرف اشتراکی نظام کی اخلاقی حیثیت کو آشکارا کرنا چاہتے ہیں تاکہ فکری حضرات اپنے موقف و نظریہ پر نظر ثانی کر سکیں۔

وسط ایشیاء کی مسلم ریاستیں اور کیمونسٹ انقلاب!

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کیمونسٹ انقلاب کا پہلا بڑا کارنامہ وسط ایشیائی خطہ میں مسلم قوت کو منتشر و کمزور اور وہاں کے مسلم خطوں (تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان، آذربائیجان، چیچنیا، قازقستان وغیرہ) کو بزور شمشیر اپنی ”سوویت یونین“ میں شامل کرنا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ..... یہ انقلاب اس خطہ میں اٹھایا گیا ہے۔ جسے دینی، علمی اور سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی مرکزیت حاصل تھی؟..... بالخصوص مسلمانان برصغیر کے بیشتر علمی، روحانی اور سیاسی مفادات اسی خطہ کے مرہون منت ہیں..... حضرت علی ہجویریؒ (المعروف داتا گنج بخش لاہوریؒ) اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیریؒ جیسے علمی و روحانی پیشواؤں یا سلطان محمود غزنویؒ یا سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ جیسے سیاسی و عسکری فاتحین، برصغیر پاک و ہند کے اندام حیات دین، غلبہ اسلام اور سلطنت اسلامیہ کے قیام کی خاطر خدمات سرانجام دینے والے جملہ حضرات اسی خطہ سے وابستہ تھے کیا

کیمونسٹ انقلاب کے ذریعہ اس خطہ کو ہندوستان کے مسلمانوں سے کاٹ نہیں دیا گیا؟
قیام اسرائیل اور اشتراک کی لیڈر!

کیمونسٹ انقلاب کا دوسرا بڑا کارنامہ اسرائیل کی یہودی ریاست کا قیام ہے۔ کیونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ فلسطین کے اندر (اسرائیل کے نام سے یہودی ریاست کا قیام گذشتہ صدی کا کوئی ہنگامہ واقعہ نہیں۔ بلکہ اس کے پس منظر میں (صلیبی جنگوں کے اندر عبرتناک شکست کے بعد) صہیونی دانشوروں کی صدیوں پر محیط منصوبہ سازی کا رفرما ہے۔ جس کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ترکی کی خلافت عثمانیہ تھی۔ چنانچہ

پہلے مرحلہ! میں صہیونی دانشوروں نے عثمانی خلافت کے آخری تاجدار سلطان عبد الحمید خان سے سیاسی سودا بازی کی کوشش کی کہ ہم سلطنت کے تمایرونی قرضہ جات ادا کرنے اور اندرونی بجٹ کا تمام خسارہ پورا کرنے کیلئے تیار ہیں۔ بدلہ میں ہمیں صرف فلسطین کے اندر رہائش کیلئے زمینیں خریدنے کی اجازت دیجائے۔ لیکن سلطان مرحوم کی غیرت ملی نے تمام ترمالی مشکلات کے باوجود گوارا نہ کیا۔ اور صہیونی دانشوروں کی یہ مالی پیش کش مسترد کرتے ہوئے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے نیچے سے مٹی کی جٹھی لے کر فرمایا کہ اگر تم دنیا کے تمام خزانے بھی میرے پاس لے آؤ تو اس کے بدلہ میں فلسطین کی اتنی سی مٹی بھی تمہیں دینے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ اس طرح صہیونی دانشوروں کی پہلی سازش ناکام ہو گئی۔

دوسرے مرحلہ! میں صہیونی دانشوروں نے ناخواندگی اور بے روزگاری کی آڑ لے کر سلطان مرحوم کو یہ پیش کش کی کہ ہم انڈسٹری اور جدید تعلیمی ادارے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ملک سے بے روزگاری و ناخواندگی کا خاتمہ کیا جاسکے۔ لہذا ہمیں اس کیلئے زمینیں الاٹ کی جائیں۔ سلطان مرحوم ان کی خصلت سے واقف تھے۔ فوراً فرمایا فلسطین کے علاوہ جس جگہ بھی زمینیں مانگتے ہو دینے کیلئے تیار ہوں، لیکن صہیونی دانشور تو اپنے منصوبہ کے مطابق اسی جگہ کو منتخب کئے بیٹھے تھے۔ لہذا ان کی یہ سازش بھی

نا کام ہو گئی۔

تیسرے مرحلہ! میں صہیونی و مسیحی دانشوروں نے مشترکہ سازش کے ذریعہ ترکی کے لبرل و سیکولر ذہن رکھنے والے نوجوانوں کو جمع کیا۔ اور خلافت عثمانیہ کے خلاف ان کی ذہن سازی کر کے ان کے ذریعہ اندرون ملک شورشیں برپا کر دیں۔ جس کے نتیجہ میں ۱۹۱۶ء میں خلافت عثمانیہ ختم کر دی گئی۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے پانچ سال بعد ۱۹۱۷ء میں ”کارل مارکس اور انجیلز“ جیسے یہودی اشتراکیوں کی تعلیمات کی بنیاد پر لینن جیسے یہودی اشتراکی کے ذریعہ کمیونسٹ انقلاب اٹھایا گیا۔ جس نے ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کا قتل عام کر کے وسط ایشیاء کی مسلم قوت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ اور پھر دنیا کے مختلف خطوں میں بکھرے ہوئے یہودیوں کو فلسطین میں جمع کر کے اسرائیل کی یہودی ریاست منظر عام پر لائی گئی۔ گویا یہ کمیونسٹ انقلاب اسرائیلی ریاست کے قیام کیلئے بطور پیش قدمی اٹھایا گیا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ..... اس کمیونسٹ انقلاب کے بعد دیگر مذاہب کے لوگ تو لاکھوں کی تعداد میں قتل کئے گئے لیکن کسی یہودی کو خراش تک نہ آئی؟..... یہودیوں کو نہ صرف پورا تحفظ فراہم کیا گیا، بلکہ انہیں ہر قسم کی سرکاری مراعات سے نوازا گیا..... فلسطین کے اندر یہودیوں کی آباد کاری کیلئے رہائشی کالونیوں اور انڈسٹری خطوں کی زمینوں کے انتخاب میں اشتراکی لیڈروں کی بھیجی ہوئی سروے ٹیموں نے حصہ لیا۔ اور انہی کے فیصلہ پر فلسطینی مسلمانوں سے وہ زمینیں انتہائی مہنگے داموں خریدی گئی۔ جن کی قیمتیں اشتراکی لیڈروں نے ادا کیں..... پھر دنیا کے مختلف خطوں سے لاکھوں یہودیوں کو فلسطین منتقل کرنے کیلئے ہر قسم کے سفری اخراجات و مراعات اشتراکی لیڈروں نے فراہم کئے..... اس کے بعد فلسطینی، شامی، مصری، یمنی، سعودی، عراقی اور اردنی عربوں کے خلاف یہودیوں کی عسکری قوت مضبوط کرنے کیلئے انہیں جدید ترین اسلحہ اشتراکی لیڈروں نے دیا۔ حتیٰ کہ قیام اسرائیل کے بعد اقوام متحدہ کے اندر اسرائیل کی آئینی و جغرافیائی حیثیت تسلیم کرانے کیلئے بنیادی کردار بھی اشتراکی لیڈروں نے ادا کیا۔

اشتراکی انقلاب صہیونی سازش!

ان حقائق و واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اشتراکی انقلاب محنت کش طبقہ کی معاشی تحریک کی آڑ میں ایک خالص صہیونی انقلاب تھا۔ جس کا بنیادی مقصد وسط ایشیاء سے مسلمانوں کی مرکزیت ختم کرنا۔ اور مسلمانوں کی سیاسی قوت کو توڑنا و کمزور کرنا تھا۔ وہ الگ بات ہے کہ اشتراکی لیڈروں کی ناقص حکمت عملی یا یورپین دانشوروں کی کامل ہوشیاری کی بناء پر اسرائیلی ریاست سیاسی و دفاعی اعتبار سے یورپین ہلاک میں چلی گئی۔ اور سویت یونین کمیونسٹ قیادت کو خطہ کے اندر طاقت کا توازن برقرار رکھنے اور اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ کیلئے اسرائیل کے بعض ہمسایہ ممالک کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور ان کے ساتھ اس کے سیاسی و دفاعی معاہدے طے پا گئے۔ اشتراکی انقلاب کے اس پورے پس منظر کی روشنی میں مسلمان لیڈروں کا مذہبی بنیادوں پر اس کی مخالفت کرنا ان کا ملی اور شرعی فریضہ تھا۔ لیکن فکری راہنما چوہدری عبدالرؤف صاحب فرماتے ہیں کہ سوویت یونین میں مسلمان لیڈروں نے نئے دور کی سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ مذہب کے نام پر انقلابیوں کی مخالفت کی۔ جس سے انقلاب کے بعد اسلام بھی رد عمل سے نہ بچ سکا..... (سیریز نمبر ۱۱۴ ص ۱۹)

معلوم ہوتا ہے کہ چوہدری صاحب یا تو خود کسی بہت بڑی خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ اور یا حق الخدمت وصول کر کے حق نمک ادا کرتے ہوئے دوسروں کو فریب اور دھوکہ میں مبتلا کرنے کی فکر میں ہیں۔ کیونکہ یہ تو ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب کارل مارکس کے اشتراکی ”مینی فیسٹو“ سے لیکر لینن کے انقلابی و سرکاری خطبات تک مکمل اشتراکی لٹریچر مذہب کے خلاف نفرت و عداوت سے بھرا ہوا ہے تو مسلمان لیڈروں کی طرف سے مذہبی بنیادوں پر اس کی مخالفت کرنا ایک ناگزیر امر تھا۔ جبکہ انقلاب کے بعد.... ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کے قتل عام.... ہزاروں مساجد کے انہدام.... لاکھوں چھوٹے بڑے مدارس دینیہ کی بربادی.... مسلم خواتین کے ساتھ وحشیانہ سلوک.... قرآن مقدس سمیت اسلامی لٹریچر کی بے حرمتی.... تلاوت قرآن۔ نماز

روزہ وغیرہ شعائر اسلام پر پابندی.... اور مسلمانوں کے تمام مذہبی و انسانی حقوق کی پامالی.... کے بعد تو یہ مخالفت اور زیادہ ناگزیر ہو چکی تھی۔ اور اس پر مجرمانہ سکوت اختیار کرنے کے لئے چوہدری صاحب اور ان کے فکری ہمنواؤں جیسے دل گردے کی ضرورت تھی۔ جو مسلمانوں لیڈروں کی خوش قسمتی سے میسر نہ تھا۔

روسی دہریت اور فکری تحریک!

ہم گذشتہ اوراق میں پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ حضرت سندھیؒ روس کے کیمونسٹ انقلاب کو لادینی انقلاب قرار دیتے تھے۔ جبکہ اس کے برعکس فکری حضرات اشتراکیت کی نہ صرف ترجمانی کرتے ہیں، بلکہ روسی دہریت والحادیت کا بھرپور دفاع بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا سعید احمد رائیپوری فرماتے ہیں کہ

در حقیقت دہریت کی بنیاد تو سترہویں صدی میں پڑ گئی تھی۔ یورپ کی تعلیم کا نظریہ مادیت پر ہے جبکہ مشرق میں دہریت تو بعد میں آئی۔ جب روس میں انقلاب آیا۔ تو اس نے دہریت اختیار کر لی۔ پھر مغربی یورپ والے خود مذہبی بن گئے۔ اور روس کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ یعنی مغرب والوں نے چال چلی مذہب کو سیاست کیلئے استعمال کیا۔ جبکہ روس والوں نے ایسا نہیں کیا۔ جس جگہ بھی مغربی نظام آیا، وہاں اس کی وجہ سے عقیدہ کی جنگ چھڑ گئی۔ اور فرقے بنادیئے گئے۔ یوں انگریزوں نے اپنی سامراج تہذیب کے غلبہ کیلئے قوموں کو بگاڑ دیا۔ سامراج نے اپنے نظام کو بچانے کیلئے مذہب کے نام پر سب کو اکٹھا کیا۔ کہ اپنے دشمن کو شکست دے سکے..... (سیریز نمبر ۱۱۶ ص ۶)

مولانا رائیپوریؒ کو یہ حقیقت غالباً ذہن نشین نہیں رہی کہ دہریت (یعنی انکارِ باری تعالیٰ اور کائنات کی عدم تخلیق کا تصور و نظریہ) سترہویں صدی عیسوی کی ایجاد نہیں بلکہ اسلام کے قرن اول و ثانی میں بھی اس کا چرچا موجود تھا۔ حتیٰ کہ نہ صرف محققین اسلام نے وجود باری تعالیٰ پر عقلی و نقلی دلائل سے بحثیں کیں۔ بلکہ اس عنوان پر مسلمانوں اور دہریوں کے درمیان مناظروں کا بازار بھی گرم رہ چکا ہے۔ جن کا تذکرہ تاریخی کتب میں بکثرت موجود ہے۔

اور پھر عملی مادیت پرستی اور اعتقادی دہریت میں بھی بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ بیشک یورپ کے اندر عملی مادیت پرستی انتہاء درجہ کی پائی گئی ہے، لیکن اعتقادی طور پر ان کے اندر خدا (بلکہ تین خداؤں) کا تصور موجود ہے۔ اس اعتبار سے اشتراکی لیڈروں کی اعتقادی دہریت کو یورپ کی عملی مادیت پرستی پر قیاس کرنا فکر و نظر اور حقائق و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

باقی رہی بات مذہب کو سیاست کیلئے استعمال کرنے کی تو اس کے لئے مولانا رائیپوریؒ کی طرف سے روس کی صفائی دینا بے سود ہے۔ کیونکہ یورپ والوں کے پاس (عیسائیت کی صورت میں) مذہب موجود تھا۔ لہذا انہوں نے اسے اپنے سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کر لیا۔ اس کے برعکس روس والوں کے پاس سرے سے مذہب کا وجود ہی نہ تھا۔ تو وہ آخر کیا استعمال کرتے؟ ہمارے خیال میں روس والے زیادہ دانشور تھے۔ کیونکہ مذہب تو ان کے پاس موجود نہ تھا۔ البتہ احساس محرومی کا شکار ہونے کی بجائے انہوں نے استعمال کرنے کیلئے چند مذہبی افراد ڈھونڈ لئے۔ جو فکر ولی اللہی کے جعلی عنوان سے اپنی رائیپوری خانقاہی نسبت سمیت خوب استعمال ہوئے۔

لیکن یہاں ایک بات ہمارے لئے ناقابل فہم ہے کہ فکری حضرات یورپ کے استحصالی نظام کا موازنہ صرف اشتراکی نظام ہی سے کیوں کرتے ہیں؟ اور اس کے مقابلہ میں صرف اشتراکی نظام میں اشتراکی نظام ہی کو کیوں قابل عمل سمجھتے ہیں؟ جبکہ ہمارے پاس اس کے مقابلہ کیلئے اسلام کا مکمل، جامع، عادلانہ نظام موجود ہے۔ کیا اس سے اسلامی نظام اور اسکے قابل عمل ہونے کی نفی لازم نہیں آتی؟ اور کیا فکریوں کا یہ طرز عمل اس حقیقت کی صاف نشاندہی نہیں کر رہا کہ وہ اسلامی نظام کو عصر حاضر کے سماجی و معاشی تقاضوں کے مطابق قابل عمل نہیں سمجھتے؟ آخر فکریوں کی تمام فکری توانائیاں اسلامی نظام کے احیاء و نفاذ کی بجائے اشتراکیت کی تائید و حمایت میں ہی کیوں صرف ہو رہی ہیں؟ ہمارے یہ خدشات محض مفروضات پر مبنی نہیں، بلکہ فکری لٹریچر اس حقیقت پر ٹھوس شواہد فراہم کرتا ہے۔ جو انشاء اللہ العزیز آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائے جاسکیں

گے۔

کیا اشتراکیت دشمنی امریکہ نوازی ہے؟

فکری حضرات اشتراکیت نوازی میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر وہ شخص اور ہر وہ طبقہ امریکہ نواز اور سامراجیت کا ایجنٹ ہے، جو کسی بھی حوالہ سے اشتراکیت دشمنی میں ملوث پایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مذہبی طبقات بھی الزام سے چھٹکارا نہیں پاسکے جنہوں نے روس کے خلاف فکری و عسکر متحد و جہد میں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ فکری تحریک کے ”میڈیا فاؤنڈیشن“ کے چیئرمین جناب سعید اعوان فرماتے ہیں کہ عالمی سیاست میں جنگ عظیم دوم کے بعد جس نظم نے استحصالی اجارہ داری کا علم اٹھایا تھا۔ وہ امریکی نظام کے نام سے جانا پچھانا ہے۔ اسی نظام نے دنیا میں قتل و غارت، دہشت گردی، تخریب کاری، اور غلامی استحصالی کے الاؤ جلائے رکھے۔ جس میں تیسری دنیا کے پسماندہ عوام کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا۔ حتیٰ کہ اس نے مذہب سے جلتی پرتیل کا کام لینے کا مکرو دھندا بھی روا رکھا۔ چنانچہ سوویت یونین کے خلاف مذہبی حکمت عملی کو بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا۔ اور مذہبی جماعتوں نے اس عمل میں شرکت اور تعاون کو اس لئے کارخیر سمجھ کر انجام دیا کہ ان کی اکثریت کو یہ جھانسہ دیا گیا تھا کہ امریکی نظام دہریت و لادینی کے خلاف مذہب کے تحفظ کی جنگ بھی لڑ رہا ہے..... (سیریز نمبر ۱۶۵ ص ۲)

ہم فی الحال یہاں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ کس نے جھانسہ دیا اور کون جھانسہ میں آیا؟ عالم اسلام کے مذہبی طبقات روسی جارحیت کے خلاف جہاد افغانستان میں حصہ لیکر امریکہ کے جھانسہ میں آئے یا فکری حضرات اس جہاد کی مخالفت کر کے روس کے جھانسہ میں آئے؟ کیونکہ یہ حقیقت تو اب اس قدر آشکارا ہو چکی ہے کسی کو کورچشم کے سوا کوئی بھی اس سے انکار کی جسارت نہیں کر سکتا۔ لیکن بد قسمتی سے فکری حضرات اب بھی اشتراکیت دشمنی اور روس کی مخالفت کو امریکہ نوازی ہی قرار دیتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک دنیا کے اندر روس اور امریکہ کے سوا ہر چیز کی نفی ہے۔ اور ان کے علاوہ کسی تیسری

چیز کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ فکریوں کے ایک اور اشتراکی رہنما چوہدری عبدالرؤف صاحب اپنے خیالات کا اظہار بایں الفاظ فرماتے ہیں کہ

امریکہ نے مختلف ملکوں کو بہت سے معاہدوں میں جکڑ رکھا ہے۔ اور اپنے دشمن کیمونسٹ کیخلاف پوری دنیا کے مذاہب کو استعمال کیا۔ اسلام جیسے مذہب کے ماننے والے تو فرنٹ لائن پر استعمال ہوئے..... (سیریز نمبر ۱۲۲ ص ۱۲)

فکری حضرات کی یہ بد نصیبی ہے کہ وہ اپنے ذہنوں میں امریکہ کا ہوا اٹھا کر اس کا توڑ پھر صرف روس کو سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور روس کو اس کی دہریت و سامراجیت اور اسکے ملحدانہ فکر و نظام سے قطع نظر کرتے ہوئے اسے صرف امریکہ دشمنی کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں سراسر خلاف حقیقت ہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت اب نکھر کر سامنے آ چکی ہے کہ جس طرح عالم اسلام کی متحدہ سیاسی و عسکری قوت سے سوویت یونین کا شیرازہ بکھیرا، اسی طرح ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا خاتمہ بھی عالم اسلام کی متحدہ قوت کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ انڈونیشیا کے وفاق سے مشرقی تیمور کی علیحدگی، افغانستان میں کھلی جارحیت اور عراق کے خلاف دہشت گردی کے بعد امریکہ جس عالمی نفرت کا شکار ہے، اس سے عالمی افق پر نمایاں تبدیلیاں واضح نظر آرہی ہیں۔ اور حالات کا تغیر بتا رہا ہے کہ انشاء اللہ العزیز وہ وقت دور نہیں جب عالم اسلام کی متحدہ جہادی قوتوں کے ہاتھوں امریکہ، روس سے بھی زیادہ بدتر حالات سے دوچار ہوگا۔ لہذا روس دشمنی کو امریکہ نوازی کے تناظر میں دیکھنا فکریوں کی احمقانہ اور غیر دانشمندانہ سوچ ہے۔ کیونکہ روس، امریکہ سے بڑھ کر اسلام اور عالم اسلام کا دشمن ہے۔ امریکہ سے اس کی دشمنی صرف سیاسی مفادات اور عالمی اجارہ داری کے حوالہ سے تھی، جبکہ عالم اسلام کے ساتھ اس کا تصادم خالص نظریاتی بنیادوں پر ہے۔ عالم اسلام مذہب کا عروج و غلبہ چاہتا ہے، جبکہ روس، مذہب کے خاتمہ کے درپے ہے۔ اور پھر فکری حضرات چونکہ خود اشتراکیت کی حمایت میں پاکستان کی دینی قوتوں اور افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف برسرِ پیکار جہادی قوتوں کے مقابل فرنٹ لائن پر استعمال ہوئے۔ اس لئے انہیں اپنے

مدمقابل فرنٹ پر نظر آنے والا ہر اشتراکیت دشمن، امریکہ نواز ہی نظر آتا ہے۔

کیا روس سامراج نہیں؟

فکری حضرات سامراج کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ ”بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جائے“، لیکن انکے مقررہ پیمانہ کے مطابق یہ تعریف صرف امریکہ اور یورپین ممالک پر فٹ آتی ہے۔ خدا معلوم کہ سامراج کی تعریف کا یہ پھندہ روس کے گلے میں کیوں فٹ نہیں بیٹھتا؟ حالانکہ.... وسط ایشیاء کی تمام ریاستوں پر خونی پنچے گاڑنے.... یوگوسلاویہ پر فوجی چڑھائی.... اور افغانستان پر عسکری یلغار کے بعد روسی سامراجیت کی اصلیت و حقیقت کسی ہوشمند سے مخفی و پوشیدہ نہیں رہی۔ لیکن فکری حضرات جدید ترین سامراجیت اور بدترین سامراجیت جیسے بوجھل اور بھاری بھر کم القابات سے امریکی سامراجیت کا ہوا کھڑا کر کے دراصل لوگوں کی توجہ روسی سامراجیت کی طرف سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ چوہدری عبدالرؤف صاحب رقمطراز ہیں کہ

(۱) روسی عوام نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ دیکر دنیا کے امن کو بچالیا۔ ورنہ ایشیا

پھر سے غلام بن جاتا..... (سیریز نمبر ۱۱۴ ص ۲۱)

(۲) روس جیسی سپر طاقت سرد جنگ کی وجہ سے CORNER ہو گئی۔ لیکن قوم

باشعور ہو چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے پہلے سے زیادہ جمہوری انداز میں اپنے

آپ کو بین الاقوامی برادری میں شامل کر لیا۔ اور سرد جنگ کی قیامت سے دنیا کو

نجات دلادی..... (سیریز نمبر ۱۲۲ ص ۱۳)

(۳) یہ دنیا کے امن پسندوں کی فتح ہے۔ کاش کہ یہ کردار دین اسلام کے ماننے

والے ادا کرتے تو آج جدید ترین عالمی سامراج سے تو دنیا آزاد ہوتی (ایضاً ص

۱۴)

ایشیا کو جدید ترین امریکی سامراج سے بچانے کیلئے محترم چوہدری صاحب کا جذبہ قابل تحسین ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

☆ روسی عوام کی لاکھوں جانوں کا نذرانہ اگر عالمی امن کا ضامن ہے تو روس کی درندہ صف فوج کے ہاتھوں لاکھوں افغان اور چیچن مسلمانوں کا وحشیانہ قتل عام کیا کہلائے

گا؟

☆ یورپ کی استحصالی قوتوں کے ہاتھوں ایشیا کو امریکی سامراج کی غلامی سے بچانے کی فکر بجا، لیکن روس کے اشتراکی خونی پنجوں سے چیچنیا کی مسلم ریاست کو آزادی دلوانے سے بے فکری کیوں؟

محترم! روس سامراج کی وکالت کے عوض وصول ہونے والی فیس آپ کو مبارک ہو۔ لیکن پاکستانی قوم محض آپ کے مفروضہ خطرات و خدشات کی بنیاد پر آفتاب نیمروز کی طرح واضح حقائق سے چشم پوشی اختیار نہیں کر سکتی۔ وہ اشتراکی سامراج کے عزائم و مقاصد سے پوری طرح باخبر ہے..... وہ جانتی ہے کہ سرد جنگ میں روس کارنر ہونے (کھڈے لائن لگنے) پر مجبور ہوا۔ وہ بارہ سال کے عرصہ میں ۳۰ لاکھ سے زائد افغان مسلمانوں کا لہو چاٹ چکی ہے..... ۲۵ لاکھ سے زائد افغانی مسلمانوں کو اپانچ و معذور کر چکی ہے.... جس میں روس نے افغانستان پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنے کے بعد پاکستان کا جغرافیائی حصار تنگ کرنے کے لئے (یعنی ایک طرف شمال مغربی سرحدوں پر روسی افواج اور دوسری طرف مشرقی بارڈر پر انڈین آرمی) جدید ترین ٹیکنالوجی سمیت اپنی پوری عسکری قوت افغانستان میں جھونک کر اپنا معاشی و اقتصادی مستقبل بھی داؤ پر لگا دیا..... جس میں کھربوں ڈالر کا جدید ترین.... جدید ترین موبائل ریڈیو اسٹیشن.... اور سائنسی ٹیکنالوجی.... افغانستان میں چھوڑ کر وہ ذلت آمیز پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوا.. ...کابل، جلال آباد، خوشت، قندھار اور شیڈن وغیرہ ہوائی اڈوں پر سینکڑوں کی تعداد میں بکھرے ہوئے.... تباہ شدہ جنگی جہاز.... جنگی ہیلی کاپٹر.... ٹینک.... توپیں.... اور بکتر بند گاڑیاں.... آج بھی روسی شکست و بے بسی کا نمونہ عبرت بنے پڑے ہیں.... جس میں پسپائی سے قبل روسی افواج نے ۸۰ فی صد سے زائد افغان سرزمین پر خطرناک بارودی سرنگیں بچھا کر افغان عوام کیلئے ان کی اپنی سرزمین کے اندر نقل و حرکت اور صنعت و تجارت کی شدید دشواریاں پیدا کر دیں.... جن بارودی سرنگوں کی صفائی کیلئے (۱۹۹۸ء میں) طالبان حکومت کی سرکاری رپورٹ کے مطابق ممکنہ وسائل کے ذریعہ مزید دس

سال صرف ہو سکتے ہیں.... اور اب انشاء اللہ العزیز وہی بارودی سرنگیں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کیلئے موت کا پیغام ہو گئی۔ اور امریکہ روس سے بڑھ کر ذلت آمیز پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوگا۔

پھر چوہدری صاحب کا یہ مشورہ بھی کسی کرایہ کے وکیل کا مشورہ معلوم ہوتا ہے کہ روس نے ۱۲ سالہ جنگ کے بعد شدید ترین نقصان اٹھا کر پسپائی اختیار کرتے ہوئے دنیا کا جو امن بچایا ہے، وہ بارہ سال قبل روسی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال کر اشتراکی غلامی قبول کر کے افغان مسلمانوں کو بچانا چاہئے تھا۔ یعنی اگر افغانستان کے مسلمان اشتراکی سامراجیت کی غلامی قبول کر لیتے اور روسی افواج کا راستہ نہ روکتے تو دنیا جدید ترین امریکی سامراج سے آزاد ہوتی۔ افغان مسلمان شوہدے سے نکلے کہ دنیا کو امریکی غلامی سے بچانے کیلئے خود کو روسی غلامی میں نہ دے سکے۔ یہ جنگی اور وحشی لوگ صرف اپنی آزادی کی خاطر روسی افواج کے مقابل آ کر دنیا کے امن سے کھیل گئے..... دراصل چوہدری صاحب اور ان کی کمیونسٹ نواز فکری تحریک ایک منظم سازش کے تحت امریکی سامراج کا ہوا کھڑا کر کے پاکستان کے مسلم نوجوانوں کو ذہنی طور پر دہشت زدہ کرنا اور اشتراکی نظام کی طرف دھکیلنا چاہتی ہے۔ حالانکہ امریکی اور روسی دونوں سامراج عالم اسلام کی نظر میں اسلام اور مسلمانوں کے یکساں دشمن ہیں.... اور پھر اس حیرت انگیز فکری ذہنیت کا مشاہدہ کیجئے کہ فکریوں کے نزدیک اگر افغان جنگ میں روس کامیاب ہو جاتا تو فتح روس کی ہوتی، جب روس اس جنگ میں شکست کھا چکا تو فتح امریکہ کے کھاتہ میں چلی گئی۔ یعنی اس جنگ میں سرے سے مسلمانوں کے وجود ہی کی نفی ہے.... اور یہاں یہ حقیقت بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ پورا عالم اسلام روس کی عبرتناک پسپائی اور سوویت یونین کی شکست و ریخت پر جشن بھی منا چکا.... روس اپنی ذلت و روسوائی کا برملا اعتراف بھی کر چکا.... لیکن فکری حضرات ابھی تک روس کی اس ذلت آمیز شکست کو عالمی امن کی ضمانت اور روسی عوام کی شعوری ترقی قرار دینے کی خود فریبی میں مبتلا ہیں..... خدا تعالیٰ انہیں فہم سلیم عطا فرمائے۔ آمین!

﴿ تیسری فکر فاسد ﴾

اہل السنۃ والجماعۃ سے مراد فکری تحریک!

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کے اندر پیدا ہونے والے ۷۳، فرقوں کی خبر دی۔ اور ان میں سے اہل سنت والجماعت کو ناجی قرار دیا۔ فکری حضرات نے جب فرقہ واریت کے خلاف اپنی اشتراکی مہم کا آغاز کیا تو بلا امتیاز حق و باطل سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دل میں یہ کھٹکا موجود تھا کہ فرمان نبویؐ کے مطابق ما انا علیہ واصحابی پر عمل پیرا گروہ اہل سنت والجماعت تو حق پر ہے۔ لہذا انہوں نے اس کا مکمل نبویؐ واجماعی مفہوم تبدیل کر کے اسے اپنی تحریک پر چسپاں کر لیا۔ چنانچہ مولانا رائیپوری فرماتے ہیں کہ

جب علم موجود ہوا، اور تنظیم قائم نہ رہے تو یہ سمجھو کہ باطل نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اہل سنت والجماعت کا مطلب یہ ہے کہ علم صحیح موجود ہو، اور علم صحیح کی پہچان جماعت سے ہو، اور جماعت کی پہچان سنت کے طریقہ سے ہو۔ یعنی جب باعمل جماعت موجود ہوگی تو دین چلے گا۔ اللہ کی عادت اور سنت ہے کہ جماعت کے ذریعہ سے دین کو غلبہ دیتے ہیں، جب جماعت نہیں رہے گی تو افراد رہیں گے۔ لیکن دین مغلوب ہو جائے گا۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام ک سامنے جماعت پیدا ہوگئی تو دین غالب آگیا جماعت پیدا نہیں ہوئی، دین غالب نہیں ہوا۔ اور حق ہمیشہ جب بھی مٹتا ہے غفلت ہوتی ہے۔ علم کتاب موجود ہوتا ہے لیکن جماعت ترتیب والی نہیں رہتی۔ تنظیم قائم نہیں رہتی تو دین مٹتا چلا جاتا ہے..... (سیرۃ نمبر ۱۲۴ ص ۶)

حضرت والا! ہر چیز سے اتفاق لیکن اہل سنت والجماعت کے جملہ میں جماعت کا جو مفہوم آپ نے بیان فرمایا اس سے ذرہ برابر اتفاق نہیں، کیونکہ جماعت سے مراد باتفاق اہلسنت جماعت صحابہؓ ہے۔ لہذا اسے ہر جماعت پر فٹ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ حضرت رائیپوری اہل سنت والجماعت اس اختراعی تعریف سے کیا مقاصد حاصل

کرنا چاہتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ فرماتے ہیں کہ

میرے عزیز ساتھیو! صرف قرآن و سنت کو پیش کر کے اپنے ذہن سے اسلام کی تعبیر کرنا یہ گمراہی ہے۔ (دھوکہ میں آ جاتا ہے) یہ قرآن پیش کرنا یہ سنت پیش کرنا، جب تک جماعت حقہ کو قبول نہیں کریں گے تو گمراہی ہوگی۔ جو وقت کے علماء اہل اللہ کا انکار کر کے اوپر جائے گا وہ گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کی جماعت کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ کا دور آ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک جماعت پیدا کی تسلسل کے ساتھ۔ شاہ اسحاق، سید احمد شہید، حضرت حاجی امداد اللہ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، پھر شیخ الہند، پھر شاہ عبدالرحیم، پھر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، پھر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، پھر حضرت مفتی اعظم کفایت اللہؒ یہ ایک جماعت پیدا کی..... (سیریز نمبر ۱۲۴ ص ۶)

موجودہ نظام انسانی راہنمائی کی اہلیت نہیں رکھتا۔ انسانی ہمدردی نہیں سکھاتا۔ اور اس نے ہمیں بے عمل اور بے ہمت بنا کر پھینک دیا ہے۔ لہذا ہمیں فکر و شعور پیدا کرنا ہے تاکہ ہم صحیح جماعت کی پہچان کر سکیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر آپ کامیابی چاہتے ہیں تو میرے بعد میری جماعت کی خوبیاں دیکھو ان پر عمل کرو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اسی لئے ہم آج شاہ ولی اللہ دہلوی کی جماعت کو پیش کرتے ہیں۔ آج پہلے فکر و شعور کی ضرورت ہے عمل بعد کی چیز ہے۔ اگر ہم فکری طور پر اہل حق سے جڑ گئے تو ہمارا ایمان اور نظریہ صحیح ہوگا۔ اور مفاد پرستی ختم ہوگی..... (سیریز نمبر ۱۱۱ ص ۹)

آج اس دور کے نوجوانوں کو قطعاً مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ان کے سامنے حضرت شاہ ولی اللہ کی ایسی مجاہدانہ اور بے مثال قربانیاں دینے والی، اور اصحابہ کا اسوہ رکھنے والی جماعت موجود ہے۔ جس کے عملی کارناموں کا تصور کر کے آج بھی بین الاقوامی طاقتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے.....

..... (سیریز نمبر ۱۱۹ ص ۷)

جماعت حقہ وہ ہے جو اپنا علمی و فکری اور روحانی تسلسل رکھتی ہو۔ ہم بحمد اللہ فخر

سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں وہ تسلسل حاصل ہے..... (ایضاً ص ۸)
 غور فرمائیے اور مولانا رائیپوری کی قائم کردہ کڑیوں کو جوڑیے۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے،
 یعنی جماعت حقہ سے مراد شاہ ولی اللہؒ کی جماعت ہے۔ اور اس جماعت سے عملی و فکری
 وابستگی تسلسل صرف فکری تحریک کو حاصل ہے۔ لہذا وہی اہل سنت والجماعت ہے۔

﴿چوتھی فکر فاسد﴾

ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور فکری تحریک

انسان کے بارہ میں قرآنی تصور یہی ہے کہ وہ انسان اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت
 سے پیدا کیا گیا۔ خوراک، لباس اور دیگر لوازمات بشریہ کے اعتبار سے اسے ابتداء سے
 ہی تہذیب کے زیور سے آراستہ کیا گیا۔ اس کے برعکس مشہور سائنسدان ڈارون کا انسان
 کے بارہ میں نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنی موجودہ صورت پر پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اس حیثیت
 سے اس کی تخلیق ہوئی، بلکہ وہ جرثومہ سے ارتقاء کی منازل طے کرتا، بندر اور پھر انسان کی
 شکل تک پہنچا، اس کی ابتدائی زندگی جانوروں کی طرح وحشیانہ اور غیر مہذب تھی۔ لباس،
 خوراک اور جنسی حوالہ سے وہ مکمل حیوانی زندگی رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ مہذب سماجی زندگی
 تک پہنچا۔ فکری حضرات انسان کے بارہ میں قرآنی نظریہ کو قبول کرنے کی بجائے
 ڈارون کے فرضی و خیالی تصور کو قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ سید مطلوب علی زیدی رقمطراز
 ہیں کہ

بعض محقق اہل قلم لکھتے ہیں کہ انسانیت کی ارتقاء کی اگلی منزل طبعی نہیں بلکہ نفسی
 اور ذہنی ہوگی۔ پہلے پہلے انسان ارتقاء کی منزلیں طے کر کے حیوانیت سے
 انسانیت کے مقام پر آیا۔ پھر اس نے صنعت و حرفت کی مدد سے اپنے آپ کو
 آلات و اسباب سے آراستہ کیا۔ ہمارے اس دور میں انسان نے صنعت و حرفت
 میں پورا کمال حاصل کر لیا ہے۔ اب اس کیلئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اس منزل
 سے آگے بڑھے اور جس طبعی ارتقاء نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ حیوان سے ترقی
 کر کے انسان کے درجہ میں قدم رکھے۔ پھر اسکی جبلی ضرورتوں نے اس سے

اوزار و آلات بنوائے۔ اور انسان مشین اور سٹیم کا خالق بنا۔ اسی طرح آج وہ مجبور ہے کہ اپنا قدم آگے بڑھائے۔ اس کا یہ قدم مادی نہیں، بلکہ نفسی اور چنی ترقی کی طرف ہوگا..... (شعور آگہی ص ۵۰)

انسان پر حیوانی زندگی کا یہ حادثہ کب اور کہاں گزرا؟ اس کی وضاحت تو زیدی صاحب ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ فکری حضرات انسان کے بارہ میں قرآن کے نظریہ تخلیق پر ایمان نہیں رکھتے، بلکہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر یقین رکھتے ہیں

﴿پانچویں فکر فاسد﴾

حضرت آدمؑ کا سفر بچپن تا جوانی!

جمہور اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جوانی و شعور ہی کی حالت میں ہوئی۔ اور ان سے بچپن سے بلوغت تک کا سفر طے نہیں کرایا گیا۔ لیکن فکری حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بچپن سے جوانی تک کا سفر طے کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

بالجملہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدائش کے بعد جب باغ میں رکھا گیا تو انواع و اقسام کے میوہ جات اور ہر قسم کی کوشی اور خرمی کے مہیا ہونے کے باعث نشوونما و پرورش پا کر جوانی کو پہنچ رہے تھے۔ اور ان میں خواہشات نفسانی کا پیدا ہونا ضروری امر تھا..... (المقام المحمود جلد اول ص ۲۲۹)

یہ تفسیر اصول اہل سنت سے کس قدر مطابقت رکھتی ہے، فی الوقت ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے سفر بچپن تا جوانی یہ تصور قرآن کی ظاہری تعلیمات کے خلاف ہے۔

شجر ممنوعہ سے مراد جنسی تعلق

پھر اس تصور کو مستحکم کرنے کیلئے ایک اور نظریہ قائم کیا گیا کہ شجر ممنوعہ سے مراد حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے درمیان جنسی تعلق ہے۔ چنانچہ فکری تفسیر میں لکھا ہے کہ اس لئے پہلی ہی تاکید کردی گئی تھی کہ دیکھو اس درخت یعنی زن و شو کے تعلقات

کو ناچھونا یعنی اس کی طرف مائل نہ ہونا۔ شیطان تو انسان کا دشمن چلاتا آتا تھا اور آدم کو دھوکہ دینے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۶ میں ہے۔ اس نے قسم کھا کر آدم و حوا ان کے حسن ہونے کا یقین دلانا شروع کیا جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰ میں مذکور ہے۔ شیطان نے قسم کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اگر تم زن و شو کے تعلقات قائم کرو گے تو تمہارا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ اور تمہاری سلطنت کو کبھی زوال نہ ہوگا۔ جس طرح شجر، نشوونما سے پھلتا، پھولتا ہے اسی طرح تمہاری نسل بھی قیامت تک پھلتی پھولتی رہے گی۔ شجر سے جو لوگ شجرہ نسب تعبیر کرتے ہیں اس میں بھی یہی راز مضمر ہے..... (المقام المحمود جلد اول ص ۲۲۹)

ہمیں اس تفسیر پر بھی فی الحال بحث نہیں کہ یہ اصول اہل سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ لیکن یہ واضح ہے کہ فکری تحریک کا یہ تصور پہلے تصور کے استحکام کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت آدمؑ کے سفر بچپن تا جوانی اور جوانی میں خواہشات نفسانیہ کے پیدا ہونے کا تذکرہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو خواہشات نفسانیہ کے غلبہ کے خوف کی بناء پر جنسی تعلق سے روکا گیا۔

جنت میں آدمؑ کی اولاد

پھر اس دوسرے تصور کو مستحکم کرنے کیلئے ایک تیسرا نظریہ قائم کیا گیا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے جنسی تعلق سے جنت کے اندر اولاد بھی پیدا ہوئی۔ چنانچہ فکری تفسیر میں لکھا ہے کہ

جمیعاً سے مراد ہے آدم علیہ السلام اور اس کی زوجہ، اور اس کی اولاد جو جنت میں پیدا ہوئی..... (المقام المحمود جلد اول ص ۲۳۲)

یہ تفسیر بھی جمہور اہل سنت کے خلاف ہے لیکن فی الوقت ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ فکری تحریک کے ان تدریجی افکار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سارے تصورات ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی بنیاد پر قائم کئے گئے ہیں۔

﴿ چھٹی فکر فاسد ﴾

وحدتِ انسانیت

فکری تحریک، ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر اس قدر پختہ یقین رکھتی ہے کہ وہ اپنے پروگرام کے اندر وحدتِ انسانیت کو خاص اہمیت دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وحدتِ انسانیت حکمِ خداوندی بھی ہے۔ اور دعوتِ پیغمبر بھی۔ لیکن فکری تحریک اس وحدتِ انسانیت کی بنیاد جن دو چیزوں پر رکھتی ہے، وہ ناکہمِ خداوندی کا منشاء ہے اور نہ دعوتِ پیغمبر کا مقصود۔ فکری تحریک خدا پرستی اور انسان دوستی کی بنیاد پر وحدتِ انسانیت کا تصور دیتی ہے۔ چنانچہ فکری تحریک کے ترجمان و رہنماء سید مطلوب علی زیدی فرماتے ہیں کہ

ہمارے خیال میں یہ تصور کل بنی نوعِ انسان کو موجودہ خلفشار سے نکال سکتا ہے۔ ہر قوم کے عقل مند طبقوں کا رجحان اب اس طرف ہو رہا ہے، اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے اپنے فکری نظاموں کو عالمگیر انسانیت کا ترجمان بنا کر پیش کریں۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ دینِ جو صحیح معنوں ساری انسانیت کا دین تھا اور وہ کتاب جو کل نوعِ انسانی کی ہدایت کی علبردار تھی اور وہ ملت جس نے سب قوموں کو ایک بنایا اور جس کا تمدن ساری انسانیت کی باقیاتِ صالحات کا مرقع تھا۔ وہ دین، وہ کتاب اور وہ ملت اور اس کا تمدن ایک فرقہ کی جاگیر بن گیا ہے۔ اور وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ وسعت پذیر دور میں جس میں کے کرہ زمین کی سب دوریاں سکڑ گئی ہیں۔ ملکوں، قوموں اور براعظموں کی سرحدیں سمٹتی جا رہی ہیں۔ ریل، جہاز، طیاروں اور ریڈیو نے سب انسانوں کو اپنی کہنے اور دوسروں کی سننے کیلئے ایک انسانی برادری میں بدل دیا ہے۔ اس زمانے میں ایسی تعلیم کو جو صحیح معنوں میں عالمگیر اور انسانی تھی ایک گروہ اور جماعت میں محدود کر دینا کتنا بڑا ظلم ہے۔ معلوم نہیں مسلمان اسلام کو کب سمجھیں گے؟ اور قرآن کے اصل پیغام کو کب اپنائیں گے..... (شعور و آگہی ص ۱۹)

اپنے اس موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے زیدی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ساری آسمانی کتابیں دراصل وحدتِ انسانیت کی ترجمان ہیں،

اور حقیقت شناس حکیم بھی اسی فکر کے مفسر تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ ان کے متبعین نے اپنی الگ الگ ٹولیاں بنالیں اور اپنی ٹولی کی بات کو وہ ساری انسانیت کا مدعا بنا بیٹھے۔ ہر قوم کا دعویٰ ہے کہ ہمارا نبی آخری ہے اور ہمارا دین سب سے سچا دین ہے۔ ہر قوم اس کے ثبوت میں دلیلیں دیتی ہے برہان و منطق کے زور سے اپنی بات منوانے پر اصرار کرتی ہے۔ دوسروں کی کتابوں میں مین میخ (نقص) نکالتی ہے۔ اور ان کی کتابوں پر اعتراضات ہوں ان کی صفائی پیش کرتی ہے۔ کیا ایک حقیقت کا جو یا (متلاشی) اس صورت حال سے پریشان نہیں ہو جاتا ہے۔ آخر یہ کیسے پتہ چلے کہ اصل ہدایت کہاں ہے اور حق کیا ہے..... (ایضاً ص ۲۰)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے تمام انسانوں میں ایک وحدت فکری ہے اور ان میں یہی ایک نقطہ اشتراک ہے۔ جس سے ادیان، اجناس اور اقوام کے اختلافات گم ہو سکتے ہیں۔ نیز قرآن اور دوسری الہی کتابیں اسی وحدت فکری کی ترجمان ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب نے اپنی ایک ملت (جماعتی تنظیم) بنائی۔ اور اس ملت کو اپنے لئے شریعت یعنی قانون بنانے کی ضرورت پڑی۔ ایک ملت نے ایک وضع اختیار کی اور دوسری ملت نے دوسری وضع۔ ایک کی شریعت کچھ اور تھی، اور دوسری کی کچھ اور..... (ایضاً ص ۲۱)

ہمارے صوفیائے کرام نے تو خدا پرستی کی اس عملی شکل یعنی انسان دوستی کو اصل دین قرار دیا تھا۔ ان کا تو یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ جسے صرف اپنے گروہ اور جماعت سے محبت ہے اور وہ دوسرے کو جو اس کے ہم عقیدہ نہیں نفرت سے دیکھتا ہے، وہ سچا موجد اور خدا پرست نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی تعلیمات میں ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ تمام انسانوں کو ”عیال اللہ“ سمجھو اور ان کا خود اپنا عمل بھی اس کا شاید تھا..... (ایضاً ص ۲۲)

﴿ چھٹی فکر فاسد ﴾

وحدتِ ادیان

فکری تحریک کی چھٹی فکر فاسد وحدتِ ادیان ہے وحدتِ انسانیت کی فکر کو

پروان چڑھانے کیلئے وحدتِ ادیان کا تصور قائم کیا گیا۔ اس وحدتِ ادیان کی بنیاد اگر قرآن پاک اور اس کی جملہ تعلیمات پر ہوتی تو اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہ تھا۔ لیکن بد قسمتی سے اس تصور کی بنیاد صرف ایمان باللہ پر قائم کی گئی۔ چنانچہ فکری تحریک کے ترجمان سید مطلوب علی زیدی فرماتے ہیں کہ

مختصراً قرآن کا مقصود اصلی انسانیت عامہ کا تذکیہ اور اس کا ارتقاء ہے۔ وہ تمام انسانیت کو اس بنیادی اصول و مقصد کی طرف لوٹانے آیا تھا، اس کا پیغام یہ تھا کہ سب انسان ایک ہے۔ رنگ و نسل اور قوم کا فرق حقیقی نہیں، دھڑے بندیاں اور گروہ بنانے کی طبقہ دار نہ ذہنیت غلط ہے۔ قرآن نے زندگی کے یہی عالمگیر اور ناقابلِ تغیر اصول پیش کئے ہیں۔ ان کو اگر غور سے سمجھ لیا جائے تو ذہن وحدتِ انسانیت کی صحیح روح کو پالیتا ہے..... اس لئے قرآن نے بار بار ایمان باللہ پر زور دیا ہے یعنی ایمان باللہ نصب العین ہے اور مساوات انصاف اور اخوت کے ذریعے انسانیت عامہ کی فلاح و بہبود اس نصب العین کو عمل میں لانے کا ذریعہ اور طریق۔ اگر نظر بصیرت سے دیکھا جائے تو ایمان باللہ کا عقیدہ انسانیت کیلئے ایک بلند اور اعلیٰ نصب العین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس دنیا میں اس سے ارفع تصور ممکن نہیں۔ اللہ کے تصور میں وحدتِ انسانیت اور وحدتِ کائنات سب آجاتے ہیں۔ اور ذہن کے سامنے لامحدود آفاق اور بے کنار وسعتیں واضح گف ہو جاتی ہے۔ اللہ کا صحیح تصور سب پنہائیوں کو اپنے اندر سمیت لیتا ہے۔ اور فکر انسانی کی کوئی بلندی اور وسعت نہیں جو اس تصور سے بلند تر اور وسیع تر سوچی جاسکے۔ (شعور و آگہی ص ۲۳)

﴿ ساتویں فکر فاسد ﴾

بین الاقوامی مساوات پر مبنی نظام!

فکری حضرات اپنی فکری دعوت کی بنیاد ”خدا پرستی اور انسان دوستی“ کے نشین تصور پر رکھتے ہیں۔ اسی فکر و فلسفہ کی بنیاد پر وہ وحدتِ ادیان اور وحدتِ انسانیت کا تصور قائم کرتے ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پر وہ مذہبی حد بندیوں سے آزاد ”بین الاقوامی مساوات

پر مبنی نظام“ کی سیکولر جدوجہد میں شامل ہیں۔ حالانکہ یہ تصور اور اس کیلئے جدوجہد امت مسلمہ کیلئے زہر قاتل ہے۔ کیونکہ اس تصور سے اسلامی نظام کی جامعیت و کاملیت اور عالمگیریت مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس سے یہ شکوک پیدا ہوتے ہیں کہ اسلام دیگر ادیان کے ساتھ وحدت قائم کئے بغیر عالمی امن و مساوات کیلئے تنہا کوئی بھی کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ جبکہ ہمارا نظریہ ہے کہ اسلام ایک ایسا دائمی و عالمگیر نظام ہے جو قیامت تک ہر دور اور ہر سوسائٹی کی ضرورت کا ضامن و کفیل ہے۔ جس میں نسلی، لسانی، معاشی اور مذہبی تمام معاشرتی طبقات کیلئے فرائض کی تعیین سے حقوق کے تحفظ تک ہر چیز کی مکمل ضمانت موجود ہے۔ جس کی موجودگی میں نہ صرف جدید قانون سازی کا تصور گمراہ کن ہے۔ بلکہ اس کے بغیر معاشرتی امن و اصلاح، عدالتی عدل و مساوات اور معاشرتی ترقی و خوش حالی ممکن ہی نہیں۔ لیکن بد قسمتی سے اشتراکیت سے مرعوب فکری حضرات اسلام کی جامعیت و عالمگیریت کی بجائے وحدت ادیان اور وحدت انسانیت کا گمراہ کن تصور دیتے ہیں۔ چنانچہ فکری تحریک کے مرکزی ناظم عمومی فرماتے ہیں کہ

یہ دور شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار کا دور ہے۔ اس دور میں حق اور حقوق کی بات ہوگی۔ اجتماعیت کا چرچا ہوگا۔ شعور و بصیرت کو ترویج ملے گی۔ وسعت نظری اور فکری بالیدگی کو فروغ حاصل ہوا۔ جمود اور رجعت پسندی کی تاریکی چھٹے گی۔ دنیائے انسانیت عذاب دنیا و آخرت کی بجائے حسنہ فی الدنیا اور حسنہ فی الآخرة کی منزل سے آشنا ہوگی۔ سرمایہ دارانہ تصور ملکیت اسلام کے تصور امانت سے شکست کھا جائیگا۔ سود سمیت استحصال کی تمام صورتوں کے انسداد پر مبنی اصول محنت کی بالادستی قائم ہوگی۔ عصری تقاضے دینی شعائر کی ترجمانی کریں گے۔ فرقہ واریت، گروہیت، طبقہ واریت اور نسل پرستی کی بجائے وحدت انسانیت کے تصور کو جلا ملے گی۔ اور صفات خداوندی کی جھلکیوں سے آراستہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔ انشاء اللہ..... (سیریز نمبر ۱۷۲ ص ۵)

فکری حضرات کے ہاں وحدت انسانیت کی بنیاد کیا ہے؟ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ صوبہ سندھ کے فکری تحریک کے تنظیمی سیمینار کی رپورٹ میں تحریر ہے کہ

وحدت انسانیت کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے مقررین نے کہا ہے کہ عقیدہ توحید و وحدت انسانیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اور یہی عقیدہ تمام مذاہب کا اصل اصول ہے۔ مقررین نے کہا کہ آج دنیا بھر میں گروہیت و انتشار ہے۔ اور اس کا سبب عالمی استعماری نظام اور سرمایہ داری سسٹم ہے۔ آج دنیائے انسانیت ایسے فکر کی متلاشی ہے جو انسانیت کو انتشار گروہیت سے نکال کر وحدت جیسی نعمت سے سرفراز کر سکے۔ مقررین نے کہا کہ اگر دنیا کو انتشار اور تباہی سے بچانا ہے تو اس کا ضامن صرف اسلام کا وحدت انسانیت کا نظریہ ہے۔ اور اسلام کا فکر دنیا کی وحدت کی کلید اور بنیاد بن سکتا ہے۔ خدا پرستی اور انسان دوستی کے عنوان پر روشنی ڈالتے ہوئے مقررین نے کہا کہ خدا پرستی کا لازمی نتیجہ انسان دوستی ہے۔ اور خدا پرست انسان پوری مخلوق کی بھلائی کا سوچتا ہے، خدا پرستی (یعنی ایمان باللہ) کا عقیدہ انسانی سوچ میں وسعت پیدا کرتا ہے، اور یہ عقیدہ اپنے ماننے والوں میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ انسانیت کو ظلم اور استحصا کے نظاموں سے آزادی دلا کر عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق کا معاشرہ قائم کریں۔ مقررین نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد کا مقصد انسانوں کو ظلم و جور کے نظاموں سے نجات دلا کر عدل و انصاف کے نظام کا قائم کرنا تھا۔ تاکہ انسانیت اپنے ارتقاء کی جانب گامزن ہو سکے..... (سیریز نمبر ۱۸۱ ص ۲۳)

غور فرمائیے کہ فکری حضرات صرف عقیدہ توحید کی بنیاد پر ”وحدت انسانیت“ قائم کرنے کے درپے ہیں۔ اور اس کیلئے وہ عقیدہ رسالت و ختم نبوت سے مکمل دستبرداری اختیار کر رہے ہیں۔ اور پھر وہ اس تصور کو اسلام اور قرآن کا تصور قرار دینے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ فکری حضرات جس فرمان الہی سے دھوکہ کھا گئے ہیں یا دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اس میں ان کے مزعومہ وحدت انسانیت کے تصور کا شائبہ تک موجود نہیں۔ قرآن پاک نے پیغمبر برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم (پ ۳، آل عمران ۶۴) کے الفاظ سے جو دعوت وحدت دی ہے، وہ دعوت رسالت کی طرف ایک پیش رفت ہے۔ نہ کہ دعوت

رسالت سے دستبرداری۔ وہ وحدت و اجتماعیت کا ایک جزوی اور عارضی نکتہ ہے نہ کہ کلی و مستقل اصول۔ چنانچہ شیخ التفسیر امام احمد علی لاہوریؒ اس آیت کے تحت حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ

آؤ اس بات پر اتفاق کر لیں تاکہ توحید کا مسئلہ صاف ہو جائے۔ (حواشی ص ۸۶)

یعنی رسالت و شریعت محمدیہؐ کے اختلافی افکار و مسائل پر بحث کرنے سے قبل اس نکتہ وحدت کو طے کر لیا جائے جو عقیدہ توحید کے عنوان سے تمام انبیاء کرامؑ کی تعلیمات میں مشترک ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحدت ادیان کا یہ قرآنی تصور اسلامی نظام و افکار سے دستبرداری کیلئے نہیں، جبکہ فکری حضرات اپنے وحدت انسانیت اور وحدت ادیان کے تصور کو بنیادی و دائمی تصور قرار دیتے ہوئے اسلامی قانون کے نفاذ کیلئے منظم و مؤثر جدوجہد کرنے کی بجائے مساویانہ انسانی حقوق کی بنیاد پر ایک جدید بین الاقوامی قانون سازی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عالمی قانون ساز ادارے، بین الاقوامی سیاسی قوتیں، اور انٹرنیشنل ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا) مکمل طور پر اسلام دشمنوں کے قبضہ میں ہیں۔

فکری تحریک کے اس طرز عمل اور جدوجہد سے یہ شبہ یقینی حد تک پیدا ہو چکا ہے کہ اس کے نزدیک نہ تو اسلامی نظام کے اندر تمام معاشرتی طبقات کے حقوق کی ضمانت موجود ہے، اور نہ وہ اپنے پاس معاشی و عدالتی انصاف کا کوئی مؤثر و قابل قدر پروگرام رکھتا ہے۔ فکری حضرات کے دستیاب لٹریچر میں تلاش بیسار کے باوجود بھی ہمیں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ یا اس کے لئے انکی عملی جدوجہد کے آثار کہیں نظر نہیں آئے، بلکہ ہر جگہ اس تحریک کے اکابر و اصغر کی طرف سے بین الاقوامی مساوات پر مبنی جدید قانون سازی کا مطالبہ و تقاضا ہی ملا ہے، چنانچہ ان کے ایک ترجمان شکیل احمد ساجد اس بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار بایں الفاظ فرماتے ہیں کہ

جب برطانوی سامراج کمزور ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک طاقتور سامراج امریکہ نے لے لی، تو پاکستان کے نظام کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ ہم بوڑھے سامراج

کے شکبجہ سے نکل کر ایک طاقتور اور جوان سامراج کے شکبجہ میں پھنس گئے۔ اور ۴۵ سال سے اس کی غلامی میں چلے آ رہے ہیں۔ اس سے آزادی کیلئے ملک عزیز کے دانشوروں اور فکر مند طبقہ کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ یہ آزادی ہمیں کیسے حاصل ہوگی۔ ضروری ہے باہمی تنازعہ اور فرقہ واریت کو چھوڑ کر ایک اجتماعیت پیدا کریں، جو خالصتاً انسانی بنیادوں پر ہو۔ ایسا نظام رائج کرنے کیلئے کوششیں کی جائیں جس کی بنیاد عدل پر ہو، جہاں کوئی بھی شخص خدا کے دیئے ہوئے رزق سے محروم نہ ہو..... (عزم سیریز نمبر ۱۲۱ ص ۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قیام پاکستان کے بعد ہمارے ملک کی برسر اقتدار سیاسی اور قوتوں کی غیر دانشمندانہ اور خود غرضانہ خارجہ پالیسیوں نے پاکستان کو امریکی سامراج کی تیار کردہ سیاسی و معاشی دلدل میں پھنسا کر رکھ دیا ہے، اور اب اس سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امریکی سامراج کی دلدل سے آزادی کیلئے خلافت اسلامیہ کے احیاء، نظام اسلامی کے نفاذ اور اس کے لئے عملی جدوجہد میں فکریوں کو آخر کیا حجاب ہے؟ وہ کھل کر اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ اور اس کیلئے جدوجہد کیوں اختیار نہیں کرتے؟ اور اس کے لئے خالص انسانی بنیادوں پر وحدت ادیان کے معجون مرکب کو کیوں ضروری خیال کرتے ہیں؟

فکری حضرات کے ہاں باہمی تنازعہ اور فرقہ واریت سے مراد صرف مسلمانوں کے اندرونی اختلافات نہیں، بلکہ انکے ہاں یہ اصطلاح وسیع تر مفہوم پر مبنی ہے۔ وہ صرف مسلمان کہلانے والے مکاتب فکر (سنی و شیعہ، دیوبندی، بریلوی وغیرہ) کے اختلافات و ذہنی تصادم کو ہی فرقہ واریت قرار نہیں دیتے۔ بلکہ غیر مسلم اقوام (عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ وغیرہ) کے ساتھ مسلمانوں کے اعتقادی اختلافات اور ذہنی تصادم کو بھی فرقہ واریت کا عنوان دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ قرآنی و نبوی بنیادوں کی بجائے انسانی بنیادوں پر اجتماعیت پیدا کرنے کی فکری جدوجہد میں مصروف ہیں، چنانچہ انکے ایک دوسرے ترجمان جناب سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

دنیا جو کئی براعظموں میں تقسیم ہے۔ اور ان میں سے ہر براعظم بے شمار اقوام و

ممالک میں بٹا ہوا ہے۔ اسی وقت صحیح معنوں میں امن و سکون کا گہوارہ ثابت ہو سکتی ہے، جب یہاں انسانوں پر ظلم و جور کا خاتمہ ہو اور بلا لحاظ رنگ و نسل، قوم و ملک یا ملت و مذہب ہر شخص آزادی و رواداری کی فضا میں سانس لے۔ اور جب تک رنگ و نسل یا قوم و ملک یا ملت و مذہب کی اساس پر ظلم و انصاف کے پیمانے بنائے جاتے رہیں گے۔ اس وقت تک دنیا کو کوئی خطہ اپنے باشندوں کیلئے خوشحالی کا گہوارہ ثابت نہ ہوگا۔ دنیا میں امن و آشتی اور خوشحالی کا دور اسی وقت شروع ہو سکتا ہے، جب یہاں ایسا نظام قائم ہو، جو تمام اقوام کے مسائل حل کرے۔ اور ان کے باہمی تنازعات کا عدل و انصاف کے حوالہ سے تصفیہ کرے۔ اور جس کی اساس اقوام و افراد کی باہمی مساوات ہو، نہ کہ طبقاتی، جغرافیائی، علاقائی حد بندیاں اس میں فیصلہ کن ہوں۔ (سیریز نمبر ۱۰۹ ص ۸)

یعنی بلا لحاظ رنگ و نسل اور بلا امتیاز ملت و مذہب، طبقاتی، جغرافیائی اور علاقائی حد بندیاں ختم کرنے کے ساتھ ساتھ جب تک مذہب سے بھی مکمل دستبرداری اختیار کرتے ہوئے اقوام و افراد کی باہمی مساوات پر مبنی قانون سازی نہ ہوگی، اس وقت تک نہ خوشحالی کا دور آ سکتا ہے، اور نہ دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ کیا یہ خالص سیکولرزم کی صدائے بازگشت نہیں؟ اور کیا اس کا صاف اور واضح مطلب یہ نہیں کہ عہد نبویؐ، عہد خلافت راشدہ اور خلافت اسلامیہ کے وہ ادوار جن میں اسلامی نظام اپنی اصلی حقیقی صورت میں نافذ العمل تھا، العیاذ باللہ تعالیٰ، امن و خوشحالی سے محروم تھے؟ اور ان ادوار میں دنیا امن و سکون کا گہوارہ نہ بن سکی؟ اور اگر اسلامی نظام نے دنیا کو امن و خوشحالی فراہم کی ہے۔ اور بلا شک و شبہ یقیناً کی ہے تو پھر اسے نظر انداز کر کے کسی نئی قانون سازی کا مطالبہ اور اشتراکیت سے ہمنوائی چہ معنی دارد؟ اس دہشت زدہ طرز فکر سے فکریوں کی ذہنی مرعوبیت اور فکری پسپائی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، فکریوں کے تیسرے ترجمان چوہدری عبدالرؤف صاحب فرماتے ہیں کہ

وسط ایشیاء کے بارہ میں لاعلمی! ایسے روحانی اور تاریخی سلسلہ سے پوری دنیا کے انسانوں اور مسلمانوں کو بالخصوص ایک منظم طریقہ سے سامراج نے علیحدہ رکھا۔

(یہاں یہ امر وضاحت طلب ہے کہ وہ سامراج امریکی ہے یا روسی؟ بشیر) ایک خالص معاشی نظام کے مقابلہ میں مذاہب کو لا کھڑا کر دیا، ایسے ممالک جہاں مذہب کے نام پر سرمایہ دارانہ ظلم کا نظام موجود ہے۔ معاشی فلسفہ کا حل تو صرف بہتر معاشی نظام سے ہی ممکن تھا، اس کے برعکس عام نظریہ اس دیا کہ ساری دنیا کے خدا کو ماننے والے لوگ ان کے خلاف جو خدا کو نہیں مانتے اکٹھے ہو جائی۔ (چوہدری صاحب بر ملا اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ روس والے خدا کو نہیں مانتے اور پھر عقیدہ توحید کی بنیاد پر وحدتِ انسانیت کا فکری تصور فلسفہ کہاں گیا؟ وہ فکر و فلسفہ روس کے خلاف استعمال نہیں ہو سکتا؟ بشیر) گویا بلا تعین ظالم، ڈاکو، بد معاش، انقلابی اور سچے مذہب والے سب ایک ہو جائیں، وہ بھی خدا کے نام پر، ایسا وقت آ گیا کہ پاپائے روم پوپ جان ظلم کی نمائندگی کرتے ہوئے مذاہب کے اتحاد کی بات کرتا ہے، اوپر سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ سوویت یونین میں اسلام کو خطرہ ہے۔ لہذا اس نظام سے بچو، تاکہ اس طرح سامراجی ظلم نظروں سے اوجھل رہے، سوویت معاشرے میں مسلمانوں کے کردار کو سامنے ہی نہیں آنے دیا گیا۔ (وہ کردار بچا ہی کیا تھا جو سامنے لایا جاسکتا؟ بشیر) اب جب پردہ اٹھا تو سب کو معلوم ہوا کہ وسط ایشیاء کی ریاستوں کے تمام صدور اور اہم لیڈر مسلمان ہیں۔ (اسی طرح کے مسلمان ہونگے۔ جس طرح کے آپ کے نزدیک جنرل ضیاء الحق شہید مرحوم، مسٹر نواز شریف، جنرل پرویز مشرف اور دیگر پاکستانی سیاستدان ہیں۔ بشیر) بلکہ سوویت سپریم میں مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے زیادہ نمائندگی تھی۔ (اب سوویت یونین کے اس احسانِ عظیم کے بارگراں سے سبکدوشی بھلا کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ بشیر) اس سارے جھوٹ اور پروپیگنڈہ کے بارہ میں روس مخالف میری برائے آپ اور الیگزینڈر بین سن گزن جو کہ شکاگو یونیورسٹی کے وزیٹنگ پروفیسر اور سنٹرل ایشیاء نیوز لیٹر کے ایڈیٹر ہیں، اپنی مشہور کتاب (THE ISLAMIC THREAT TO SOWET STATES) میں لکھتے ہیں کہ متعدد سروے جو سوویت یونین کے مسلم علاقوں میں کئی سالوں میں کئے گئے ہیں۔ ان کے مطابق روسی

مسلمانوں میں ملحدین کی تعداد ۲۰ فیصد کے قریب ہے۔ (ان بین فیصد مسلمانوں کے ملحدین یعنی منکر خدا و مذہب ہونے کے اسباب بھی اگرچہ ہداری صاحب بیان فرمادیتے تو ہم انکے ممنون ہوتے۔ بشیر) اس کے برعکس دوسرے روسیوں میں ملحدین کی تعداد ۸۰ فیصد ہے۔ (معلوم ہوا مسلمان بڑی سخت جان قوم ہے۔ پون صدی سے زائد عرصہ تک ملحدانہ آمریت کے نزعہ میں رہنے اور قرآن مقدس سمیت اپنی تمام دینی کتب سے محروم رہنے کے باوجود اپنے سینہ میں اسلام کی شمع روشن رکھنا انہی کا کمال ہے، بشیر) جن ۲۰ فیصد مسلمان روسیوں کو سرکاری طور پر ملحدوں کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے، ان میں اکثریت تین مذہبی رسوم ضرور ادا کرتی ہے۔ ایک ختنہ..... دوئم اسلامی نکاح،... اور سوم مسلمانوں کے قبرستان میں اسلامی تدفین (اسلامی قبرستان میں ملحدوں کی تدفین سے ہی وہاں کے مسلمانوں کی بے بسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بشیر) تمام حالیہ جائزوں کے مطابق یہ رسوم ۹۵ تا ۹۹ فیصد مسلم آبادی ادا کرتی ہے، (اور مسلمان پھر بھی اتنے بے مروت و احسان فراموش ہیں کہ کمیونسٹوں کی حکمرانی گوارا نہیں کرتے، حالانکہ انہیں قرآن رکھنے کی اجازت نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے، مردے دفنانے کی اجازت تو ہے۔ اسلامی پردہ کی اجازت نہ بھی ہو، اسلامی نکاح کی تو اجازت ہے۔ یہ سر پھرے پھر بھی سوویت یونین اور روس سے علیحدگی چاہتے ہیں۔ شہدے کہیں گے۔ بشیر) مسلم ترقی یافتہ وسط ایشیاء آخر وہ کوئی طاقت ہے، جس سے سوویت یونین مس مسلمان ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ اپنا اسلام اور ایمان محفوظ کئے ہوئے تھے۔ (صرف سوویت یونین کی اسلام پسندی، بشیر) دراصل تیسری دنیا کے نام نہاد اسلام کے ٹھیکیدار ممالک میں تو جہالت (کی وجہ سے) ترقی نہ ہو سکی تھی (جبکہ) وسط ایشیاء کی جمہوریاؤں کے مسلمانوں کو محنت کے فلسفہ کے مطابق تعلیم سو فیصد ملی۔ اور وہ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل ہو گئے۔ (اگرچہ ہداری صاحب کی طبع نازک پہ گراں نہ گزرے تو کیا وہ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی فہرست میں کہیں وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں کا نام دکھا سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو خود فریبی میں مبتلا ہو کر

دوسروں کو دھوکہ میں مبتلا کرنے کا فائدہ؟ کون نہیں جانتا کہ وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں کے معدنی ذخائر اور زرعی پیداوار کے ذریعہ سوویت یونین کی کیمونسٹ حکومت نے اپنا معاشی و دفاعی نظام مستحکم کر کے خطہ پر اپنا سیاسی تسلط قائم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام کی فہرست میں ان مسلم ریاستوں کا نہیں سوویت یونین کا ہی نام ملتا ہے۔ اور آزادی کے بعد بھی وہ اپنے کٹھ پتلی حکمرانوں کی وجہ سے مسلم ریاستیں کہلانے کا حوصلہ نہیں رکھتیں۔ (بشیر) وہ خواہ مخواہ رجعت پسندانہ (یورپین اور امریکی میڈیا سے قدامت پسندی اور بنیاد پرستی قرار دیتا ہے۔ بشیر) کردار ادا کرتے تو آج ہماری طرح جاہل رہتے (حیرت ہے آپ ابھی جاہل ہیں۔ بشیر) باقی رہا مسئلہ اسلام پر عمل کرنے کا۔ اسلام تو دعوت ہی محنت کی عظمت، ترقی اور انسانی خدمت کی دیتا ہے۔ (قرآن، سنت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، حدود اللہ، شعائر اللہ، دعوت جہاد، یہ تو سب مولویوں کا پروپیگنڈہ ہے۔ ان کو اسلام سے بھلا کیا واسطہ؟ بشیر) وسط ایشیاء جہاں اسلام کی آبیاری ہوئی ہو۔ اور اس سے ملک گیر حلقے موجود ہوں، وہاں بھلا اسلام کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟ (جب تک یہ سب کچھ موجود تھا، اسلام کو واقعی کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا کچھ بگاڑنے کیلئے پہلے بزرگان دین کے علمی اور اہل تصوف کے روحانی حلقے ہی ختم کئے گئے۔ چوہدری صاحب موصوف پون صدی پہلے کے ان حلقوں کو ہی نہ دیکھیں۔ اس پون صدی کے دوران ان حلقوں کے ساتھ ہونے والے وحشیانہ سلوک اور ان پر توڑنے جانے والے درندگی کے ہولناک مناظر پر بھی نظر ڈالیں۔ پھر فیصلہ کریں کہ ان حلقوں کے ختم ہونے کے بعد وسط ایشیاء میں اسلام کا بچا ہی کیا تھا؟ پاکستان سے وزٹ ویزوں پر ان ریاستوں میں جاے والی پہلی تبلیغی جماعت کی کارکردگی رپورٹ ہمارے سامنے ہے، جب وہاں انہوں نے ہونٹوں میں رہتے ہوئے اپنی خفیہ دعوت شروع کی تو وہاں کا مسلمان اپنی آسمانی کتاب ”قرآن پاک“ کی صورت تک دیکھنے کو بے چین تھا، جس پر سوویت یونین نے باقاعدہ پابندی عائد کر رکھی تھی۔ کیا چوہدری صاحب اس ناقابل تردید حقیقت کو جھٹلا سکیں گے کہ سوویت یونین کی کیمونسٹ

قیادت نے اشاعتِ قرآن، تلاوتِ قرآن، تعلیمِ حدیث و فقہ اور نماز، روزہ، حج وغیرہ عبادات پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ اور وہاں کے مسلمان ایک طویل مدت تک ان نعمتوں سے محروم رہے۔ پھر آخر وہ مسلمانوں کی کس ترقی سے دوسروں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں فہمِ سلیم سے نوازے آمین، بشیر) تاریخی طور پر سامراجیوں نے ہمیشہ نام نہاد مذہبی لیڈروں کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا۔ لہذا اسے چودھویں صدی کے نام نہاد مذہبی لیڈروں سے کوئی خطرہ نہیں ہے، وہ تو صوفی علماء حق سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ ایسے صوفی اسلام کے مجاہد پیدا کرتے ہیں۔ اور دینی نظریہ کو انسانی خدمت کے حوالہ سے منتقل کرتے ہیں۔ جہاں طبقات کی نفی ہوتی ہے، سب انسانوں کو مساوی سمجھا جاتا ہے، اور سرمایہ داری کو حرام قرار دیا جاتا ہے، حقائق کی روشنی میں اسلام وسط ایشیاء میں انہی صوفیاء کرام کی وجہ سے محفوظ رہا، کیونکہ اسلام میں طاقت کا استعمال نظامِ عدل کے قیام کیلئے ہے، عقیدہ تبدیل کرانے کیلئے۔ اسلام کی اس حکمت پر کوئی قانون یا نظام پابندی عائد نہیں کر سکتا۔ یہ فطرت ہے (سیریز نمبر ۱۱۴ ص ۲۴ تا ۲۶)

اس طویل اقتباس میں وسط ایشیائی ریاستوں کے بارہ میں چوہدری صاحب کی طرف سے سوویت یونین اور اس کی کیمونسٹ قیادت کی وکالت ہمارا موضوع بحث نہیں۔ اس کے بارہ میں فکری ذہن کا اندازہ قارئین کرام خود کر لیں۔ البتہ اقتباس کے آخری پیرا گراف پر غور فرمائیے کہ فکریوں کے نزدیک اسلامی نظام کے احیاء و نفاذ کی جدوجہد کرنے والے، اور جہاد و قتال کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرانے والے، اشتراکیت کے دشمن علماء حق تو نا منہاد مذہبی راہنما اور سامراجیت کے ایجنٹ ٹھہرے اور اسلامی نظام کے احیاء و نفاذ سے دستبرداری اور جہاد فی سبیل اللہ کی عملی جدوجہد سے کنارہ کشی اختیار کر کے سیکولرازم اشتراکیت کے زیر اثر انسانی مساوات کی بنیاد پر فکری خدمات سرانجام دینے والے حضرات صوفی علماء حق اور مجاہد قرار پا گئے۔ حالانکہ جن اربابِ تصوف و طریقت کی مجالس اور زکری و فکری حلقوں کی چوہدری صاحب مثال دے رہے ہیں وہ حقیقتاً مجاہد تھے۔ وہ صرف خانقاہی زندگی کے لوگ نہ

تھے بلکہ میدان کارزار کے شہوار بھی تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اگر مجاہد نہ ہوتے تو سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت نہ دیتے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اگر مجاہد نہ ہوتے تو مرہٹوں کی قوت ختم کرنے کیلئے افغانستان کے احمد شاہ ابدالیؒ کی عسکری خدمات حاصل نہ کرتے۔ ان اولیاء امت کی خدمات کو جہاد سے الگ کرنا ایک بہت بڑی اشتراکی سازش ہے۔ دراصل فکری حضرات اپنی اس فکر فاسد کے ذریعہ ایک ایسے نظام کے متلاشی ہیں جو ”پرویز اور پروین“ کا مجموعہ ہو۔ جو ایسا معجون مرکب ہو جس میں یہود و ہنود، اور مجوس و نصاریٰ جیسے مذاہب باطلہ کو انکے تمام تر کفریہ عقائد کے باوجود ملت اسلامیہ کے خالص و حقیقی نظام کے ساتھ وحدت و یکجہتی کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ اب آپ اپنے گرد و نواح کے مختلف نظاموں پر نگاہ ڈالئے تو اشتراکیت کے سوا کون سا ایسا نظام ہے جو یہ مقاصد پورے کرتا ہو؟ اور اسی مقام تک قوم کو لانا فکریوں کی شعوری جدوجہد کا پروگرام ہے۔

﴿ آٹھویں فکر فاسد ﴾

صرف سیرت خاتم الانبیاءؐ نا کافی ہے!

بین الاقوامی مساوات پر مبنی نظام کے مطالبہ کا بنیادی سبب یہ ہے کہ فکری حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اجتماعی زندگی کیلئے نا کافی سمجھتے ہیں۔ اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر عمل کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ اور سیرتیں غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے قیامت تک کی پوری انسانیت کی فلاح دنیوی اور نجات اخروی صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی پر موقوف ہے۔ اور قرآن پاک کے بعد سیرت پیغمبرؐ ہی اسلامی قانون سازی کیلئے بنیادی اتھارٹی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے فکری حضرات اپنے اشتراکیت سے متاثر سیکولر ذہن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کو نا کافی قرار دیتے ہوئے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں کا مطالعہ بھی ضروری سمجھتے

ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک معروف ترجمان جناب مقصود الحسن صاحب فرماتے ہیں کہ تمام رسولوں پر ایمان لانے کی اہمیت! یہ اجتماعیت اور اجتماعی فکری ہی کا اثر ہے کہ مولانا سندھیؒ سورہ بقرہ کی آیت (ہم اسکے رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے) کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء پر ایمان لائیں۔ ان انبیاء میں ایک فرد اکمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرنا اب صرف کافی نہیں..... (سیرت نمبر ۱۱ ص ۱۱)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ناکافی ہونے کا جملہ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود حضرت سندھیؒ کی طرف منسوب کسی تحریر سے نہیں مل سکا۔ البتہ ”تفسیر المقام المحمود“ کے بعض مقامات سے شبہ ہوتا ہے کہ حضرت سندھیؒ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ مثلاً اس میں لکھا ہے کہ لانفرق! پہلی امتوں کی ہدایت کیلئے جس قدر انبیاء آئے ہیں۔ ان میں سے کسی میں ہم امتیاز نہیں کرتے۔ یعنی سب رسولوں کو ایک درجہ پر مانتے ہیں۔ اس طرح تمام قومیں اس کام میں شامل ہو جائیں گی۔ اور اسلامی تحریک ایک بڑی شاندار بین الاقوامی تحریک ہو جائے گی..... (جلد اول ص ۲۲۸)

فان تولوا! یعنی اسی مشترکہ بات پر متحد نہیں ہوئے، فقولو۔ تو تم کہو، ہم عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہیں۔ ان کی تعلیم پر بھی عمل کرتے ہیں..... (ایضاً ص ۴۷۶)

ان دو اقتباسات سے پہلا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سندھیؒ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بلا تفریق مراتب ایک ہی درجہ پر مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ حضرت سندھیؒ آیت تلک الرسول فصلنا بعضہم علی بعض کے تحت فرماتے ہیں کہ اس میں یہ اصول بتلایا کہ کچھ بنی مراتب میں دوسرے انبیاء سے افضل ہیں۔ اس میں درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا تذکرہ ہے.... (ایضاً ص ۴۰۱)

ان میں دوسرا شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سندھیؒ دیگر انبیاء کرام بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی پیروی کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ جیسا کہ حضرت سندھیؒ کے دوسرے شاگرد علامہ موسیٰ جار اللہ اپنی تفسیر ”الہام الرحمن“

میں حضرت سندھیؒ کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں کہ

پس اس دین کی تجدید جسے مسیح علیہ السلام لیکر آیا تھا، احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ ہوئی تھی۔ پس بنی اسماعیل سے ایک نبی آگیا ہے۔ لہذا یہ تجدید ملت ابراہیم پر ہو سکتی ہے، کیونکہ اس بنی کا نسب بنی اسرائیل کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتا مگر موسیٰ کے بعد۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کا تعارف کرایا گیا۔ اور اجتماع منسوب نہیں ہو سکتا مگر اسماعیل اور اسحاق کے درمیان ابراہیم تک۔ کیونکہ ملت ابراہیمیہ پہلی زندگی میں یوسف علیہ السلام کے زمانہ تک چاروں اماموں یعنی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب کے جامع طریقہ پر تھی۔ یہی ملت حنیفیہ ہے۔ بنی اسماعیل میں اس بنی کے آنے کے بعد سوائے اس ملت کے اور کسی طریقہ کی طرف دعوت نہیں ہو سکتی۔ پس (یہی) جمیع انسانیت کو شامل ہوگی۔ اور مرکز وہی چارائے ہیں..... (تفسیر الہام الرحمن جلد اول ص ۲۴۸)

حضرت سندھیؒ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بنی اسرائیلی انبیاء کی تعلیمات کی طرف دعوت کا تصور ہی نہیں اب ملت تو ابراہیمی ہوگی۔ البتہ تعلیمات و طریقہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہوگا۔ اور ملت ابراہیمی کا مطلب یہ ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق کی جائے۔ اور قرآن پاک میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعوتی اصولوں کو بنیاد بنایا جائے۔

یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ ایمان بالرسول قرآن حکیم کا حکم قطعی ہے۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بلا تفریق ایمان لانا ضروری ہے، لیکن ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے کی دعوت دینا صرف اشتراکی اور سیکولر ذہن کی پیداوار ہے..... اولاً..... اس لئے کہ جب انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعتیں اور ان کی اتباع کا حکم ہی منسوخ ہو چکا، بلکہ ان پر نازل ہونے والی کتب سماویہ کی تلاوت تک ممنوع قرار پا چکی۔ (جیسا کہ اوراق تورات کی تلاوت کرنے پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا) تو پھر ان کی

سیرتوں اور تعلیمات پر غور کرنے کا مقصد ہی کیا باقی رہ جاتا ہے؟..... وثانیاً... اس لئے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں اور تعلیمات کا قابل اعتماداً خذ کونسا ہوگا؟ کیونکہ جب قرآنی و نبوی تعلیمات کے مطابق قرآن پاک سے پہلے کی کتب سماویہ محرف و مبدل ہو چکیں۔ اور انبیاء سابقین کے حالات و تعلیمات تحقیق و ریسرچ کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکیں تو مطالعہ کس چیز کا؟..... وثالثاً..... اس لئے کہ جب یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بیو تیں اور انکی تعلیمات صرف اپنی اپنی قوم کیلئے تھیں۔ دوسری اقوام کا ان سے تعلق و واسطہ ہی نہیں تو پھر ان تعلیمات کو بین الاقوامی اجتماعی نظام کا حصہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟..... و رابعاً..... اس لئے کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں اور تعلیمات کو اجتماعی زندگی کیلئے ضروری و ناگزیر قرار دینے سے سیرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامعیت و کاملیت مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہے، کیونکہ اسے سے صاف طور پر یہ تاثر ملتا ہے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کا نبوی نمونہ ادھورا اور نامکمل ہے، العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اجتماعی عملی زندگی کیلئے ناکافی قرار دینا تو ایک صریح ظلم اور کفر ہے، خدا تعالیٰ اپنی حفاظت و امان میں رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

﴿ نویں فکر فاسد ﴾

اسلام کی اثر آفرینی پیغمبر کی شخصیت میں نہیں!

فکری تحریک کے نزدیک صرف سیرت خاتم الانبیاء کیوں ناکافی ہے؟ اسکی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اسلامی تحریک کی وسعت و ترقی کیلئے اس کے فکر و فلسفہ کی قبولیت کی تاثیر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت میں نہیں، بلکہ قرآن میں ہے۔ چنانچہ فکری تحریک کے مرکزی راہنما سید مطلوب علی زیدی فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم ایک انقلاب آفرین نظام کی دعوت دیتا ہے، یہ انقلاب آفرین نظام بین الاقوامی ہے، اور ساری انسانیت پر محیط ہے۔ رہتی دنیا تک جب بھی مسلمانوں کی کوئی جماعت اس پر عمل کرے گی تو اس سے وہی نتائج پیدا ہوں گے

جو تاریخ اسلام کے دورِ اوّل میں دنیا نے دیکھے۔ یہ قرآن کی تاثیر ہے، محض کسی آدمی یا زمانہ کی تخصیص صحیح نہیں۔ مسیحی دنیا قرآن کی اس تاثیر کو عام نظروں سے اوجھل کرنے کیلئے برابر کوشاں رہتی ہے۔ مشہور عیسائی مؤرخ اور مصنف ”جرجی زیدان“ نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا نظام محض بخت و اتفاق کا نتیجہ تھا۔ یعنی عہد گذشتہ میں اسلام کے عظیم الشان انقلاب کا باعث قرآن کی تعلیمات نہ تھیں، بلکہ اتفاق سے چند افراد ایسے پیدا ہو گئے، جنہوں نے ایک بار ایسا کر دکھایا۔ لیکن یہ کہ ہمیشہ یوں ہو، غلط ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کے دورس انقلابی اثرات کو زائل کرنے کیلئے اور بھی حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ زمانہ حال میں مروجہ مجالس ہائے سیرت کا نظام اسی کا ایک خواب آور نشہ ہے، جو مسلم عوام کو پلایا جا رہا ہے۔ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے دماغوں میں یہ خیال جمالیں کہ اسلام کی تمام اثر آفرینی قرآن کی بجائے صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شخصیت میں مضمر ہے۔ اگر آئندہ بھی کوئی ایسی شخصیت بروئے کار آگئی تو ممکن ہے یہ اثر دوبارہ پیدا ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت انتظار مہدی میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہے..... (شعور آگہی ص ۶۱، ۶۲)

فکری تحریک کے مرکزی راہنما جناب زیدی صاحب کے اس طویل اقتباس کو بار بار ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ وہ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟ اگر وہ مروجہ مجالس ہائے میلاد کی بات کرتے تو یہ سمجھا جاسکتا تھا، کہ وہ بدعات کا رد کر رہے ہیں۔ لیکن وہ مجالس ہائے سیرت کی بات کرتے ہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ، اسوۂ حسنہ اور سنت مطہرہ سے امت کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ جہاں تک قرآن حکیم کی اثر آفرینی کا تعلق ہے تو اس سے کسی صاحب ایمان مسلمان کیلئے انکار کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ قرآنی تعلیمات کی اثر آفرینی کسی ظاہری عملی نمونہ کی متقاضی ہے۔ جب تک وہ عملی نمونہ سامنے نہ ہو اس وقت تک وہ اثر آفرینی ذہن و فکر کو جلاء تو بخش سکتی ہے، لیکن زندگی کے طرز و عمل میں

رواق و تبدیلی نہیں لاسکتی۔ خدا تعالیٰ نے لہذا کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کے الفاظ سے قرآن کی اسی اثر آفرینی کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اثر آفرین شخصیت کو قرار دیا ہے۔ اور آپؐ کے واسطے سے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شخصیات ہیں۔ جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بایں الفاظ اشارہ فرمایا۔ علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ یعنی اس فرمان نبویؐ میں قیامت تک کی نسل انسانی کو اسلام کے قرن اوّل کی انتہاء درجہ کی اثر آفرین شخصیات کی اتباع سنت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قرآن کی اثر آفرینی اگر اس مفہوم اور مقصود کا نام ہے جو قدرت کی طرف سے انسانی ہدایت کیلئے متعین کیا گیا ہے۔ تو پھر قرآن کی اثر آفرینی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت کی اثر آفرینی میں آخر کیا فرق ہے۔ کیونکہ قرآن اسی شخصیت کو اپنا عملی نمونہ قرار دے رہا ہے۔

معلوم نہیں مسیحی مصنف و مؤرخ ”جرجی زیدان“ اپنے مذکورہ نکتہ نظر سے کیا ثابت کرنا چاہتا ہے؟ کیونکہ پوری مسیحی دنیا جہاں قرآن حکیم کے فکر و فلسفہ کی اثر آفرینی کو تسلیم کرتی ہے، وہاں پیغمبرؐ اسلام اور خلفاء راشدینؓ کی شخصیات کا برملا اعتراف کرنے سے بھی انکاری نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ فکری قیادت شخصیت پیغمبرؐ اور جماعت صحابہؓ و خلفاء راشدینؓ کی اثر آفرینی کا انکار کر کے اس فکر فاسد کی نشوونما کر رہی ہے، جس میں قرآن پاک کو بغیر عملی نمونہ کے بازیچہ اطفال بنانے کی مہم جاری ہے۔ اور ظاہر ہے جب پیغمبرؐ کی شخصیت اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات کو درمیان میں سے نکال دیا جائے گا تو قرآن کی تعبیر و تشریح ایک کھلونہ بن کر رہ جائے گی۔ جو چاہے گا قرآن کے جس حکم و فرمان کی جو تعبیر چاہے کر لے گا۔ اور اس سے فکری قیادت کا یہ نکتہ نظر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلامی نظام اور قرآنی تعلیمات کی اشاعت و تنفیذ کیلئے سنت رسولؐ کی اہمیت و ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اور پھر فکری تحریک کا یہ تصور کہ ایسی آئیڈیل شخصیات جو کردار و عمل کے حوالہ سے صحابہؓ کا نمونہ پیش کر سکیں کا پیدا ہونا اب ممکن نہیں۔ ہمارے لئے ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ جب اسلام اور قرآن قیامت تک کیلئے

ہیں، اور صحابہ کرامؓ کو قیامت کیلئے معیار حق و صداقت بنایا گیا ہے۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ان کے نمونے پر اسلامی شخصیات کی پیداوار رک گئی ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی دور کے اندر حالات کی سختی اور کفر و فسق کے شدید ترین غلبہ کی وجہ سے ایسی شخصیات سیاسی غلبہ حاصل نہ کر سکیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ ایسی شخصیات سرے سے موجود ہی نہ ہوں۔ اور اس تصور کے ذریعہ فکری قیادت کی طرف سے عقیدہ ظہور مہدی سے پبلک کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرنا اور بھی افسوسناک ہے۔

﴿ دسویں فکر فاسد ﴾

قرآن کا مقصد اصل مذاہب کی تقلید نہیں۔

﴿ گیارہویں فکر فاسد ﴾

غلبہ اسلام سے کفر کا خاتمہ مراد نہیں!

فکری حضرات پر فرسودہ ماضی سے بیزاری اور وحدت ادیان و انسان دوستی کا بھوت اس حد تک سوار ہے کہ وہ اس قرآنی و نبوی تعلیمات کے غلبہ کو اسلام سے متعلق حقیقی و مقصودی مفہوم کو بھی اپنی اشتراکی فکر کی بھیٹ چڑھانے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک ترجمان شکیل احمد ساجد لکھتے ہیں کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے اس عالمگیر انقلاب کے داعی تھے کہ نظام ظلم ختم ہو اور دنیاۓ انسانیت امن و چین کی زندگی بسر کرے۔ اور دین اسلام کو تمام باطل نظاموں پر غالب کر دیا جائے۔ لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ غلبہ دین کا مقصد دوسرے تمام ادیان کا خاتمہ نہیں، قرآن کا مقصود اصلی، سب دینوں سے اصلی، سب دینوں سے اعلیٰ، یعنی سب فکر و سب فکروں سے بلند تر یا سب سے بلند بین الاقوامی نظریہ جو زیادہ سے زیادہ انسانیت پر جامع ہو پیش کرنا اور اس پر عمل کرانا ہے یہ دین دوسرے ادیان کو مٹانے نہیں آیا۔ یہ سب ادیان کی بنیادی صداقتوں کو تسلیم کرتا ہے اور سب قوموں کے وجود کو مانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خلافت راشدہ کے دور میں اس کو ایک درجہ تک عالمگیر بنا دیتے

ہیں۔ یعنی اس انقلابی حکومت کا دائرہ اتنا وسیع کر دیتے ہیں کہ دیا کی ساری رجعت پسند حکومتیں جمع ہو کر بھی اس انقلابی حکومت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں۔ قرآن کا یہ انقلاب ختم نہیں ہوا، بلکہ ہمیشہ برسرِ پیکار رہے گا..... (سیرِ نمبر ۱۱۵ ص ۸)

فکری تحریک کے مرکزی راہنما (جن کا شمار تحریک کے بانیوں میں ہوتا ہے) مولانا سید مطلوب علی زیدی فرماتے ہیں کہ

قرآن کے اصولوں پر اس دنیا میں خالص انسانیت کا قیام ہمارا عقیدہ ہے۔ ہمارے نزدیک خالص اور بے میل انسانیت ہی فطرت اللہ کی محافظ ہے۔ اور سچا دین اگر ہے تو یہی ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا لب لباب قرآن مجید کی آیت ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہر علی الذین کلمہ ولو کرہ المشرکون ہے۔ قرآن کا مقصود اصلی سب دینوں سے اعلیٰ دین، یعنی سب فکروں سے بلند تر فکر یا سب سے بلند بین الاقوامی نظریہ جو زیادہ سے زیادہ انسانیت پر جامع ہو پیش کرنا اور اس پر عمل کرانا ہے۔ یہ دین دوسرے ادیان کو مٹانے نہیں آیا۔ یہ سب ادیان کی بنیادی صداقتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ اور سب قوموں کے وجود کو مانتا ہے (افکار ولی اللہی، شعور آگہی ص ۲۹).....

یہاں فکری حضرات نے دو بنیادی ٹھوکریں کھائی ہیں... پہلی یہ کہ فکری حضرات جب سیکولر ازم کے حوالہ سے ادیان کی بات کرتے ہیں تو وہ آسمانی تعلیمات اور زمینی تحقیقات و توہمات پر مبنی مذاہب کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔ بلکہ سب کو ایک ہی درجہ پر رکھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک نے دونوں قسم کے مذاہب کے درمیان واضح فرق بیان کیا ہے، اور آسمانی مذاہب کی بنیادی صداقتوں کو نہ صرف تسلیم کیا ہے، بلکہ امت مسلمہ کو ان کے تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جبکہ انسان کی ذہنی تحریکات و توہمات پر مبنی مذاہب کی کسی صداقت کو قرآن نے کبھی بھی تسلیم نہیں کیا..... دوسری! یہ کہ قرآن پاک آسمانی تعلیمات پر مبنی ادیان کی بنیادی صداقتوں کو تسلیم ضرور کرتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ ان کے محرف و مبدل اور منسوخ و معطل ہونے کا صاف اعلان بھی کرتا ہے۔ گویا ان کی

بنیادی صداقتیں تسلیم ہونے کے باوجود عملی اعتبار سے ناقابل عمل ہیں۔

باقی جہاں تک مقہور و مجبور کی حیثیت سے اسلام کا سیاسی غلبہ قبول کر لینے والی غیر مسلم اقوام کا وجود ماننے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ غلبہ اسلام کے تحت دیگر ادیان کا خاتمہ اسلام کے پروگرام میں شامل نہیں، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی غلبہ اسلام کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بجز اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے، وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا، جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے باطل صفحہ ہستی سے محو کر دے۔ یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قرب قیامت کے ہونے والا ہے..... (تفسیر عثمانی)

یعنی غلبہ اسلام (جو قدرت خداوندی اور حکمت الہیہ کا ایک اہل فیصلہ ہے) کے تین مفہوم ہیں.....

(۱) فکری غلبہ! پہلا اسلام کا فکری غلبہ ہے۔ یعنی دلائل و براہین کے میدان میں اسلام ناقابل شکست ہے، ابتداء اسلام سے لیکر عصر حاضر تک اس میدان میں مسلمانوں نے کبھی کسی باطل سے شکست نہیں کھائی۔ اور اسلام کا یہ غلبہ ہر دور میں مسلم رہا ہے.....

(۲) سیاسی غلبہ! دوسرا اسلام کا سیاسی غلبہ ہے۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ دنیا کے مختلف علاقوں اور خطوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں جو اسلامی حکومت قائم ہو۔ غیر مسلموں کی طرف سے اس اسلامی حکومت کو تسلیم کر لینا۔ خواہ غیر مسلم افراد جزیہ دیکر بحیثیت ذمی اس اسلامی سلطنت کی شہریت حاصل کر لیں، خواہ غیر مسلم حکومتیں جزیہ دیکر اپنی جغرافیائی حدود کو محفوظ بنالیں۔ گویا غیر مسلم افراد اور غیر مسلم حکومتوں پر اسلامی حکومت کا سیاسی غلبہ۔ اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کی بے شمار مثالیں موجود

ہیں.....

(۳) حقیقی غلبہ! اور تیسرا اسلام کا حقیقی غلبہ یعنی تمام ادیان باطلہ کا مکمل خاتمہ اور پوری سرزمین پر خالص اسلام کی حکمرانی۔ اسلام کو یہ غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد حاصل ہوگا۔ جب تمام ادیان مٹ جائیں گے۔ اور انکے ماننے والے یا ختم ہو جائیں گے یا اسلام کے دامن پناہ میں آجائیں گے۔ یہاں تک کہ پوری سرزمین کلمہ گو مسلمانوں سے بھر جائے گی۔ اور ایک بھی غیر مسلم زمین پر باقی نہ رہے گا۔ ہر طرف قرآن و سنت کی بالادستی قائم ہو جائے گی۔ اور یہی غلبہ اسلام، قرآن پاک کا مقصودی مفہوم ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ غلبہ اسلام کا بنیادی و حقیقی مفہوم تو تمام ادیان باطلہ کا خاتمہ ہی ہے۔ البتہ اسلام کا سیاسی غلبہ تسلیم کر لینے والے غیر مسلم (افراد اور حکومتوں کو) ثانوی درجہ میں جان و مال، عزت و آبرو اور بیرونی حملوں سے تحفظ کی ضمانت دینا بھی قرآنی و نبوی تعلیمات کا حصہ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد و نزول تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد اقدامی کی صورت میں دیگر ادیان کے خلاف جنگ کرنے کی شرائط ثلاثہ میں سے پہلی شرط ہی قبول اسلام کی ہے۔

یعنی کفار کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر وہ یہ دعوت قبول کر لیں تو وہ امت مسلمہ کا جز اور سلطنت اسلامیہ کا حصہ قرار پا گئے۔ لہذا انکے خلاف جنگ ختم.... اور اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں اور اپنے کفر پر بدستور قائم رہیں تو پھر دوسرے مرحلہ میں انہیں اسلام کی سیاسی برتری یعنی حکومت اسلامیہ کے تحت رہنے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر وہ جزیہ دیکر اسلامی حکومت کی سیاسی بالادستی قبول کر لیں تو بھی ان کے خلاف جنگ ختم کیونکہ وہ سلطنت اسلامیہ کی وسعت اور نظام اسلامی کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے کا عہدہ کر چکے..... اور اگر وہ اس دوسری صورت کو بھی قبول نہ کریں تو پھر انکے خلاف جنگ و جہاد ناگزیر ہو جاتا ہے۔

لیکن فکری حضرات غلبہ دین کیلئے اسلام کی ان شرائط کو ہی سرے سے قبول نہیں کرتے کیونکہ جب وہ سیکولرازم کے حامی ہیں، اور ان کے نزدیک مذہب کی مستقل حیثیت ہی ختم ہے، تو ان کے نزدیک احیاء اسلام کی تمام تر جدوجہد ہی فضول و غیر دانشمندانہ ٹھہری، اور جب احیاء اسلام کی تحریک ہی ان کے نزدیک عصری تقاضوں کے خلاف ہے، تو پھر اس کے لئے ان کے سامنے فکری، سیاسی اور حقیقی غلبہ اسلام کی بحث فضول ہے۔ وہ صرف سیاست و معیشت کے حوالہ سے اسلام کا سیاسی غلبہ چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک ترجمان محمد جان، دوسرے ترجمان محمد جاوید غزالی کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ

غلبہ دین سے مراد یہ ہے کہ سماج کے تمام شعبوں کو دین کی روشنی میں قائم کر کے ان کو چلایا جائے، کیونکہ سماج کے بنیادی ستون فکر و فلسفہ اور سیاست و معیشت ہیں، دین کے غلبہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ فکر و فلسفہ کی بنیاد دین مہیا کریگا۔ ان کی روشنی میں سیاسی نظام قائم ہوگا۔ اور پھر معاشی نظام اس فکر کی روشنی میں استوار ہوگا۔ دینی فکر کے غلبہ کیلئے ضروری ہے کہ غالب غیر دینی مرکزی نظام کو فنا کر کے اس کے سیاسی اور معاشی ڈھانچہ کو ختم کر دیا جائے، اور پھر از سر نو نیا ڈھانچہ دینی فکر کی روشنی میں ترتیب دیا جائے..... (سیریز نمبر ص ۲۷)

اس کی مزید وضاحت فکری تحریک کے سرپرست اعلیٰ مولانا سعید احمد رائیپوری کے اس فرمان سے ملتی ہے کہ

میرے عزیز ساتھیو! ہمت میں درجات ہوتے ہیں۔ پیارے رسول صلعم کی جامع اور پوری کامل سیاست کے غلبہ کے نظریہ والا آپ کو جو شخص ملے گا۔ وہ صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی اور حضرت علی ملیں گے۔ حضرت حسن، حضرت امیر معاویہ ملیں گے۔ حضرت حسین کا جذبہ ملے گا۔ اس تسلسل اور تابعین اور تبع تابعین کے تسلسل کو دیکھو کہ وہ ایک چین سے نہیں بیٹھے، جب تک غلبہ دین نہیں ہوا۔ اور غلبہ دین کا مقصد اسلام کی عادلانہ سیاست کو غالب کر دینا ہے، عقیدہ کا غلبہ نہیں ہوتا۔ عقیدہ میں آزادی ہوتی ہے، عقیدہ کیلئے تبلیغ ہوتی ہے، انسانی

معاشرہ کے حقوق ادا کرنا اور انسانی معاشرہ کیلئے فضا پیدا کر دینا، اس کو غلبہ کہا جاتا ہے..... (سیریز نمبر ۲۴ ص ۹)

گویا فکری تحریک کے نزدیک غلبہ دین سے مراد اسلام کا فکری غلبہ نہیں، صرف سیاسی غلبہ ہے، اعتقادی اعتبار سے لوگ آزاد ہیں، جب چاہیں اور جو چاہیں عقیدہ نظریہ اپنالیں۔ جب چاہیں عیسائی ہو جائیں، قادیانیت اختیار کر لیں، ان پر کوئی پابندی نہیں.... اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر اہل الدین ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن اسے عقیدہ اور نظریہ کے غلبہ کے منافی قرار دینا بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، کیونکہ غلبہ دین کیلئے بنیادی ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمان نبویؐ ہے الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ

یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے، حکم اکیلے خدا کا چلے، دین حق سب ادیان پر غالب آئے گا۔ خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفاء راشدینؓ وغیرہم کے عہد میں ہوا۔ یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے، جیسے نزول مسیحؑ کے وقت ہوگا۔ بہر حال یہ آیت (وقاتلوہم حتی لا یكون فتنۃ) اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجو یا دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے، جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں اسی لئے حدیث میں آگیا، الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ..... (تفسیر عثمانی ص ۲۳۵)

اور شیخ التفسیر امام احمد علی لاہوریؒ تو عقیدہ توحید کے غلبہ کیلئے جہاد کو ضروری قرار دیتے ہوئے اسی آیت وقاتلوہم حتی لا یكون فتنۃ کے تحت فرماتے ہیں کہ وفاداران مملکت الہی (مؤمنین) اس وقت تک تلوار نیام میں نہیں ڈالیں گے، جب تک باغیوں (کفار) کی قوت کو پاش پاش نہ کر دیں، علم شرک کو علم توحید کے سامنے سرنگوں نہ کر لیں۔ اور توحید کا پھر پورا ساری دنیا میں لہرانے نہ لگ جائے..... (حواشی حضرت لاہوریؒ ص ۲۷۷)

ملاحظہ فرمائیے حضرت لاہوریؒ تو جہاد کی بنیاد ہی عقیدہ کو قرار دے رہے

ہیں۔ اب اگر فکری تحریک اس کے باوجود عقیدہ کے غلبہ کو دین تسلیم نہیں کرتی، اور اس کیلئے جہاد کو ناجائز قرار دیتی ہے تو ہم مولانا رائیپوری سے چند سوالات کرنے کی جسارت کریں گے۔

(۱) ختم نبوت کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے یا نہیں؟ اگر عقیدہ کا غلبہ اسلام کا مقصود نہیں تو اس عقیدہ کے تحفظ اور غلبہ کیلئے خلیفہ بلا فصل سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مسلمہ کذاب اور اسود عیسیٰ وغیرہ منکرین ختم نبوت کے خلاف کیوں اٹھائی؟ اور ان کے خلاف جہاد کیوں کیا؟ حالانکہ آپ کے نزدیک بھی وہ سیاست پیغمبرؐ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

(۲) ادائیگی زکوٰۃ کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے یا نہیں؟ امام صدیق اکبرؓ نے تارکین زکوٰۃ کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی؟ اور ان سے جبراً زکوٰۃ کیوں وصول کی؟

(۳) اسلام پر استقامت و پختگی کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے یا نہیں؟ امام صدیق اکبرؓ نے مخرغین اسلام یعنی مرتدین کے خلاف جہاد کیوں کیا؟ اور انہیں جبراً اسلام میں واپس آنے پر مجبور کیوں کیا؟

(۴) سنت نبویؐ اور سنت خلفاء راشدینؓ کا تعلق عقیدہ کے ساتھ یا نہیں؟ امام علی مرتضیٰؓ نے ان الحکم اللہ کا نعرہ لگا کر ان عقیدوں کا انکار کرنے والے خوارج سے قتال کیوں کیا؟

غرضیکہ عقیدہ کیلئے یہ تلوار ان لوگوں کی طرف سے اٹھائی گی۔ جو سیاست پیغمبرؐ کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اور جن کی اتباع و پیروی کا حکم علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء راشدینؓ کا عقیدہ کے غلبہ کیلئے جہاد و قتال کا یہ عمل ہر اسلامی ریاست کیلئے واجب العمل قرار نہیں پاتا؟

﴿ بارہویں فکر فاسد ﴾

نزول مسیحؑ اور ظہور مہدیؑ کا انکار!

ہم گذشتہ اوراق میں ٹھوس دلائل کے ساتھ باحوالہ واضح کر چکے ہیں کہ حضرت

سندھی نزول مسیحؑ کے بھی قائل تھے۔ اور ظہور مہدیؑ کے بھی۔ لیکن فکری حضرات اس کے قائل نظر نہیں آتے۔ شاید اس لئے کہ ان دونوں شخصیات کی آمد کا مقصد پوری دنیا کے کفر کے خاتمہ کے ذریعہ غلبہ اسلام ہے۔ جبکہ فکری حضرات سرے سے ایسے غلبہ اسلام کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے مرکزی راہنما سید مطلوب علی زیدی فرماتے ہیں کہ

قرآن نے اس آیت ہوالذی ارسل رسولہ بالحدیٰ و دین الحق لیطہرہ علی الدین کلمہ ولو کرہ المشرکون میں تمام ادیان پر جس غلبہ کا دعویٰ کیا ہے، وہ خلافت راشدہ کے دور اوّل میں پورا ہو چکا ہے، یہ خیال کہ قرآن کا دعویٰ ہنوز تشنہ تکمیل ہے، صحیح نہیں، اور اس کیلئے نبی یا ولی کا انتظار غلط ہے.....
.....(افکار ولی الہی، شعور و آگہی ص ۶۲)

غور فرمائیے کہ اس مقام پر نہ صرف غلبہ اسلام کے حقیقی مفہوم سے انکار کیا جا رہا ہے۔ بلکہ جن شخصیات کے ذریعہ یہ غلبہ ممکن ہے، ان کا بھی انکار کیا جا رہا ہے۔ ظاہر بات ہے نبی سے مراد یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور ولی سے مراد حضرت امام مہدی علیہ الرحمۃ ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ سیکولرازم کی تائید و حمایت میں فکری تحریک کتنا نظریاتی سفر طے کر چکی ہے..... اسلامی تعلیمات کی بجائے انسانی مساوات پر مبنی نظام.... ایسے نظام کیلئے سیرت مصطفیٰ کونا کافی قرار دینا..... سیرت مصطفیٰ کونا کافی قرار دینے کیلئے اسلامی تاریخ کو فرسودہ ماضی قرار دیکر مسترد کرنا..... اس ماضی کو مسترد کرنے کیلئے غلبہ اسلام کے حقیقی مفہوم سے انکار.... اور پھر غلبہ اسلام کے حقیقی مفہوم سے انکار کیلئے نزول مسیحؑ و ظہور

مہدیؑ سے انکار۔ فکری تحریک کے اندر یہ نظریاتی تبدیلیاں کس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں؟ فیصلہ قارئین خود کر لیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ!

ممکن ہے فکری تحریک کا کوئی رکن ہم پر یہ اعتراض وارد کر دے کہ مذکورہ حوالہ

جس کتاب سے دیا گیا ہے، وہ تو حضرت سندھیؒ کی کتاب ہے، سید مطلوب علی زیدی کی نہیں۔ ہم اس اعتراض پر فکری کارکنوں کی سادگی اور جہالت پر یقیناً افسوس کا اظہار کریں گے۔ کیونکہ ان کی فکری قیادت نے اس کتاب کو واقعی اپنے لٹریچر میں حضرت سندھیؒ کی کتاب کے حوالہ سے متعارف کرایا ہے، مثلاً فکری راہنما مفتی عبدالقدیر صاحب فرماتے ہیں کہ

حضرت امام سندھیؒ کے نزدیک شاہ صاحب مسلک کے مطابق قرآن کے اصل مخاطب قریش مکہ ہیں نہ کہ عرب کے جاہل بدو، چنانچہ شعور و آگہی ص ۹۴ تا ۹۶ فرماتے ہیں..... (تفسیر المقام المحمود جلد اول ص ۱۱۲ حاشیہ)

اسی متعدد مقامات پر اس کتاب کا حوالہ اسی انداز سے دیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت سندھیؒ کی کتاب ہے، حالانکہ یہ ہرگز حضرت سندھیؒ کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ حضرت سندھیؒ کی طرف منسوب بعض کتب میں سے فکری تحریک کے مرکزی و بنیادی راہنما جناب سید مطلوب علی زیدی نے چند اقتباسات بلا حوالہ جمع کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے۔ یعنی اس میں کسی مقام پر یہ مذکور نہیں کہ کونسا اقتباس یا کونسا مضمون کون سی کتاب سے لیا گیا ہے۔ مضامین کے تسلسل اور ترتیب سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعی ایک مستقل کتاب ہے، بلکہ کتاب کے ٹائٹل پر مرتب کا نام تک موجود نہیں، تقاریر اور کتاب کے آخری صفحہ پر مرتب کی حیثیت سے سید مطلوب علی زیدی کا نام ملتا ہے اور اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس خدمت میں ان کے ساتھ فکری تحریک کا پورا دماغ سرگرم عمل تھا۔ چنانچہ ابتدائیہ میں ”مجلس ترتیب شعور و آگہی“ کی طرف سے اس کتاب کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ

کتاب لہذا میں مولانا سندھیؒ کے خیالات کا ایک وافر اور ضروری مگر بنیادی حصہ موجود ہے، جس سے ہر وہ شخص اپنے دور کے حالات کیلئے بہت کچھ اخذ کر سکتا ہے، جس نے اپنے شعور کے درپے وا کر رکھے ہوں۔ کتاب کے مندرجات پر پروفیسر محمد سرور مرحوم کی کتابوں کے علاوہ علماء ہند کا شاندار ماضی مؤلفہ مولانا محمد میاںؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم مؤلفہ پروفیسر غلام حسین جلبانی کے

اقتباسات پر مبنی ہیں۔ امید ہے کہ قارئین ”شعور و آگہی“ کا بغور مطالعہ کریں گے۔ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کی سعی مشکور انجام دیں گے۔ اور ساتھ ہی ہمیں کتاب کی اصلاح کے بارہ میں اپنی رائے سے مطلع کریں گے..... (ص ۱۰)

مذکورہ اقتباس و وضاحت میں دو چیزیں توجہ طلب ہیں پہلی یہ کہ یہ حضرت سندھیؒ کی کتاب نہیں بلکہ حضرت سندھیؒ کی طرف منسوب تحریرات کے بعض اقتباسات کا مجموعہ ہے۔ اور دوسری یہ کہ اس مجموعہ کو فکری تحریک کی ایک پوری ریسرچ کمیٹی نے مکمل چھان بین کر کے اپنے لائحہ عمل کیلئے مرتب کیا ہے۔ اور اسے وہ حضرت سندھیؒ کے خیالات کا بنیادی و ضروری حصہ قرار دیتے ہیں۔ لہذا یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی کہ حضرت سندھیؒ سے ان تحریرات کا ثبوت ملے یا نہ ملے۔ فکری تحریک کو اس سے بری الذمہ قرار دینا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب فکری تحریک کی قیادت کی تحقیق و ریسرچ کا وہ فکری نتیجہ ہے جو تنظیم کے نصابی لٹریچر کا لازمی جز قرار پا چکا ہے۔

(۶) انکار حیات مسیحؑ !

گذشتہ اوراق میں ہم پوری طرح واضح کر چکے ہیں کہ حضرت سندھیؒ حیات مسیحؑ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس عقیدہ کے قائل تھے۔ جبکہ مولانا عبداللہ الغاری اپنی تفسیر ”المقام المحمود“ میں اس سے صاف انکاری ہیں۔ اور وہ قادیانیوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کشمیر میں آمد نظریہ رکھتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودی سازش سے بچ کر کشمیر کی طرف نکل آئے۔ اور اسی جگہ بقیہ زندگی بسر کی۔ بڑھاپے میں اسی جگہ ان کی وفات ہوئی۔ اور سری نگر میں ان کی قبر ہے۔ اسی طرح مولانا عبداللہ الغاری بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کشمیر آمد اور بڑھاپے میں ان کی وفات کے قائل ہیں۔ چنانچہ کشمیر میں حضرت مسیحؑ کی آمد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

جس وقت اسلام کشمیر میں آگیا۔ اس وقت کشمیر میں بدھوں کی حکومت تھی۔ اور

یہی حالت سندھ کی تھی۔ کہ وہاں جب اسلام آگیا تو اس وقت وہاں زیادہ تر بدھ تھے۔ اور یہ دونوں ٹکڑے اسلام سے معمور ہو گئے۔ بدھوں میں اسلام قبول کرنے کی اس تعداد زیادہ تھی۔ اور دونوں ملکوں (کشمیر و سندھ) میں مسلمانوں کے بڑے بڑے صوفی پیدا ہوئے۔ تو جو اسلام ایک مسلمان صوفی پیش کرے گا۔ اسے ایک بدھ صوفی بہت جلد قبول کرے گا۔ اب اگر ہمارا یہ خیال صحیح مان لیا جائے تو مسیح علیہ السلام کی زندگی کا جو غائب حصہ ہے۔ اسے اس طرح حل کیا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی گمشدہ بھٹیروں کی تلاش میں کشمیر تک پہنچے۔ اور اسی طرح ان دونوں مذاہب (ویدک دھرم اور بدھ مت) سے اتصال ہوا اور اس کے بعد مسیح علیہ السلام جو تعلیم یہود کی اصلاح کیلئے پیش کرتے ہیں۔ وہ اسی طرح کی ہے، جیسے کہ گوتم بدھ نے ہندوؤں کی اصلاح کیلئے پیش کی تھی۔ اسی طرح کی مناسبت پر نظر کرنے سے ایک قسم کا تخیل بن سکتا ہے....

.....(المقام المحمود جلد اول ص ۲۴۴)

اس اقتباس میں سندھ اور کشمیر کے اندر آباد مذاہب (ویدک دھرم اور بدھ مت) کی اسلام کی طرف پیش رفت کو کشمیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد اور ان کی تعلیمات سے مربوط کیا گیا ہے۔ اور اسی ربط و تعلق کو اس خطہ میں اشاعت اسلام کا بنیادی سبب قرار دیا گیا ہے، حالانکہ کشمیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کے ٹھوس شواہد ہی سرے سے مفقود ہیں، محض قیاس آرائی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا تاریخ کی نظروں سے اوجھل حصہ کشمیر میں گزرا ہوگا۔ ایک بالکل بے وزن اور بودی دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخی نظروں سے اوجھل زندگی اسی صورت میں زیر بحث لائی جاسکتی ہے کہ جب ان کے آسمان پر اٹھائے جانے سے انکار کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مسئلہ وہی لوگ زیر بحث لائے ہیں جو حیات مسیحؑ کے منکر اور حضرت مسیحؑ کے رفع الی السماء سے انکاری ہیں۔ لہذا یہ تصور و نظریہ حضرت سندھیؑ کے فکری اصولوں سے متصادم ہے۔ کیونکہ اجماع امت، تحقیق خاندان ولی اللہی اور مسلک علماء دیوبند کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے حضرت سندھیؑ کا یہ عقیدہ ہرگز

نہیں ہو سکتا۔ البتہ فکری حضرات خود کو اس سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔

﴿ تیرہویں فکر فاسد ﴾

غیر مسلم بھی دین کی پیروی سے کامیاب!

فکری حضرات کے مذکورہ نظریہ سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک اسلام کا اصل الاصول صرف معاشی اصلاح ہے جس پر فلاح و نجات کا مدار ہے، باقی تمام چیزیں جزوی اور فلاح و نجات کیلئے غیر ضروری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فکری حضرات غیر مسلموں کی نجات و کامیابی کا نظریہ بھی رکھتے ہیں، چنانچہ مولانا رائیپوری فرماتے ہیں کہ

اسلام، انسانیت کیلئے دین رحمت ہے، یہ صرف مسلمانوں کا دین نہیں، اس دنیا کے اگر غیر مسلم بھی دین کی پیروی کریں تو کامیاب ہوں گے.....

..... (سیریز نمبر ۱۸۳ ص ۲۰)

سوال یہ ہے کہ اگر دین سے مراد عقائد و نظریات سمیت اسلام کی جملہ تعلیمات ہیں تو ان کی پیروی سے کوئی شخص غیر مسلم نہیں رہ سکتا۔ وہ یقیناً مسلمان اور امت مسلمہ کا فرد کہلائے گا۔ لیکن مولانا رائیپوری کے اس طرز تکلم سے معلوم ہوتا ہے کہ فکریوں کے نزدیک اگر غیر مسلم اسلام کے عقائد و نظریات کو قبول کئے بغیر صرف اسلام کے معاشی نظام کو قبول کر لیں تو وہ بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ اعتقادی لحاظ سے وہ بیشک وہ عیسائی، یہودی اور دہریہ رہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ اور یہ بات فکریوں کی پسندیدہ اور قابل فخر تفسیر ”المقام المحمود“ کے اندر مزید وضاحت کے ساتھ مرکوز ہے، چنانچہ مولانا عبد اللہ لغاری فرماتے ہیں کہ

غرض قرآن مجید بتلاتا ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں اور ان کے پیرو خدا اور قیامت کے قائل ہیں وہ اگر نیک عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی محنت و ایساں نہیں جانے دیتا..... (جلد اول ص ۲۶۰)

غور فرمائیے کہ عمل صالح کے ساتھ صرف خدا تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کافی قرار دیا ج رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان غیر ضروری

ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور پھر غیر مسلموں کے نیک اعمال کا صلہ عذاب میں تخفیف کی صورت میں بیان کیا جاتا تو بھی اعتراض کی گنجائش نہ رہتی۔ ستم یہ ہے کہ غیر مسلموں کے نیک اعمال کا صلہ مسلمانوں جیسا تسلیم کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مولانا لغاری فرماتے ہیں کہ اسلام سکھاتا ہے کہ اگر ایک غیر مسلم خدا اور قیامت پر ایمان رکھے۔ اور نیک عمل کرے تو اس کیلئے بھی ویسا ہی معاوضہ ہے جیسا کہ ایک مسلمان کیلئے۔..... (ایضاً ص ۲۶۱)

کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کیلئے نیک اعمال کا معاوضہ جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ ہے۔ معلوم ہوا کہ فکریوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی غیر مسلم اگر صرف خدا و قیامت پر ایمان رکھتے ہوئے عمل صالح کرے تو وہ بھی جنتی ہے..... (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

(نوٹ) نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر ایمان کے بارہ میں حضرت سندھیؒ کا کیا عقیدہ و نظریہ ہے؟ وہ زیر نظر کتاب کے دوسرے باب میں ملاحظہ فرمالیجئے۔

﴿چودھویں فکر فاسد﴾

عالمی تصادم مذاہب کی بنیاد پر نہیں!

فکریوں کے مذکورہ نظریات کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ عصر حاضر کے بین الاقوامی تصادم کو مذہبی حوالہ سے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ چنانچہ مولانا رائے پوری فرماتے ہیں کہ

اس وقت دنیا میں مذہب سے مذہب کی جنگ نہیں۔ بلکہ نظاموں کی جنگ ہے۔ جبکہ پہلے مذاہب کی بنیاد پر حکومتیں تھیں۔ اب دنیا میں اقوام نظاموں کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ اور انکو مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔ لہذا مذہبی طبقہ کو فلسفہ الہیات کی روشنی میں نظام پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ شکست خوردہ مذہبی یتیموں کی طرح پھرنے والے گروہ کے اخلاق اور اسوہ کو کوئی بھی اختیار نہیں کرتا..... (سیریز نمبر ۱۱ ص ۹)

مولانا رائیپوری کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے مذاہب چونکہ ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے مذہب کی بنیاد پر تصادم بھی ختم ہو چکا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ جن نظاموں کی طرف وہ اشارہ کر رہے ہیں ان کے پس پردہ بھی مذہبی تعصب ہی کارفرما ہے۔ سرمایہ داری کی پشت پر اگر مسیحیت ہے تو اشتراکیت کی پشت پر یہودیت جلوہ گر ہے۔ اور دونوں کا مقصد مسلمانوں کو معاشی و سیاسی مشکلات میں ڈال کر اسلامی نظام کے احیاء و نفاذ کا راستہ روکنا ہے۔ مقام غور ہے کہ..... اسرائیل کی یہودی ریاست کا قیام کیا مذہبی بنیاد پر نہ تھا؟..... آج یہودیوں اور فلسطینیوں کے درمیان جنگ کیا مذہب کی بنیاد پر نہیں؟..... انڈونیشیا کے وفاق سے مشرقی تیمور کی علیحدگی کیا مذہب کی بنیاد پر نہ ہوئی؟..... کشمیر، بوسنیا اور چینچینا کے مسلمانوں پر مظالم کیا مذہب کی بنیاد پر نہیں ڈھائے جارہے؟..... سوڈان، لیبیا، شام وغیرہ ممالک کے خلاف اقتصادی پابندیاں اور جنگی دھمکیاں کیا مذہب ہی کی وجہ سے نہیں؟..... پھر کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ اس وقت مذہب کی بنیاد پر نہ جنگ موجود نہیں؟ دراصل سیکولر ذہن رکھنے والی لائیاں یہ چاہتی ہیں کہ مذہب کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر نظاموں کا چکر چلایا جائے تاکہ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلہ میں اشتراکی نظام کے حق میں مسلم قوم کا ذہنی اغوا آسان بنایا جاسکے۔

﴿ پندرہویں فکر فاسد ﴾

مذہبی تشخص کیلئے قانون سازی وقت کا ضیاع ہے!

کسی بھی معاشرہ کے اندر سماجی طبقات کے حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے قانون ہی سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ ورنہ قتل و غارت اور ظلم و فساد کا بازار گرم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ کے تمام طبقات اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے قانون سازی کا مطالبہ اور کوشش کرتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ملک متعدد بار قانون سازی کے مراحل سے گزرا اور جب کوئی دستور تشکیل پا گیا تو کسی نہ کسی دیکٹر کے ذریعہ دستور اور جمہوریت کی بساط لپیٹ دی گئی۔ اور ایک بار پھر یہ ملک ”سرزمین بے آئین“

کے عنوان سے متعارف ہوا۔

پھر ملک کے اندر قانون سازی کیلئے دو طبقات ہمیشہ باہم مد مقابل رہے۔ ایک سیکولر طبقہ، اور دوسرا مذہبی طبقہ سیکولر طبقہ کی ہمیشہ کوشش رہی کہ ملک کو ”سیکولر اسٹیٹ“ بنا کر اس میں سیکولر نظام لایا جائے اور مذہبی طبقہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اسلام کے نام پر بنایا جانے والا یہ ملک ”اسلامی اسٹیٹ“ بنے اور اس کا دستور بھی خالص اسلامی ہو۔ لیکن بد قسمتی سے اقتدار کی باگ ڈور ہمیشہ ایسے طبقہ کے ہاتھ میں رہی جو اپنے شخصی سیاسی اغراض و مفادات کے خول سے باہر نکلنے پر کبھی آمادہ نہ ہوا۔ اس طبقہ نے اسلامی دستور کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھا اور اسکی راہ میں ہمیشہ رکاوٹیں کھڑی کیں۔

بالآخر سنجیدہ سیاسی و مذہبی قوتوں کی کوشش سے ۱۹۷۳ء کا آئین تیار ہوا۔ یہ آئین اگرچہ مکمل اسلامی نہ تھا۔ لیکن بہر حال اس میں ترامیم کے اضافہ کے ساتھ اسلامی دفعات شامل کرنے کی گنجائش موجود تھیں۔ چنانچہ مذہبی قوتوں نے مختلف اوقات میں اپنی سیاسی جدوجہد کے ذریعہ جن اسلامی مطالبات کے منوانے کی کوشش کی۔ ان میں سے بعض تو دستور شامل ہو گئے۔ لیکن بعض ارباب اقتدار کی طرف سے قبول نہ کئے گئے۔ مثلاً قادیانیوں کا غیر مسلم اقلیت قرار پانا۔ ان پر اسلامی شعائر اختیار کرنے پر پابندی، توہین رسالت کی سزائے موت وغیرہ اسلامی مطالبات دستور کا حصہ بن چکے۔ لیکن اس ملک کا سیکولر طبقہ ان اسلامی دفعات کی مسلسل مخالفت کر رہا ہے۔ چونکہ فکری تحریک بھی سیکولر طبقہ ہی کا حصہ ہے، لہذا اسے بھی مذہبی تشخص قائم کرنے والی اسلامی دفعات اور اس کیلئے مذہبی طبقات کی جدوجہد سخت ناگوار گزری۔ آئیے اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ!

پارلیمنٹ کی طرف سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے باوجود قادیانی خود کو مسلمان ظاہر کرتے رہے۔ لہذا انہیں اس غیر قانونی عمل سے روکنے کیلئے مذہبی طبقات نے حکومت سے یہ مطالبہ کر دیا کہ شناختی کارڈ کے اندر مذہب کے

خانہ کا اضافہ کیا جائے تاکہ کوئی قادیانی خود کو مسلمان ظاہر کر کے بلا دمقدسہ (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کا سفر نہ کر سکے۔ مذہبی طبقات کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا۔ (بد قسمتی سے اب پھر شناختی کارڈ سے یہ خانہ نکال دیا گیا ہے) فکری حضرات کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ چنانچہ سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

ملک کے اکثر مذہبی حلقوں میں حکومت کے اس فیصلہ پر مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ آئندہ سے قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ بھی ہوگا۔ واضح رہے کہ کچھ عرصہ سے ملک کی مذہبی جماعتیں یہ مطالبہ کرتی چلی آ رہی تھیں کہ مسلم و غیر مسلم شناخت کیلئے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ہونا چاہیے۔ اس مطالبہ اور اس کی پذیرائی کے پس منظر میں منطق یہ ہے کہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے۔ اس لئے اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا علیحدہ تشخص ہونا چاہیے۔ یہ دلیل اپنی وزن رکھتی ہے۔ کیونکہ بر عظیم ہند کو اسی بنا پر تقسیم کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ سمجھتی تھی کہ متحدہ ہند میں مسلمان اپنی شناخت کیلئے ایک قطع اراضی ملا ہے تو یقیناً اس میں ایسے ہی قوانین جاری ہونے چاہئیں۔ جس کی ایک مثال مذکورہ بالا فیصلہ ہے۔ درج بالا منظور شدہ مطالبہ اس بناء پر کیا جا رہا تھا کہ قادیانی بیرون ملک اپنا تعارف ”مسلم“ کے حوالہ سے کرواتے ہیں۔ لہذا ان کی حقیقی شناخت ضروری تھی..... اس مرحلہ پر ہم چاہیں گے کہ قانون کی دفعات میں اضافہ پر پورا زور صرف کرنے کی بجائے مسائل کے حل کی موزوں حکمت عمل تیار کرنے پر بھی توجہ دیجائے۔ معلوم نہیں ہم نے ہر مسئلہ کا حل قانون سازی ہی میں کیوں سمجھ رکھا ہے۔ جبکہ سب جانتے ہیں کہ قوانین کا بھونڈا اور غیر حکیمانہ نفاذ کسی مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے نئے مسائل پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے..... (سیریز نمبر ۱۱۵ ص ۴۲)

اب وہ موزوں حکمت عملی کون سی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب اعوان فرماتے ہیں کہ

ہمارے مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے۔

ہمارے علماء قادیانی تحریک کو خلاف قانون قرار دینے کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟
..... (ایضاً ص ۳)

یعنی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی بجائے خلاف قانون قرار دینا چاہئے۔
خدا معلوم ان فکر یوں کو کسی غیر مسلم کو غیر مسلم کہنے سے کیوں چڑھے؟ اور وہ اسلام اور کفر
کے درمیان فرق اور اسلامی تشخص سے کیوں گھبراتے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا قادیانی
تحریک کو خلاف قانون قرار دینے کیلئے قانون سازی حکیمانہ ہوگی؟ اور کیا ملک کے اندر
خلاف قانون قرار دی جانے والی تحریکوں اور جماعتوں کے بارہ میں قانون کا بھونڈا
استعمال موجود نہیں؟ لیکن ہم یہ بات واضح کر دیں کہ علماء کرام نے قادیانیوں کے بارے
میں دونوں مطالبات کئے تھے۔ ایک ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اور دوسرا اس کو
خلاف قانون قرار دینے کا ایک مطالبہ منظور ہو چکا، دوسرے کیلئے کوشش جاری ہے۔
فکری حضرات اس مسئلہ میں پریشان نہ ہوں۔

(۲) عورت کی سربراہی!

مذہبی طبقات کی طرف سے ایک دیرینہ مطالبہ یہ بھی ہے کہ ملک کے اندر
عورت کی سربراہی خلاف قانون قرار دی جائے۔ کیونکہ عورت کا سبراہ مملکت بنانا نہ صرف
شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، بلکہ غیرت و اخلاق، قومی اقتدار اور مشرقی روایات کے
بھی منافی ہے۔ لیکن فکری حضرات اس مطالبہ سے بھی نالاں ہیں۔ چنانچہ ان کے مرکزی
راہنما مولانا عبدالحق آزاد فرماتے ہیں کہ

ویسے تو اس خطہ میں اسلام کو غلط مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی تاریخ بڑی پرانی
ہے۔ چنانچہ پچھلے پچاس ساٹھ سالوں میں ہمیشہ مقتدر طبقات نے اپنا تسلط
برقرار رکھنے، قائم کرنے یا حقیقی جدوجہد آزادی کو سبوتاژ کرنے کیلئے اسلام کا نعرہ
لگا کر قوم اور مذہب کا استحصال کیا ہے۔ لیکن گذشتہ ایک عشرہ کے دوران سیاسی
زندگی میں مذہب کے استحصال کا پہلا ایک نئے عنصر کے ساتھ داخل ہوتا جا رہا
ہے۔ جس سے عوام دین کی حقیقی تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے ہیں، مخصوص
مفادات رکھنے والے بعض مقتدر طبقات یوں تو جا بجا مذہب کو بطور آلہ کار

استعمال کرتے رہیں لیکن پچھلے چند سالوں سے ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے عورت کی حکمرانی کے عدم جواز پر مشتمل دین حکم کو جس طرح ایک سیاسی گروہ اور مقتدر طبقات کا ایک حصہ اپنے اقتدار کو ہمیشہ کیلئے پکارنے اور مفادات کی دوڑ میں آگے بڑھنے کیلئے استعمال کر رہا ہے۔ اس سے مروجہ ظالمانہ نظام میں مذہب کے غلط استعمال کا حوصلہ بڑھا ہے۔ دینی حوالہ سے ایک افسوسناک صورت حال ہے۔ اسلئے کہ ہر ایک دینی حکم اور فرمان نبویؐ کا دین کے مکمل اور جامع نظام میں اپنا ایک مرتبہ اور مقام ہے۔ اب اگر کوئی سیاسی گروہ اپنے سیاسی اقتدار اور ناجائز مفادات کے حصول کیلئے اس فرمان نبویؐ کو اپنے نقطہ نظر پیش کرے تو اس کو مذہب کے غلط استعمال کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس کی کسی طرح بھی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ انسان دوستی کے حوالہ سے دین کی جامع اقدار اور نظام حیات کا انکار کرنا، اور کسی ایک دینی حکم کے ظاہری الفاظ لے کر غلط مقاصد کیلئے استعمال کرنا، مسلمہ، سیاسی، دینی اور اخلاقی تقاضوں اور قانونی اصولوں کے خلاف ہے.....

.....(سیریز نمبر ۱۲۵ ص ۲، ۳)

یہ بات ناقابل فہم ہے کہ ایک صحیح دینی، اخلاقی اور ضروری مطالبہ سے آدمی صرف اس لئے دستبردار ہو جائے کہ اس کا فائدہ کوئی تیسرا فرد حاصل کر رہا ہے اس فلسفہ کی روشنی میں فکری حضرات نے کبھی اس پہلو پر غور کیا ہے کہ انہوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت سندھیؒ کی روشن تعلیمات کو مسخ کر کے جس اندازے پبلک کے سامنے پیش کیا ہے، اس سے فائدہ کون حاصل کر رہا ہے؟ حیرت ہے کہ حقیقی تعلیمات کو مسخ کر کے اشتراکیت کو فائدہ پہنچانے والے لوگ ایک اسلامی اور اخلاقی مطالبہ سے صرف اس لئے منع کر رہے ہیں کہ اس سے کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھالے۔

اور پھر مولانا عبدالحق آزاد صاحب سے ہماری درخواست ہے کہ وہ تاریخ نہ بگاڑیں۔ بلکہ تاریخ کا ریکارڈ درست رہنے دیں۔ انہیں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ عورت کی سربراہی کے خلاف علماء کی آواز صرف دو عشروں سے محترمہ بے نظیر

بھٹو کی سربراہی کے خلاف نہیں اٹھی، بلکہ چار عشرے قبل ۱۹۶۴ء کے صدارتی انتخاب میں اس وقت بھی اٹھائی گئی تھی جب محترمہ فاطمہ جناح فیملڈ مارشل ایوب خان کے خلاف صدارتی انتخاب لڑ رہی تھیں۔ اور یہ آواز جمعیت علماء اسلام کے اس پلیٹ فارم سے اٹھی تھی۔ جس پلیٹ فارم پر آپ کے خسر اور مرشد مولانا سعید احمد رائیپوری بھی موجود تھے کیا آپ مولانا رائیپوری سے پوچھ سکتے ہیں کہ اگر آج عورت کی سربراہی کے خلاف آواز اٹھانا اسلام کو غلط استعمال کرنے کے مترادف ہے۔ تو اس وقت اسلام کے عین مطابق کیوں تھا؟ حالانکہ اس وقت بھی اس نعرہ کا فائدہ ایوب خان نے اٹھایا۔

(۳) حدارتد اسے ابتری پھیلے گی!

ملک کے اندر این، جی، اوز، اور مسیحی مشنریوں کی کوششوں اور پروپیگنڈہ سے مسلم افراد کے قادیانی اور عیسائی ہونے کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنے کیلئے علماء کرام نے این، جی، اوز اور مسیحی مشنریوں کی غیر اسلامی و غیر اخلاقی سرگرمیوں پر پابندی اور اسلام کی حدارتد انافذ کرنے کا مطالبہ کیا تو فکری تحریک بھی پریشان ہو گئی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ فکری حضرت عقیدہ میں آزادی کی فکر فاسد پر اس قدر غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں کہ حدارتد کے اسلامی قانون کے نفاذ کو بھی عصر حاضر میں غیر ضروری اور نقصان دہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جناب سعید اعوان لکھتے ہیں کہ

اس تنگ نظر اور کافر سازی کے ماحول میں حدارتد کے نفاذ سے معاشرہ میں جو ابتری پھیلے گی اس کے تصور سے ہی روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں، یوں بھی اس وقت جو حدود انافذ ہیں، ان کے حوالہ سے ماتحت عدالتیں جو کردار ادا کرتی ہیں، ان سے پہلے ہی کافی جگہ ہنسائی ہو رہی ہے..... (سیریز نمبر ۱۱۶ ص ۴)

ہمارے فکری دوستوں کے روٹنے تو ہر اس مسئلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں، جس کے پیش کرنے والے مذہبی طبقات ہوں۔ اور جس مسئلہ سے ان کے اشتراک کی نظریات متاثر ہوتے ہوں۔ وہ اسلامی قوانین کو بھی ایسا ہوا بنا کر پیش کرتے ہیں، جیسے یہ بھی انسانیت پر ظلم عظیم کے مترادف ہیں۔ حالانکہ احکامات شرعیہ سلطنت اسلامیہ کی معاشرتی

مجبوریوں کا لحاظ نہیں رکھا کرتے۔ بلکہ قوانین شرعیہ کے نفاذ کے ذریعہ ہر قسم کے سماجی نقائص و جرائم کا خاتمہ ممکن ہے، کافی عرصہ سے پاکستان کے اندر یورپ سے درآمد شدہ ”مسیحی مشنریوں“ نے ہماری نوجوان نسل کو دولت و عورت کی بنیاد پر عیسائی بنانے اور یورپین ممالک کی سرپرستی و سرمایہ سے سرگرم این، جی، اوز نے قادیانیت کی دلدل میں دھکیلنے کی جوہم شروع کر رکھی ہے وہ ہزاروں مسلمانوں کو ایمان کی دولت سے محروم کر کے مرتد بنا چکے۔ اس مسلم نوجوان نسل کے ایمان کی سلامتی و تحفظ کیلئے جب ملک کے مذہبی طبقات نے حد ارتداد کے نفاذ کا مطالبہ کیا تو فکری حضرات کی اشتراکی رگ پھڑک اٹھی، اور انہوں نے اس حد کے نفاذ کو معاشرتی ابتری پیدا کرنے کا ذریعہ قرار دیدیا۔ جبکہ ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ ایک طرف آپ مسلم نوجوانوں کو تیزی سے اشتراکیت کی بھٹی میں دھکیل رہے ہیں۔ اور دوسری مسیحی و قادیانی ایجنسیاں سرگرم عمل ہیں۔ ہم اگر مسلم نوجوانوں کے ایمان و ایقان کے تحفظ کے لئے حد ارتداد کے نفاذ کا مطالبہ نہ کریں تو کیا کریں؟ اور کیا اسلامی سلطنت کے اندر اسلامی قوانین کے نفاذ کے بغیر تنگ نظر اور کافر سازی کے ماحول کو تبدیل کیا بھی جاسکتا ہے؟

(۴) قانون جزیہ کا مطالبہ دینی حقائق سے ناواقفیت!

اسلامی سلطنت کے اندر مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کیلئے مذہبی طبقات نے ملک کی غیر مسلم رعایا سے جزیہ وصول کرنے کا مطالبہ کیا۔ جزیہ دراصل ایک حکم شرعی ہے، جو ان غیر مسلموں پر لاگو ہوتا ہے جو حالت کفر پر قائم رہتے ہوئے بحیثیت ذمی اسلامی مملکت کی وفادار رعایا کی حیثیت اختیار کر لیں۔ اور اسی جزیہ کی وجہ سے اسلامی حکومت ان غیر مسلموں کے جان، مال اور عزت کی ضامن بنتی ہے۔ لیکن فکری حضرات حسب عادت مذہبی طبقات کے اس مطالبہ سے بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ترجمان سعید اعوان لکھتے ہیں کہ

قانون جزیہ درحقیقت اس گروہ پر نافذ ہوتا ہے جو جنگ کے منڈلاتے ہوئے خطرات سے بچنے کیلئے کسی مسلم معاشرہ کا ملکی قانون تسلیم کر کے اس سوسائٹی کا

حصہ بن جاتا ہے، گویا جزیہ کا تصور جنگ سے مربوط ہے، جبکہ روایات سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ جب مسلم افواج کسی بستی کے ناگفتہ بہ حالات کے سبب اس کی جانب کوچ کرتیں تو وہاں بستی کے باشندوں کے سامنے جنگ سے پیشتر تین اختیارات رکھے جاتے کہ یا تو دائرہ اسلام میں آنا منظور کر لیں۔ اور اگر اس کے لئے ان کے دل و دماغ آمادہ نہیں تو وہ مسلم معاشرہ کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اصولوں کو قبول کر لیں، جو درحقیقت انسانی فطرت کے نقیب ہیں۔ جبکہ اس سے انکار جنگ پر منتج ہوتا تھا، واضح رہے کہ دوسرا اختیار کرنے کی صورت میں وہ معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری بن جاتے ہیں جس کی بناء پر وہ ذمی کہلاتے ہیں۔ اور اس کے جواب میں وہ ٹیکس ادا کرنے کے پابند ہوتے ہیں، جو جزیہ کہلاتا ہے، معاشرتی حقوق کے حوالہ سے مسلم و ذمی میں کوئی تفریق موجود نہیں۔ وہ معاشرہ کے مساوی درجہ کے شہری ہوتے ہیں۔ اس وقت ہمارا موضوع ذمیوں کے حقوق کی تفصیل اور جزیہ کی نوعیت بیان کرنا نہیں، تاہم اس امر کو ضرور واضح کرنا ہے کہ ان تمام معاملات کا تعلق جنگ کے حوالہ سے بنتا ہے، جبکہ ایسے معاشرہ میں جہاں طاقت کے بل بوتے پر امور متعین ہونے کی بجائے باہمی تبادلہ خیالات کے ذریعہ صورت حال ترتیب پاتی ہو۔ وہاں ایسے قانون کا نفاذ نہ صرف غلط فہمیوں کا موجب ہو سکتا ہے، بلکہ یہ دینی حقائق سے نابلد ہونے کی بھی علامت ہے، انگریز کے خلاف جنگ آزادی میں یہاں کی تمام مقامی قوتیں شامل تھیں۔ ان میں مسلم کے علاوہ ہندو، سکھ، جینی، بدھ، حتیٰ کہ مقامی عیسائی بھی شامل تھے، اور ان کی مشترکہ کاوشوں سے انگریز کو یہاں سے بیدخل ہونا پڑا۔ اس لئے لازماً نئی صورت حال کو سنبھالنے میں سب کا یکساں کردار بنتا ہے۔ ایسے میں قانون جزیہ کے نفاذ کی بات بے محل قرار پاتی ہے (سیریز نمبر ۱۱۶ ص ۴۳)۔

مذکورہ بالا طویل اقتباس میں جناب اعوان نے تین بڑی صریح ٹھوکریں کھائی ہیں۔

(۱) پہلی یہ کہ وہ قانون جزیہ کو جنگ سے مربوط و مشروط قرار دیتے ہیں۔ یعنی کسی غیر مسلم قوم سے جنگ کے دوران اس قوم کی طرف سے اسلامی حکومت کی شہریت و نیشنلٹی (NATIONALITY) اختیار کرنے والے افراد سے حفظ ماقدم کے طور پر

جزیہ وصول کیا جائیگا۔ جب جنگ یا اسکے خطرات ختم ہو گئے تو جزیہ بھی ختم ہو گیا۔ گویا امن کے وقت اور امن کے خطہ میں قانون جزیہ کا نفاذ انکے نزدیک دینی حقائق کے منافی ہے، حالانکہ ان کا یہ نکتہ نظر اسلامی تعلیمات اور تاریخی واقعات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ چنانچہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ قانون جزیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

جزیہ کے لفظی معنی بدلہ اور جزا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ رقم ہے جو کفار سے قتل کے بدلہ میں لی جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ کفر و شرک اللہ اور رسول کی بغاوت ہے۔ جس کی اصل سزا قتل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کی سزا میں یہ تخفیف کر دی کہ اگر وہ اسلامی حکومت کی رعیت بن کر عام اسلامی قانون کے ماتحت رہنا منظور کریں تو ان سے ایک معمولی رقم جزیہ کی لیکر چھوڑ دیا جائے۔ اور اسلامی ملک کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگی۔ ان کی مذہبی رسومات میں کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی۔ اسی رقم کو جزیہ کہا جاتا ہے.....
(معارف القرآن جلد ۴ ص ۳۶۰)

یعنی جزیہ کسی حالت جنگ سے مشروط نہیں، بلکہ بوجہ کفر قتل سے بچاؤ کی ایک صورت ہے، لہذا حالت امن میں بھی اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلم سوسائٹی کا حصہ بننا چاہتا ہے تو اس پر قانون جزیہ کا نفاذ ہوگا۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ معاشرتی حقوق کے حوالہ سے مسلم و ذمی کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ جو کہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ فقہاء کرام واضح طور پر دونوں کے درمیان معاشرتی تفریق کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

البتہ مخالفین میں جو لوگ قرآنی تحریک کے خلاف عملی اقدام چھوڑ کر اس کے نظام کے اندر رہنا چاہیں تو انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ اس حالت میں قرآنی حکومت ان کی حفاظت بھی کرے گی۔ ان کے جائزہ قانونی حقوق کی حمایت بھی کرے گی۔ اور ان کے ساتھ انصاف کا پورا پورا معاملہ

کرے..... (قرآنی جنگ انقلاب ص ۲۹)
یعنی غیر مسلموں کو مسلم سوسائٹی کا حصہ بننے کیلئے اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ بعض پابندیاں بھی قبول کرنا ہوں گی۔ چنانچہ ان پابندیوں کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ احمد امیٹھوی المعروف ملا جیونؒ فرماتے ہیں کہ

کتب فقہ میں مذکور ہے کہ ذمی اپنے لباس، اپنی سواری، اپنے ہتھیار اور اپنی زمین میں مسلمانوں سے ممتاز نظر آنا چاہیے..... (تفسیرات احمدیہ اردو ص ۵۳۶)

گویا باقی معاشرتی امور کے علاوہ ظاہری بود و باش میں بھی ذمی کا مسلمانوں سے الگ تھلگ نظر آنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد فاروقیؓ میں شام کے عیسائیوں نے جب اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے مسلم سوسائٹی کا حصہ بننے کی خواہش ظاہر کی تو ان کے اور حضرت عمرؓ کے درمیان درج ذیل معاہدہ طے پایا کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے مذہب کی دعوت نہ دیں گے۔ ان کے مذہب کا کوئی فرد اسلام قبول کرے گا تو وہ رکاوٹ نہ ڈالیں گے۔ اگر کوئی مسلمان ان کی مجلس میں آجائے تو کھڑے ہو کر اس کی تعظیم کریں گے۔ مسلمانوں کی مشابہت اختیار نہ کریں گے۔ نہ لباس میں، نہ ٹوپی میں، نہ عمامہ میں، نہ جوتی میں، نہ سر کے بالوں وغیرہ میں..... (تفسیر مواہب الرحمن پ ۱۰ ص ۱۲۸)

اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کیلئے ڈاکٹر خورشید احمد کی کتاب ”حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط“ اور علامہ شبلی نعمانیؒ کی ”الفاروق“ ملاحظہ کر لی جائیں۔ اور پھر قرآن پاک میں خداوند تعالیٰ نے بھی اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کا طرز بایں الفاظ بیان فرمایا ہے کہ حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وہم صاغرون (پ ۱۰: التوبہ۔ ۲۹) یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر، یعنی بوجہ کفر و شرک خدا تعالیٰ کو بھی ان کی ذلت و رسوائی مقصود ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ہندوستان سے فرنگی اقتدار کا خاتمہ اقوام ہند کی مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ لیکن وہ مسئلہ کے دوسرے پہلو کو قصداً نظر انداز کر رہے ہیں۔ کیونکہ قیام پاکستان کا مسئلہ آزادی ہند کے مسئلہ قطعی

مختلف ہے۔ استخلاص وطن کی تحریک میں تو بیشک تمام ہندوستانی غیر مسلم اقوام برابر کی شریک تھیں۔ لیکن قیام پاکستانی بنیاد خالص مسلم قومیت اور دو قومی نظریہ پر تھی۔ جس میں دیگر غیر مسلم اقوام مسلمانوں کی ہمنوا نہ تھیں۔ لہذا ہندوستان میں تو متفرق اقوام کے مذہبی مفادات پر مشتمل سیکولر سازی کا سوچا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے اندر ایسا سوچنا اور اس کیلئے کسی عملی جدوجہد میں حصہ لینا اس کی نظریاتی اساسوں سے انحراف و بغاوت کے مترادف ہے۔

﴿سولہویں فکر فاسد﴾

فرسودہ ماضی سے دستبرداری!

فکری حضرات پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا تھا کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے اندر ماضی کی اسلامی حکومتوں میں قانون سازی کی بنیاد انسانی مساوات کی بجائے اسلامی تعلیمات رہی ہیں۔ لہذا اب انسانی مساوات کے جدید تصور کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟ تو فکریوں نے اس اعتراض کا بھی گلا گھونٹ رکھ دیا۔ چنانچہ ان کے راہنما سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

دانش کا تقاضا ہے، اور قیام امن کیلئے ضروری ہے کہ فرسودہ ماضی کے احیاء میں سرگرمی دکھانے کی بجائے ابدی، اجتماعی اصول فطرت پر مبنی حال اور مستقبل کے تقاضوں کی تکمیل کیلئے راہ اپنائی جائے۔ اور اس کیلئے پر تشدد حکمت عملی اپنانے سے گریز کیا جائے، بھارات اور اس کے پڑوسی ممالک جو اس وقت مذہبی جنون کے بادلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو مذہب کے نام پر دائرہ انسانیت سے تجاوز کر جانے کی خودکشی پر مبنی پالیسی سے دستکش ہو جانا چاہیے۔ تاکہ اس خطہ کو مستقل جہنم کے ماحول سے نکالا جاسکے، چنانچہ یہی سبب ہے کہ جدید بھارت کے بانیوں نے اس کیلئے سیکولر ازم کا راستہ تجویز کیا تھا۔ جس کو وہاں کی بھاری اکثریت نے قبول کیا تھا۔ بلکہ اب بھی تمام سلجھے ہوئے عناصر

اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کی معقول اکثریت اسی نظریہ کو بھارت کے استحکام کا ذریعہ سمجھتی ہے..... (سیریز نمبر ۱۲ ص ۳)

قطع نظر اس سے کہ جناب اعوان اپنے مرعوب زدہ قلم کے ذریعہ سادہ لوح عوام کے اذہان کو دہشت زدہ کر کے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اور انہیں کس ڈرامائی انداز سے سیکولرازم کا فلسفہ و حکمت اپنانے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ فی الحال ہم مسلمانوں کے ماضی کے بارہ میں ان کی قلمی جسارتوں کا جائزہ لینا چاہیں گے۔ بلاشبہ وشبہ مسلمانوں کا ماضی دو ادوار میں تقسیم ہے، ایک دور وہ ہے جس میں خلافت راشدہ اور اس کے اصولوں پر مبنی اسلامی حکومتوں کے مختلف عادلانہ ادوار شامل ہیں۔ جسے مسلمانوں کا حقیقی اور قابل فخر ماضی قرار دیا جاسکتا ہے۔ جب مسلمانوں کے شاندار ماضی کا تذکرہ آتا ہے، تو اس سے ماضی کا یہی عادلانہ دور مراد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا دور وہ ہے، جس میں فاسق و آمر قسم کے حکمران مسلط رہے، اور انہوں نے اپنی سیاسی اغراض اور شخصی مفادات کی خاطر ظلم و نا انصافی کے قوانین مرتب و نافذ کئے۔ یقیناً ماضی کا یہ دور حال کے مسلمانوں کیلئے باعث شرم و عار اور افسوسناک ہے۔ لیکن ان دونوں ادوار کو بلا امتیاز و تفریق فرسودہ ماضی قرار دیکر مسترد کر دینا اور انہیں ابدی، اجتماعی اصول فطرت کے منافی قرار دے دینا یقیناً نا انصافی اور خالص اشتراکیت نوازی ہے، گویا اس سے یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے ماضی کی فرسودہ تعلیمات و روایات (جو اسلامی نظام کی صورت میں مختلف ادوار کے اندر نافذ العمل رہ کر اسلام دشمنوں سے بھی داد تحسین وصول کر چکی ہیں) نہ ابدی ہیں، اور نہ اجتماعی، نہ وہ اصول فطرت پر مبنی ہیں، اور نہ حال و مستقبل کے سیاسی، معاشی، معاشرتی تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ ان کی حیثیت بس ایک قصہ پارینہ کی ہے، لہذا اس وقت دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے احیاء کیلئے کوئی سرگرمی دکھانے کی بجائے سیدھے سیکولرازم کی دہلیز پر سجدہ ریز ہو جاؤ..... امن ہی امن ہوگا..... چین ہی چین پاؤ گے..... اور خوشحالی ہی خوشحالی کا دور دورہ ہوگا..... فاعلمبر وایا ولی الابصار۔

﴿سترہویں فکر فاسد﴾

تمام اقوام میں عالمگیریت تھی جو قومیت میں بدل گئی!

جملہ اہل حق کی اجماعی تحقیقات کی روشنی میں قرآنی و نبوی تعلیمات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام (حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت مسیح علیہ السلام) علاقائی و محدود وقتی نبوتیں اور قومی پروگرام لیکر دنیا میں تشریف لائے۔ اور وقت ختم ہونے کے بعد ان کی شریعت و تعلیمات منسوخ قرار دیکر دوسری نبوت و شریعت جاری کر دی گئی۔ یہ شرف و سعادت صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہوا کہ آپ تا قیامت عالمی نبوت اور بین الاقوامی پروگرام و شریعت لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ لیکن بد قسمتی سے ”تفسیر المقام المحمود“ کے اندر اس اجماعی نظریہ سے بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ اور شریعت موسوی و شریعت عیسوی کو بھی بین الاقوامی پروگرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مولانا عبد اللہ لغاری فرماتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی حکومت کیلئے مبعوث ہوئے۔ مگر انکی قوم اپنے اندر یہ قابلیت پیدا نہ کر سکی۔ اس لئے وہ بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بین الاقوامی حکومت پیدا کرنے کیلئے مبعوث ہوئے۔ اور ان کے اصحابہ کرامؓ اس کام کے چلانے کیلئے اہل ثابت ہوئے..... (المقام المحمود جلد اول ص ۲۰۶)

(۲) اگر قوم قابل ہو جائے تو بین الاقوامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروگرام بین الاقوامی حکومت بنانے کا تھا۔ مگر ان کی قوم اس قابل نہ ہو سکی کہ اس بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی۔ اس لئے آخر کار ان سے حکومت لے لی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ سے فائدہ اٹھاتی، اس لئے آخر کار تباہ ہو گئی..... (ایضاً ص ۲۴۰)

(۳) پہلے نبی قومی پروگرام لیکر آئے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی تعمیر پروگرام لیکر آئے۔ مگر وہ اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ قوم اس

بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آئے مگر وہ حکومت کے نزدیک نہیں گئے۔ اور ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا۔ اور اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا کر دی کہ قوم اس پروگرام کو چلانے کے قابل ہو سکے..... (ایضاً ص ۳۱۵)

مذکورہ اقتباسات میں جہاں عدم استعداد کی نسبت قوم کی طرف کی گئی ہے کہ قوم کے اندر بین الاقوامی حکومت چلانے کی استعداد پیدا نہ ہو سکی، وہاں تو اعتراض کی گنجائش نہیں لیکن جہاں عدم استعداد کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی گئی کہ حضرت موسیٰ قوم کے اندر یہ استعداد پیدا نہ کر سکے۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ناکام نبی ثابت کرنے کا تصور پایا جاتا ہے، جو بہر حال انتہائی گمراہ کن ہے، نیز ان اقتباسات میں یہ تصور بصراحت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی پروگرام لیکر آئے تھے۔ اور ان کی شریعت عالمی تھی حالانکہ اسی ”المقام المحمود“ میں متعدد مقامات پر اسکی نفی و تردید مذکور ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ

(۱) قانون موسویٰ ایک خاص وقت تک اور ایک خاص قوم کیلئے مخصوص تھا۔ اور صرف اسی قوم کا متکفل و ضامن تھا۔ اس کو اب منسوخ کر کے اس کی بجائے اعلیٰ دائمی قانون فطرت دیا جا رہا ہے۔ الغرض اس جگہ آیت (ما ننسخ من ایه او ننسہا پ ۱، البقرہ ۱۰۶) میں موسویٰ قوانین کو منسوخ کرنے کا ذکر ہے..... (ایضاً ص ۲۹۴)

(۲) اس آیت (تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض پ ۳۔ البقرہ ۲۵۳) میں بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی روحانی تکمیل کیلئے روانہ کئے گئے۔ اور دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں۔ اور ان کی فضیلت کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ اور قرآن شریف کی بہت سی آیات اس شہادت کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ اس کا مکرر ذکر آتا ہے۔ اور انبیاء کو جو فردا فردا فضیلت دی گئی۔ ان تمام کا مجموعہ ہم نے آپ میں جمع کر دیا ہے۔ اسی واسطے آپ کو رحمۃ للعالمین کا خطاب دیا گیا۔ کیونکہ آپ دنیا کی تمام

قوموں کیلئے رحمت بن کر آئے۔ اور ایک بین الاقوامی قانون تمام دنیا کے روبرو پیش کر کے اس کو کامیاب بنا دیا۔ اور ایسا انقلاب دنیا میں دکھایا کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی..... (ایضاً ص ۴۰۱)

اب ان دونوں اقتباسات کو بار بار ملاحظہ فرمائیے۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور قانون ایک خاص وقت اور ایک خاص قوم یعنی اسرائیل کیلئے تھا۔ جو اسی قوم کا متکفل و ضامن تھا۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں صرف بنی اسرائیل کی روحانی تکمیل و تربیت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کے برعکس ان انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ فضیلت دی گئی کہ آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے جملہ اوصاف حمیدہ کا مجموعہ بنا دیا گیا۔ آپ کو رب العالمین کی طرف سے رحمتہ للعالمین کا خطاب ہوا۔ اور آپ کو بین الاقوامی دستور حیات و دائمی قانون فطرت سے نوازا گیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب قانون و پروگرام صرف بنی اسرائیل کیلئے دیا گیا تو اسے بین الاقوامی شکل دینے کے کیا معنی؟ اور اس کے لئے کوششیں چہ معنی دارد؟ کیا یہ منصبی ذمہ داریوں سے تجاوز نہیں؟ اور کیا بنی اس تجاوز کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ بہر حال ”تفسیر المقام“ کے دونوں مذکورہ نظریئے آپ ملاحظہ فرما چکے۔ ان متضاد نظریات کی روشنی میں فیصلہ کر لیجئے کہ یہ تفسیر کس حد تک عصری تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے؟ اور فکری حضرات کا اس پر نظریاتی اعتماد کیا گل کھلا سکتا ہے؟

دو شاگردوں کا خوفناک ٹکراؤ!

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ دونوں نظریات میں سے حضرت سندھیؒ کا نظریہ کونسا ہے؟ وہ دستور عیسویؑ اور قانون موسویؑ کو بین الاقوامی تسلیم کرتے ہیں یا صرف بنی اسرائیل کیلئے؟ ہمارے خیال میں وہ اس نظریہ میں بھی اسلاف امت سے الگ نہیں ہیں۔ اور قانون موسویؑ و دستور عیسویؑ کو صرف بنی اسرائیل کیلئے ہی تسلیم

کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظریہ کے بارہ میں بھی حضرت سندھیؒ کے دونوں شاگردوں (علامہ موسیٰ جار اللہ اور مولانا عبد اللہ لغاری) کی تحریرات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اور دونوں کی املائی تقاریر ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ چنانچہ مولانا عبد اللہ لغاری اپنی املائی تقاریر میں فرماتے ہیں کہ

بنی اسرائیل سے پوچھو! ان کو بھی بین الاقوامی قانون دیا گیا۔ جس پر عمل کرنے سے وہ پہلے پھلے پھولے اور جب انہوں نے اس کو تبدیل کر دیا، اور اس قانون کو اپنی قومیت کے سانچے میں ڈھال دیا تو ان پر سخت عذاب آ گئے۔ اور ان سے حکومتیں چھینی گئیں۔ اور غیر قوموں کے ماتحت رہ کر فنا ہو گئے، اسی طرح تم بھی اگر اس بین الاقوامی قانون پر دیا نندار نہ طور پر چلتے رہو گے۔ تو ہمیشہ تمہاری کامیابی ہوگی۔ ورنہ تم بھی فنا ہو جاؤ گے..... (المقام المحمود جلد اول ص ۱۶۷)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اسرائیل کو بین الاقوامی قانون دیا گیا۔ جس پر ابتداء انہوں نے عمل بھی کیا۔ اور اس کی وجہ سے وہ پھولے پھلے بھی۔ (اس سے تو بظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں بین الاقوامی حکومت چلانے کی اہلیت واستعداد پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔ وگرنہ بغیر اہلیت واستعداد کے ابتداء بین الاقوامی حکومت چلانے اور اس کے ذریعہ پھلنے پھولنے میں کیسے کامیاب ہو سکتے تھے؟) لیکن بعد میں اس قوم نے انبیاء کرامؑ کے ذریعہ فراہم کردہ بین الاقوامی قانون الہی کو محدود کر کے قومیت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ جس کی وجہ سے وہ ناکام و نامراد ہو گئے۔ اور غیر قوموں کے ماتحت رہنے پر مجبور ہو گئے۔ جبکہ اس کے برعکس علامہ موسیٰ جار اللہ اپنی تقاریر میں فرماتے ہیں کہ

اجنبی امتوں (یعنی غیر بنی اسرائیلی اقوام، بشیر) کو دعوت بنی اسرائیل میں داخل کرنے کا باب اس معاملہ میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) حواریوں نے آغاز کیا۔ پہلے انہوں نے اختلاف کیا کہ آیا وہ غیر بنی اسرائیل کو اپنی جماعت میں داخل کریں یا نہ کریں۔ اتفاق اس پر ہوا کہ نہ کریں۔ اس کے بعد (حواریوں میں سے صرف) پولس اپنی محبت سے دعوت مسیحیت کو عام کرنے کیلئے تیار ہوا۔

اور تمام اقوام کو (اپنی دعوت میں) شامل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ کتاب (بائبل میں) مرسل کے اعتماد پر مشتمل ہے۔ اور اناجیل کا تمہ ہے۔ ہم نے حکمت ولی اللہؑ سے اچھی طرح سمجھا ہے کہ وہ خلفاء راشدینؓ کا زمانہ (یعنی خلافتِ منطوقہ، بشیر) فتنہ (قتل عثمان غنیؓ) تک شمار کرتے ہیں، کہ وہ اعمال بنی کا اتمام وہاں تک سمجھتے ہیں۔ دعوتِ مسیحیہ بھی پولس کے بعد ایسی ہیں جیسے اسلام فتنہ کے بعد کہ اس میں غیر صحیح اشیاء شامل ہو جاتی ہیں۔ لیکن دعوتِ وسیع ہو جاتی ہے۔ اور اصل دین کے ساتھ فطرت ظاہر ہوتی ہے۔ پس جب لوگ ایک مسلک پر جمع ہو جائیں، اور اس میں کثرتِ تامہ پائی جائے تو فطرتِ اپنی حقیقت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، اگر اس میں اغلاط واقع ہو جائیں تو وہ بخش دی جاتی ہیں۔ اسی طرح دعوتِ مسیحیت نے ترقی کی۔ حتیٰ کہ روم شرقیہ کو نصرانیہ میں داخل کر لیا۔ یہ مسیحیت کا انقلابِ جدید تھا۔ اور اس میں اغلاط واقع ہوئی ہیں۔ اور حرکت آگے بڑھی ہے (الہام الرحمن جلد اول ص ۲۴۸).....

قطع نظر باقی بحثوں کے اس اقتباس کو غور سے ملاحظہ فرمائیے تو صاف معلوم ہوگا کہ بنی اسرائیل کے پاس دستوری موسوی یا آئینِ عیسوی کی شکل میں موجود پروگرام بین الاقوامی نہ تھا، بلکہ صرف قومی تھا۔ جسے بعد میں ملتِ مسیحیہ کے ایک ترجمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام نہاد حواری پولس نے خود تراشیدہ تعلیمات کے ذریعہ قومیت کے دائرہ سے نکال کر بین الاقوامیت کے میدان میں اتار دیا۔ یاد رہے کہ پولس وہی نام نہاد حواری ہے جو یہودی گھرانہ کا فرد تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو ان کے سامنے جھٹلاتا رہا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد ایک من گھڑت خواب کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کا دعویٰ کر کے خود کو ان کے حواری میں شامل کر لیا۔ ایک طویل عرصہ تک باقی حواریوں کی نظر میں ناقابلِ اعتماد رہا۔ رفتہ رفتہ اپنی محنت و ذہانت کے بل بوتے پر تمام حواریوں کو پیچھے چھوڑتا چلا گیا۔ اور مسیحی تعلیمات کو اپنے خود ساختہ عقائد و افکار کے سانچے میں ڈھالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ حقیقت پوری طرح واضح و آشکارا ہے کہ موجودہ مسیحی مذہب کا بانی

و موجود پولس ہی ہے۔ بہر حال ہمیں فی الحال اس سے غرض نہیں کہ جدید مسیحی مذہب کا بانی کون ہے؟ آپ اس وقت صرف حضرت سندھی کے دو شاگردوں کی املائی تقاریر کا فرق و تضاد ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) ایک شاگرد (مولانا عبداللہ لغاری) کہتا ہے کہ مجھے حضرت سندھی نے لکھوایا کہ بنی اسرائیل کو قانون تو منجانب اللہ بین الاقوامی ملا تھا۔ جس پر ابتداء وہ عمل پیرا بھی رہے۔ لیکن بعد میں انہوں نے اس بین الاقوامی قانون کو قومیت کے سانچے میں ڈھال کر محدود کر دیا۔

(۲) جبکہ دوسرا شاگرد (علامہ موسیٰ جار اللہ) کہتا ہے کہ مجھے حضرت سندھی نے لکھوایا کہ بنی اسرائیل کو قانون تو قومی ملا تھا۔ لیکن انہوں نے بعد میں ایک خود ساختہ حواری پولس کے ذریعہ اسے بین الاقوامی شکل دیکر وسیع کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ ان میں سے کونسا نظریہ صحیح اور حضرت سندھی کا ہے؟ فکری حضرات ان میں سے کونسا نظریہ اختیار کرتے ہیں؟ کیا وہ اس کی وضاحت پسند فرمائیں گے؟

﴿ اٹھارویں فکر فاسد ﴾

حکمت قرآن محفوظ، قانون قرآن غیر محفوظ!

فکری حضرات وحدت انسانیت پر مشتمل نظام جدید لانے کے شوق میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے قانون قرآن کو بھی قابل ترمیم و تغیر قرار دے دیا۔ چنانچہ سید مطلوب علی زیدی فرماتے ہیں کہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ تمام انسانوں میں ایک وحدت فکری ہے۔ اور ان میں یہی ایک نقطہ اشتراک ہے، جس سے ادیان، اجناس اور اقوام کے اختلافات کم ہو سکتے ہیں۔ نیز قرآن اور دوسری الہی کتابیں اسی وحدت فکری کی ترجمان ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب نے اپنی ایک ملت (جماعتی تنظیم) بنائی، اور اس ملت کو اپنے لئے شریعت یعنی قانون بنانے کی ضرورت پڑی ایک

ملت نے ایک وضع اختیار کی اور دوسرے ملت نے دوسری وضع۔ ایک کی شریعت کچھ اور تھی، اور دوسری کی کچھ اور۔ اب اگر ہم ان تمام ادیان کی وحدت مان بھی لیں تو شریعتوں کے ان اختلافات کا کیا جواب ہے؟ بات یہ ہے کہ قانون نتیجہ ہوتا ہے ایک خاص قوم کے خاص حالات اور خاص زمانے کے تقاضوں کا زمانہ بدلتا ہے تو اس کے ساتھ اسکے تقاضے بھی بدلتے ہیں۔ اور حالات میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ ”کل یوم ہونی شان“ یعنی ہر نیا زمانہ ”شان اللہ“ ہے۔ اور اللہ کے ”شوون“ کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی حساب۔ نئے زمانہ کو نہ ماننا اور اس کے تقاضوں کا انکار کرنا ”شوون اللہ“ کا انکار کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کی تعلیم کا صحیح تجربہ کیا۔ حکمت جو دائمی، سرمدی اور عالمگیر ہے، اس کو قانون سے نمایاں کر کے دکھایا، چونکہ قانون کا قوم کے مزاج اور حالات سے متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے، اس لئے قانون ابدی اور سرمدی نہیں ہو سکتا۔ ابدیت صرف حکمت کو ہے۔ اور قانون کی حیثیت ایک نمونہ و مثال کی ہوتی ہے۔ الغرض قرآن نے جو حکمت پیش کی ہے وہ ابدی ہے۔ اب اگر قرآن کو یوں سمجھا جائے تو آدمی ہر عامی و فاضل (عام و خاص) کو قرآن کا مفہوم ذہن نشین کرا سکتا ہے۔ اپنے مذہب والے کو بھی سمجھا سکتا ہے اور غیر مذہب والے اور لامذہب کو بھی قائل کر سکتا ہے، میرے خیال میں ہر وہ شخص جو سوچتا ہے، اور سوچ سمجھ کر دنیا میں چلنے کا خیال رکھتا ہے، وہ کسی مذہب کا ہو، یا اس کا کوئی مذہب نہ ہو وہ قرآن کے اس مفہوم کو ضرور مانے گا۔ مقصد یہ ہے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ لازماً زندگی کے مظاہر بدلتے جاتے ہیں۔ لیکن مظاہر کی تبدیلی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اب زندگی کی اصل میں بھی کوئی فرق آگیا ہے۔ بے شک قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک زمانہ میں ایک خاص مظہر میں جلوہ گر ہوا۔ اب ضروری نہیں کہ وہ دوسرے زمانہ میں پھر بعینہ اسی صورت میں ظاہر ہو۔ صحابہؓ کے زمانہ میں تیر و کمان، تلوار اور ڈھال سے جہاد ہوتا تھا۔ اور مجاہدین اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کو نکلتے تھے۔ اب قرآنی تعلیم نے اگر کبھی اپنے پیروکاروں کو جہاد پر آمادہ کیا تو ضروری نہیں کہ پھر تلوار، ڈھال، اونٹ اور گھوڑوں کی نوبت آئے۔

اسی طرح خلافت راشدہ کے دور میں مساوات اور انصاف کا اصول ایک خاص نہج پر نافذ ہوا۔ اب زندگی بہت کچھ بدل گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی کی ضرورتیں بھی بدل گئی ہیں۔ اس لئے مساوات اور انصاف کا حلقہ اثر بھی بہت وسیع ہوگا۔ یعنی مقاصد تو وہی رہیں گے۔ لیکن ان کی عملی شکل حالات و اسباب کی تبدیلی کی وجہ سے پہلی سی نہ ہوگی۔ اصل مقصد کا تعلق حکمت سے ہے، اور عمل شکل کا نام قانون ہے..... (شعور و آگہی ص ۲۱-۲۲)

لیجئے! مذکورہ طویل اقتباس کو بار بار ملاحظہ فرمائیے۔ اور اندازہ کیجئے کہ قانون کے نام سے کس چیز کا انکار کیا جا رہا ہے۔ یعنی حکمت قرآن کی عملی شکل کو قانون قرآن کا نام دے کر اسے غیر محفوظ اور قابل تغیر قرار دیا جا رہا ہے۔ اس مقام پر یہ حقیقت ذہن میں رکھیے کہ حکمت قرآن کی عملی شکل و صورت کا نام ہی اسلافِ اہل سنت کے نزدیک سنت رسولؐ ہے۔ اور سنت رسولؐ، حکمت قرآن کی طرح ہی دائمی ہے۔

سنت کے بارہ میں پرویزی نظریہ!

سنت کو دائمی قانون کی حیثیت سے تسلیم نہ کرنے کا تصور عصر حاضر کے معروف منکر حدیث چوہدری غلام احمد پرویز کا ہے۔ چنانچہ چوہدری غلام احمد پرویز لکھتے ہیں کہ قرار داد مقاصد میں روش عامہ کی تقلید میں کتاب و سنت کو بطور ابدی قوانین کے لکھ دیا گیا ہے اور یہ نہیں سوچا گیا کہ جب آپ سنت یعنی احادیث کو دستوری طور پر اپنا آئین قرار دیں گے تو عملی طور پر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کیونکہ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، احادیث سے یہ مقصود تھا ہی نہیں کہ وہ قیامت تک کے لئے نافذ العمل رہیں گی۔ بلکہ وہ ایک خاص زمانہ کے مخصوص معاشرہ کے مخصوص عملی مسائل کے حل کرنے کیلئے تھیں۔ اس لئے اگر آپ اپنے موجودہ معاشرہ کو جبکہ ہمارے تقاضے بدل چکے ہیں۔ ان احکام میں جکڑ دیں گے جو ایک خاص زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر مرتب کئے گئے تھے۔ تو آپ کا معاشرہ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکے گا..... (قرآنی دستور پاکستان ص ۳۵)

ہمارے ہاں قرآن و سنت یا قرآن و حدیث کے الفاظ اس انداز سے استعمال

کئے جاتے ہیں، جس سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں غیر متبدل ہیں۔ اور جس طرح قرآن کے کسی حکم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، اسی طرح جو کچھ کتب احادیث میں لکھا ہے۔ ان میں بھی کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کیا جاسکتا۔ طلوع اسلام کے صفحات پر اس حقیقت کو پوری وضاحت سے بہ تکرار پیش کیا جا چکا ہے کہ یہ مفہوم نہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق..... (ایضاً ص ۳۱)

گویا پرویزی جماعت سنت نبویؐ کو موجودہ سماجی تقاضوں کے خلاف اور قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتی ہے۔ اور یہ صرف سنت نبویؐ ہی کیلئے نہیں بلکہ وہ قرآن پاک کے بھی بعض احکامات کو عبوری دور کے فیصلے قرار دیکر اسلامی نظام کی روح کو فنا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ چنانچہ جناب پرویز لکھتے ہیں کہ

قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے۔ اسلئے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول اور احکام متعین کرتا ہے، عبوری دور کیلئے بھی ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے۔ وراثت، قرضہ، لین دین، صدقہ و خیرات سے متعلق احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں۔ جس میں سے معاشرہ گزر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے..... (نظان ربوبیت ص ۲۵)

یعنی قرآن پاک کے اندر بھی متعدد فیصلے مستقل اور دائمی نہیں۔ بلکہ عبوری دور کیلئے ہیں۔ اب فکری اور پرویزی دونوں نظریات کو باہم ملا کر دیکھئے تو نتیجہ ایک ہی برآمد ہوگا۔ دونوں قرآنی فیصلوں کو قابل تغیر و تبدل تسلیم کرتے ہیں۔ اور دونوں سنت کی دائمی حیثیت سے انکاری ہیں۔ جبکہ اہلسنت اس تصور کو قبول نہیں کرتے۔ زیدی صاحب کے مذکورہ اقتباس میں قانون کی دو مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی عہد صحابہؓ کے جنگی آلات کی۔ حالانکہ ہر ذی شعور جانتا ہے کہ آلات و اسباب قانون نہیں کہلایا کرتے۔ لہذا عصر حاضر میں ایٹمی جنگی آلات کا استعمال قانون عہد صحابہؓ کے منافی قرار نہیں پاتا۔ اور دوسری مثال میں عہد صحابہؓ کے قانون مساوات و انصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے فکری تحریک کی

ذہنیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ وہ عہد نبویؐ و عہد صحابہؓ کے قانون انصاف و مساوات کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ وہ قانون انصاف و مساوات اشتراکی قانون سے قطعی مختلف ہے۔ اس اعتبار سے فکری تحریک کا اشتراکی ذہن اسے کیسے قبول کر سکتا ہے؟ بہر حال یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ فکری تحریک احکامات قرآن کی عملی شکل کو (جو عہد نبویؐ و عہد صحابہؓ میں موجود تھی) دائمی تسلیم نہیں کرتی۔ اور اسے ہر دور میں وقت کے تقاضوں کے مطابق بدلنا چاہتی ہے، معلوم نہیں فکریوں کے نزدیک لفظ کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کا مفہوم و مقصود کیا ہوگا؟ یہاں ہم یہ بات بھی واضح کر دیتا چاہتے ہیں کہ اسلاف امت کے نزدیک تمام انبیاء کرامؑ کا دین ایک ہے۔ البتہ شریعتیں جدا جدا ہیں۔ اور یہ شریعتیں امتوں نے خود نہیں بنائیں۔ بلکہ انہیں مخائب اللہ ملی ہیں۔ اسی لئے کسی نبی کی شریعت کو اس کی امت کے افراد بدلنے کا اختیار ہرگز نہیں رکھتے۔ بلکہ شریعت کو منسوخ یا اس میں ترمیم کرنے کا اختیار بھی صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہیں۔

یہ ایک مسلمہ اور بے غبار حقیقت ہے کہ دستور اسلامی کی بنیادی دفعات اور اس کے منصوص و مخصوص مسائل و احکام، ناقابل ترمیم اور ناقابل تغیر ہیں۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی اتھارٹی کے پاس ان میں ترمیم و تغیر کا اختیار موجود نہیں۔ جبکہ تفسیر المقام المحمود میں دستور اسلامی کے اندر ترمیم کو جائز اور ممکن تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس کی بنیاد دنیا کے دیگر دساتیر پر رکھی گئی ہے کہ جس طرح باقی دساتیر میں ترمیم ہو سکتی ہے، دستور اسلامی میں بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبد اللہ لغاری فرماتے ہیں کہ

الیوم اکملت لکم دینکم میں بھی اشارہ ہے کہ اس نبیؐ نے اپنی قوم میں بین الاقوامی پروگرام کی استعداد پیدا کر دی ہے۔ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ اگرچہ ترمیم بدستور ہوتی رہے گی۔ جس طرح ہندوستان میں تعزیرات ہند کا قانون بنا دیا گیا ہے۔ اس میں ضرورت کے مطابق ترمیم بدستور ہوتی رہتی ہے۔ ترمیم کرنے کیلئے اجماع امت کا قیام ضروری ہے۔ یعنی مسلمانوں کی کثرت رائے سے جو پاس ہو، وہ واجب العمل ہے، شروع صدی میں مسلمان اس پر عمل کرتے رہے۔ مگر تیمور کے حملہ کے بعد ان کے خیالات نے پلٹا کھایا.....

.....(المقام المحمود جلد اول ص ۳۱۵)

یہ نکتہ آفرینی انتہائی قابل غور ہے کہ دستور اسلامی (یعنی قرآن و سنت) تعزیرات ہند کی طرح ہے۔ جس طرح ہر آنے والی پارلیمنٹ یا قانون سازی کے کسی بھی ادارہ کے پاس اس میں ترمیم و تغیر کا اختیار ہے، اسی طرح ہر آنے والی حکومت اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق دستور اسلامی میں ترمیم و تغیر کا اختیار رکھتی ہے۔ اور دستور اسلامی میں ترمیم کی گنجائش موجود ہے۔ البتہ یہ ترمیم صرف اجماع امت کے ذریعہ ممکن ہے۔ اور اجماع امت کو یہاں مسلمانوں کی کثرت رائے (یعنی عمومی جمہوریت) سے جو تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ بذات کو ایک خطرناک نوعیت کی گمراہی ہے۔ کیونکہ اسلاف امت کے نزدیک اجماع امت، مسلمانوں کی عمومی کثرت اور مروّجہ جمہوریت کا نام نہیں بلکہ امت کے صحیح العقیدہ اسحاب علم و فہم اور ارباب دیانت و بصیرت کی کسی مسئلہ پر متفقہ رائے کا نام ہے۔

پھر اجماع امت کا تعلق منصوص مسائل و احکام میں ترمیم سے نہیں، بلکہ ان کی توضیح و تشریح سے ہے۔ البتہ جدید اور غیر منصوص مسائل کا حل بذریعہ اجتہاد، اصحاب علم و فہم کی متفقہ یا کثرت رائے سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں یہ اشکال پیدا کیا جائے کہ اس جگہ منصوص مسائل و احکام میں نہیں بلکہ غیر منصوص اور اجتہادی مسائل میں ترمیم مراد ہے، لیکن مذکورہ اقتباس کو ایک بار پھر بار بار ملاحظہ فرمائیے۔ کہ ترمیم کی اجازت دستور اسلامی کی ان دفعات اور ان مسائل و احکام میں دی جا رہی ہے جن کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہو چکی ہے۔ اور جنہیں قرآن مقدس اتمام نعمت سے تعبیر کرتا ہے۔ اور وہی منصوص مسائل و احکام ہیں۔ اگر اس وضاحت سے بھی یہ ذہنی اشکال رفع نہ ہو تو لیجئے ہم دوسری صاف اور غیر مبہم عبارت پیش کئے دیتے ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا الغاری فرماتے ہیں کہ

ہمارے فقہاء میں بھی اس قسم کی بات موجود ہے کہ مسلمانوں کے فقہاء و علماء متفقہ طور پر جس مسئلہ یا بات کے متعلق سوچیں (اسے اجماع کہا جاتا ہے) تو ان کا اس کے متعلق متفقہ فیصلہ نبی ہی کی مانند ہوتا ہے۔ وہ قرآن مجید کے مخصوص احکام

کومتوی کر سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی مبہم آیات کی جو تشریح وہ کریں وہی معین ہے جس زمانہ میں مسلمانوں نے ترقی کی ہے۔ انہیں یہ عقل تھی کہ انہوں نے اس (اجماع امت) کو قاعدہ بنالیا۔ مگر اس کے برعکس اب ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے عالم نہیں سمجھ سکتے کہ اجماع کا کیا مطلب ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس معاملہ کے ہمارے تمام شکوک رفع کر دیئے ہیں۔ اور اب ہم اجماع کا مطلب بخوبی سمجھتے ہیں۔ اور اس اجماع کا نام ہماری اصطلاح میں آج ”سنٹرل کمیٹی“ ہے..... (ایضاً ص ۲۶۹)

لیجئے! اب تو بات پوری طرح واضح ہو چکی کہ اجماع امت اس قدر باختیار ہے کہ وہ قرآن پاک کے مخصوص ومنصوص احکام بھی ملتوی کر سکتا ہے۔ کیا ایسا واقعی طور پر بھی ممکن بھی ہے؟ اور کیا عروج اسلام کے دور (یعنی عہد خیر القرون) میں اس کی کوئی نظیر موجود بھی ہے؟ قرآن پاک کے وہ کونسے مخصوص ومنصوص مسائل ہیں جو تیور کے حملہ سے قبل مسلمانوں کے عہد ترقی میں بذریعہ اجماع امت ملتوی کئے گئے؟ کم از کم ہمارے سامنے اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔

جہاں تک اجماع امت کے فرائض واختیارات کا تعلق ہے تو مذکورہ اقتباس میں اس کے دو فرائض متعین کئے گئے ہیں۔ پہلا قرآن پاک کے مخصوص ومنصوص احکامات ملتوی کرنے کا۔ دوسرا قرآن پاک کی مبہم آیات کی تشریح وتوضیح کا۔ جہاں تک دوسرے فریضہ کا تعلق ہے تو اس سے کسی کیلئے انکار کی گنجائش موجود نہیں۔ اور یہ چودہ سو سالہ تاریخ اسلامی کی تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ لیکن پہلا فریضہ کسی صورت بھی قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ اجماع امت کی شرعی حیثیت ”دستور ساز ادارہ“ کی نہیں، بلکہ دستوری دفعات کی توضیح وتشریح کرنے والے ”اتھارٹی کمیشن“ کی ہے۔ لہذا اس ”اتھارٹی کمیشن“ کے پاس دستوری دفعات کو کالعدم قرار دینے یا مخصوص احکام کو ملتوی کرنے کا اختیار ہرگز نہیں ہے۔ قرآن وسنت کے منصوص ومنصوص احکام کو کالعدم قرار دینا یا ان کو ملتوی کرنا نری گمراہی ہے، جبکہ اجماع امت کے متعلق فرمان نبویؐ ہے ان اللہ لا یتجمع امتی علی الضلالة کہ بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کا اجماع کسی گمراہی پر نہیں کرے گا۔ بہر حال

جمہوریت یا کسی ”سنٹرل کمیٹی“ کے ذریعہ قرآن کے منصوص احکامات کو ملتوی کرنے کا نظریہ حضرت سندھیؒ کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ فکری حضرات کا ہی نظریہ ہے، اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔

دلچسپ لطیفہ!

یہاں اس حقیقت کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مذکورہ تفسیر ”المقام المحمود“ میں ایک طرف دعویٰ یہ ہے کہ ایک اجماع امت نبی کی طرح معصوم اور ایسی قطعی حجت ہے کہ اسکے ذریعہ قرآن پاک کے منصوص احکام بھی ملتوی کئے جاسکتے ہیں۔ اور دوسری طرف نظریاتی حالت یہ ہے کہ اجماع امت کے حوالہ سے مسلمہ و متواتر اجماعی احکام و مسائل سے اعلانیہ بغاوت بھی کی جا رہی ہے۔ جس کی متعدد مثالیں سطور بالا میں گزر چکی ہیں کیا حضرت سندھیؒ کے فکر و فلسفہ میں ایسا خوفناک تضاد ممکن ہے؟

﴿ انیسویں فکر فاسد ﴾

اجماع امت احکامات قرآنیہ ملتوی کر سکتا ہے۔

.....

﴿ بیسویں فکر فاسد ﴾

معاشی مساوات کا اشتراک کی نظریہ!

فکری حضرات اگر اسلام کے خالص نظام معیشت کے بارہ میں بھی جدوجہد کرتے تو بھی کم از کم اس حد تک ان سے اختلاف کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن بد قسمتی سے انہوں نے اسلامی نظام معیشت کے نام پر برسرعام اشتراکیت کی راہیں ہموار کرنی شروع کر دیں۔ حالانکہ اشتراکیت کا نظام معیشت اسلام کے نظام معیشت سے سراسر متضاد ہے۔ اور اشتراکیت کا معاشی مساوات کا تصور تو سراسر خلاف اسلام ہے اور فطری اصولوں کے بھی منافی ہے۔ لیکن فکری ترجمان چوہدری عبدالرؤف صاحب اشتراکیت کے معاشی مساوات کے تصور کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اس کا صرف یہ حل ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کو پیداواری یونٹ کا مالک بنانے کی بجائے ورکروں کی نمائندہ تنظیموں کے ذریعہ عوامی انتظامیہ اور حکومت کے اشتراک عمل سے صنعتکاری کو بڑھایا جائے۔ ہمارا دین اسلام تو دولت کی تقسیم کا قائل ہے، اور امداد باہمی کے اصولوں پر تجارتی پالیسی وضع کرتا ہے..... (سیریز نمبر ۱۱ ص ۶)

گویا ذرائع معیشت سے شخصی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک اور فکری ترجمان ڈاکٹر منصور فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اس کی ربوبیت عالمگیر ہے۔ ہر فرد، ہر قوم اور ہر گوشہ وجود کیلئے ہے، چنانچہ اس کے نائب کیلئے لازم ہے کہ وہ انسانی اجتماع کیلئے جو نظام ترتیب دے، اس میں سامان معیشت کی مساویانہ تقسیم کا انتظام ہو۔ تمام افراد معاشرہ اپنی نشوونما کیلئے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ ضرورتیں پیش آتی رہیں، ان سب کا بندوبست ہوتا رہے..... (سیریز نمبر ۱۱ ص ۱۲)

یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ جب معاشرہ میں ایسا غیر عادلانہ نظم زندگی رائج ہو، جس میں اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کے سبب دولت اور ذرائع پیداوار کی مساویانہ تقسیم میں خلل واقع ہو جائے تو دو طبقات بن جاتے ہیں..... (ایضاً ص ۱۵) یعنی ذرائع معیشت سے شخصی ملکیت کا خاتمہ اور سامان معیشت کی مساویانہ تقسیم فکری تحریک کے پروگرام میں شامل ہے، حالانکہ یہ نظام اسلام کے بھی خلاف ہے اور فطرت کے بھی منافی، چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ

دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار (ذخیرہ اندوزی) اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا رد فعل پیدا ہو، چنانچہ اٹھارویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں۔ اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اسکا اولین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے، اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے تو کیا ایسا نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس کا رخ بھی اسی طرف

ہے، جس طرف سوشلزم جا رہا ہے، بلاشبہ سمجھا جاسکتا ہے، لیکن ایک خاص درجہ تک۔ اور اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔ دو صورتیں ہیں اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔ ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائل دولت کا احتکار روک دیا جائے۔ اور کمانے والے کو فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور دیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کیلئے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی۔ اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سبکی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں۔ اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدوجہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ بالفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اسکا ہے..... دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے۔ اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے۔ مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں۔ انفرادی قبضہ باقی نہ رہے۔ اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے..... قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے وہ پہلی ہے۔ اور سوشلزم جس کے لئے ساعی ہے وہ دوسری ہے..... (تفسیر ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۳۶)

گویا اسلام کا نظریہ معیشت اور سوشلزم کا نظریہ معیشت دونوں باہم متضاد ہیں۔ ایک فطری اور دوسرا غیر فطری ہے۔ فکری حضرات کا اسلام کے نام سے اشتراکی نظام کی حمایت و تائید کرنا ایک صریح دھوکہ ہے۔

﴿ اکیسویں فکر فاسد ﴾

نبوی تعلیمات کی بنیاد معاشی اصلاحات!

فکری حضرات فلسفہ الہیات کی بنیاد پر معاشی طبقات کو جدید تقاضوں کے

مطابق جدید نظام تشکیل دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ فلسفہ الہیات کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فکری پیرومرشد مولانا رائیپوری فرماتے ہیں کہ

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انقلابی دعوت و تاریخی جدوجہد! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں طبقاتی اونچ نیچ، معاشی ظلم اور سود کے خلاف آواز بلند کی تو سارے سردار اکٹھے ہو کر آگئے۔ ابوطالب سے کہنے لگے کہ تمہارے بھتیجے نے ہمیں بڑا تنگ کر رکھا ہے۔ سوسائٹی میں ہماری بے عزتی کرادی۔ ہمارے نظام کو نہیں مانتا۔ یوں کروا نہیں بھی بلاؤ، اور ہمارے درمیان طے کرادو کہ ایک دوسرے کے دین پر اعتراض نہیں کریں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ چچانے کہا یہ خاندان کے سردار تم تک اپنی بات پہنچانے اور تمہاری بات سننے آئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سامنے با آواز کہا کہ تم مجھے ایک کلمہ دیدو، میں پورے عرب کی حکومت دلوادوں گا۔ اور پورے عجم میں انقلابات لا کر سب کو ان کے ماتحت کر دوں گا۔ گویا انسانیت کے اعلیٰ اخلاق ان کو سکھاؤں گا۔ جس سے ان کی عزت بڑھ جائے گی۔ یہ آج چھوٹے قبیلے کے سردار ہیں، پھر عرب و عجم پر ان کی حکومت ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں ان کو بین الاقوامی حکومت دلانا چاہتا ہوں۔ آپ کی اس بات پر سارے سردار چونک اٹھے کہ اس کا نظریہ کچھ اور ہے۔ افسوس آج ہمارے معاشرے کے بعض نیک لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حکومت قائم کرنے کیلئے نہیں آئے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تقریر فرمائی تو وفد میں شریک قریش کہنے لگے۔ اچھا آپ ہمیں یہ مقام اور ہماری اتنی بڑی حکومت سے بنانا چاہتے ہیں تو کیا کلمہ پڑھیں۔ تو آپ نے فرمایا پڑھو (لا الہ الا اللہ) اور میری پارٹی میں آجاؤ۔ اس پر سرداران نے کہا کہ ذلت برداشت کر لیں گے۔ پیغمبر کے مشن پر نہیں آئیں گے..... (سیرہ نمبر ۱۷۸ ص ۹، ۱۰)

یعنی مکہ مکرمہ کے اندر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت عقائد کی بنیاد پر نہیں بلکہ طبقاتی اونچ نیچ، معاشی ظلم اور سود کے خلاف تھی۔ حالانکہ احکامات شرعیہ سے واقفیت رکھنے والا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ سود کی حرمت کا حکم ہجرت کے

بعد مدینہ منورہ کے اندر ۹ ہجری میں آیا۔ جس کا اعلان آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔ اسی طرح جملہ معاشی و معاشرتی احکامات بھی مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔ مکہ مکرمہ کے اندر دعوت کی بنیاد تو تقریباً عقائد و عبادات کی اصلاح تک محدود رہی۔ اور ان میں بھی توحید و رسالت کے عقائد سرفہرست رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکین مکہ کے وفد کو آپؐ نے منجانب اللہ یہ جواب دیا۔ قل یا یہا الکافرون اے پیغمبرؐ قرمادیتجئے اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں نتیجہ یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین۔ پیغمبرؐ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ مشرکین مکہ اور پیغمبرؐ کے درمیان اس وقت متنازعہ بنیادی امور کیا تھے؟ بلاشبک و شبہ پیغمبرؐ برحقؐ نے انہیں بین الاقوامی حکومت کا لالچ و وعدہ دیا تھا۔ لیکن اس کیلئے بنیادی شرط اللہ کی توحید اور پیغمبرؐ برحقؐ کی نبوت و رسالت تسلیم کرنے کی تھی۔ لیکن فکری حضرات اس خالص اعتقادی تصاد کو معاشی و معاشرتی کشمکش کا رنگ دیکر مسئلہ کے بنیادی نکتہ اور پیغمبرؐ برحقؐ کے اصولی موقف کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر مولانا رانیپوری فرماتے ہیں کہ

ہم نے حضورؐ کی تعلیمات کو نہ سمجھا۔ انہوں نے کیسی جماعت پیدا کی۔ جنہوں نے خود بھوکے رہ کر بھوک مٹائی۔ ظلم کے نظاموں کو توڑا۔ قوموں کو آزادی دلوائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کو خط لکھے کہ میرا نظام قبول کرلو۔ اگر تم نے نہ مانا تو ساری قوم کی بھوک کی ذمہ داری تم پر ہوگی..... (سیریز نمبر ۱۱۵ ص ۶)

ایک اور مقام مولانا رانیپوری فرماتے ہیں کہ

دنیا کی تمام نعمتیں تمام انسانوں کیلئے ہیں۔ جو جماعت اس کو انسانوں کیلئے عام کر دے وہی خلافت کے منصب سے عہدہ براہونے والی ہے، اس لئے قرآن فرماتا ہے کہ وہ جماعت جو زندگی کے تمام شعبوں میں خدا کے احکامات کو عملی زندگی میں لا کر اپنی پیشانی خدا کے سامنے جھکا کر طاغوت سے ٹکڑا جاتی ہے، وہی جماعت حقہ ہے۔ اور اگر مخلوق خدا بھوک، افلاس، ذلت، ککبت، اور جہالت میں

پڑ جائے تو اس بات کی واضح شہادت ہے کہ مذہبی طبقہ اپنے فرائض سے عہدہ برائے ہو رہا۔ اور ایسی جماعت حزب اللہ یا جماعت حقہ کہلانے کی حقدار نہیں رہتی..... (سیریز نمبر ۱۱۹ ص ۷)

فکری تحریک کے فکر صالح کی تان آخر معیشت پر ہی ٹوٹی ہے۔ اور اس کے نزدیک نبی اور جماعت حقہ کی بنیادی ذمہ داری صرف بھوک مٹانا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ معیشت عصر حاضر کا بہت بڑا مسئلہ ہے، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ معاشی اصلاح کیلئے اسلام سے بڑھ کر کوئی کارآمد نہیں..... لیکن تعلیمات نبوت کو صرف پیٹ اور روٹی کے مسئلہ پر لے آنا، اور فکری اور اعتقادی تصور کی بجائے اس کی بنیاد صرف معاشی اصلاحات و احکامات پر رکھ دینا، اسلام کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے، چنانچہ امام انقلاب حضرت سندھیؒ اپنے ایک مضمون بعنوان ”شاہ ولی اللہ کا نظریہ انقلاب“ میں فرماتے ہیں کہ

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشرہ کے ان مفسد کا ازالہ بھی تھا جو معیشت کے خراب طریقوں کی وجہ سے پیدا ہو چکے تھے..... (ماہنامہ الرحیم حیدر آباد، اپریل ۱۹۹۴ ص ۹)

یعنی نظام معیشت کی اصلاح پیغمبرؐ برحق کا بنیادی مقصد بعثت نہیں بلکہ مقاصد بعثت میں سے ایک جزوی مقصد تھا۔ اور بنیادی مقصد فکر و عقیدہ کی اصلاح تھا، کیونکہ پیغمبرؐ بنیادی طور پر انسان کی اخروی زندگی سنوارنے کیلئے آتا ہے۔ مولانا رائیپوری ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بھوک، افلاس اور غلامی میں نہیں دیکھنا چاہتا اور اس کے لئے اپنے محبوب بندوں پیغمبروں کو تکالیف اور مصائب کا راستہ اختیار کروایا، تاکہ انسانیت کو آزادی نصیب ہو..... (سیریز نمبر ۱۸۳ ص ۱۷)

گویا خدا تعالیٰ کی طرف سے الہامی تعلیمات کا لب لباب بھی صرف معاشی اصلاح تھا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام نے مصائب و آلام بھی صرف معاشی اصلاح کے لئے برداشت کئے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اب گذشتہ اوراق میں ”مذہب سے بیزاری“

کے عنوان سے ہمارے مضمون کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معاشی ریفاہ اور ان کے مخالفین کو مذہبی طبقات قرار دیکر قوم کو آخر کیا تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ انبیاء کرامؑ کے مقصد بعثت پر بات کرتے ہوئے حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابوں میں آپ کو اسلام کے اس تاریخی کردار کے بارہ میں اس طرح کے افکار ملیں گے جنہیں وہ اپنی کتابوں میں بار بار بیان کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک انبیاء کا کام فسادِ انسانیت کو ختم کر کے صالح انسانیت کیلئے سازگار حالات پیدا کرنا ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے وہ ائمہ انقلاب ہوتے ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے۔ اور وہ اس لئے کہ آپ کی دعوت سب سے زیادہ عالمگیر ہے..... (ماہنامہ الرحیم، اپریل ۱۹۹۴ء ص ۷)

قیصر و کسریٰ کو دعوت!

مولانا رائیپوری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ وہ پیغمبرِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعوتی خطوط کو بھی معاشی اصلاح کی دعوت پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ اور نظامِ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں قیصر و کسریٰ کو قوم کی بھوک کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اور جناب سید مطلوب علی زیدی اس بارہ میں فرماتے ہیں کہ

قیصر و کسریٰ کے نظام کو تباہ کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس کی بناء پر جمہور کی لوٹ کھسوٹ پر تھی۔ بادشاہ اس کے امیروں اور مذہبی طبقوں کا کام یہ رہ گیا تھا کہ وہ رعیت کے خون پسینہ ایک کر کے کمائی ہوئی دولت سے عیش کریں (شعور و آگہی ص ۳۷).....

حالانکہ ان سلطنتوں کا خاتمہ ان کی اعتقادی خرابیوں کی وجہ سے ضروری تھا۔ چنانچہ قیصر روم کے نام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مکتوبِ گرامی میں لکھا کہ

میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، پس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول

کر لیجئے۔ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے اوپر ہوگی..... (مکتوبات نبویؐ، مولانا سید محبوب رضوی ص ۱۱۰)..... بلاغ مبین یعنی مکاتیب سید المرسلین مولانا حفظ الرحمن سیوہاریؒ (ص ۱۱۳)

اور کسریٰ ایران کے نام اپنے مکتوب میں آپؐ نے لکھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تمام دنیا کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، تاکہ ہر زندہ انسان کو خدا کا خوف دلاؤں۔ اسلام قبول کر لیجئے اور محفوظ ہو جائیے اگر آپ نے انکار کیا تو تمام مجوسی (زرتشتی) کا گناہ بھی آپ کے ذمہ ہوگا..... (مکتوبات نبویؐ ص ۱۲۰..... بلاغ مبین ص ۱۲۴)

گویا قیصر و کسریٰ کو دی جانے والی دعوت کی بنیاد عقیدہ توحید، رسالت پیغمبرؐ، اور خوف خدا تھی۔ اسی لئے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ جب ان دونوں حکمرانوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تو ان دونوں کی حکومتوں کا خاتمہ ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کیا کہ ملت و دین کی کجی کو دور کیا جائے اور ایک ایسی امت اور قوم تیار کی جائے جو امر بالمعروف اور نہ عن المنکر کا فرض پوری قوت سے انجام دے، اور لوگوں کی فاسد رسوم کو یکسر تبدیل کر دے۔ تو یہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ ان دو بڑی سلطنتوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا جاتا کیونکہ انہی دو سلطنتوں کے حالات تمام متمدن اور صالح ممالک میں سرایت کئے ہوئے تھے۔ یا سرایت کرتے چلے جاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو سلطنتوں کے زوال اور قلع قمع کا فیصلہ کیا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی کہ ہلک کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ و ہلک قیصر ولا قیصر بعدہ کسریٰ ہلاک ہوا، اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا۔ اور قیصر ہلاک ہو گیا، اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ اور حق اس طور پر نازل ہوا کہ روئے زمین سے باطل کی جڑیں اس طریقہ سے اکھاڑ دی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے ذریعہ عرب سے باطل کا قلع قمع کر دیا گیا، اور پھر عرب کے ذریعہ

ان ہر دو جابر سلطنتوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اور پھر ان کے ذریعہ تمام عالم کی ماحول طاقتیں توڑ دی گئیں۔ اور دنیا سے باطل کے ناروا امور کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور دنیا کو پاک صاف کر دیا گیا..... (ماہنامہ الرحیم، اپریل ۱۹۶۴ء ص ۱۱)

دوسرے مقام پر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ”اقترا بات“ جن سے مراد قرب الہی کے حصول کے ذرائع اور ”ارتقا قات“ جو عبارت ہیں معاشی، سیاسی اور اجتماعی تدابیر سے شاہ صاحبؒ کے نزدیک اسلام ان دونوں کیلئے صراط مستقیم پیش کرتا ہے، اس نے قیصریت و کسریٰ کو ختم کر کے ”ارتقا قات“ میں راہ وسط پیدا کی۔ اور ہر قسم کے شرک کی تردید کر کے ”اقترا بات“ کا صحیح مقام معین کیا..... (ایضاً ص ۱۳)

یعنی قیصر و کسریٰ سے جنگ صرف مادی و معاشی بنیادوں پر نہ تھی۔ بلکہ دینی و روحانی بنیادوں پر تھی۔ البتہ اسلام کے دینی و روحانی غلبہ کیلئے قیصر و کسریٰ کا سیاسی تسلط ختم کرنا ضروری تھا۔

﴿بائیسویں فکر فاسد﴾

قیصر و کسریٰ کو دعوت معاشی خرابی کی وجہ سے!

.....

﴿تیسویں فکر فاسد﴾

سزائے اخروی سے انکار!

ہم گذشتہ اوراق میں حضرت سندھیؒ کے دو شاگردوں کے خوفناک تضاد کے تحت عرض کر چکے ہیں کہ ”تفسیر المقام المحمود“ میں کفار و فاسقین کی سزائے اخروی سے انکار کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

یعنی بندوں کو اس نے پیدا کیا تو ان کا ایک دن حساب بھی لے گا۔ حساب لینے سے یہ مدعا نہیں کہ انسان کو سزا دی جائے، بلکہ وہ ذات تو غفور و رحیم ہے..... (جلداول ص ۱۸۶)

اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ ”تفسیر الہام الرحمن“ میں اس نظریہ کی نفی موجود ہے، اب اگر اس نظریہ کو حضرت سندھیؒ کے مذکورہ اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ اصول پر پورا نہیں اترتا، کیونکہ مذکورہ پانچوں بزرگوں میں سے کسی کا بھی نظریہ نہیں۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نظریہ صرف ناقل (یعنی مولانا اللہ لغاری) اور اس تفسیر کو قابل اعتماد قرار دینے والے فکری حضرات کا ہے۔ اور باطل ہے۔

﴿ چوبیسویں فکر فاسد ﴾

کفار کیلئے عذاب الہی سے انکار!

ہم گذشتہ اوراق میں تفسیر المقام المحمود کا یہ نظریہ بھی نقل کر چکے ہیں کہ جہنم دارالسر نہیں بلکہ ایک ”مینٹل ہاسپٹل“ ہے۔ جہاں کفار و فساق کے ذہنی امراض کا علاج ہوگا۔ اور صحت یاب ہونے کے بعد ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ نظریہ بھی اجماع امت کے خلاف ہے۔ اور حضرت سندھیؒ کے مذکورہ اصول سے متصادم ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سمیت دیگر بزرگوں میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ و نظریہ نہیں۔ لہذا یہ بھی صرف ناقل اور فکری حضرات کا نظریہ ہے اور قابل گرفت ہے۔

﴿ پچیسویں فکر فاسد ﴾

نار جہنم سے مراد بخار جسم!

.....

﴿ چھبیسویں فکر فاسد ﴾

انکار شفاعت!

.....

﴿ ستائیسویں فکر فاسد ﴾

عذاب و ثواب سے مراد خوشی و غمی کی قلبی کیفیتیں

.....

﴿ اٹھائیسویں فکر فاسد ﴾

قبول توبہ سے مراد مادی و روحانی ترقی!

.....

﴿ انتیسویں فکر فاسد ﴾

نماز، روزہ مقصد نہیں، ذرائع مقصد!

.....

﴿ تیسویں فکر فاسد ﴾

زکوٰۃ عمال کے بغیر ناممکن!

.....

﴿ اکتیسویں فکر فاسد ﴾

منسوخ صور سے انکار!

قرآن پاک کی آیت ولقد علمتم الذین اعتمدوا منکم فی السبت فقلنا لهم کونوا قردة خامین۔
(پ ۱۔ البقرہ۔ ۶۵) کے تحت مولانا عبد اللہ لغاری فرماتے ہیں کہ

یعنی یوم السبت کی حرمت بھی (اے بنی اسرائیل) تم نے چھوڑ دی۔ یعنی قانون
شکلی اختیار کی۔ اس کی سزا میں تم انسانیت سے خارج ہو گئے۔ اور بندروں کے
اوصاف تم میں نمایاں ہو گئے۔ آیت کا ترجمہ ہے ہم نے ان کو کہا ہو جاؤ (مثل)
بندر۔ یعنی بطور حقارت فقرہ استعمال ہو رہا ہے۔ جیسا کہ کسی آدمی کو ایک کام سمجھایا
جائے اور اس کے بعد وہ اسے نہ کر سکے تو اسے گدھے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بعینہ
بنی اسرائیل کی حالت تھی۔ وہ ہر بار اپنے پروگرام کی تکمیل میں ناکام ہو رہے ہیں۔
اور ہر بار قانون الہی کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ انجیل میں ذکر آتا ہے کہ بنی
اسرائیل کی شکلیں تک بندروں میں تبدیل ہو گئیں۔ حالانکہ یہ قانون قدرت کے
صریحاً خلاف ہے۔ بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ان کی اب ذہنیت ہی تبدیل کر دی گئی....
(المقام المحمود اول ص ۲۶۶).....

حالانکہ یہ نظریہ جمہور اہل سنت اور اکابرین دیوبند کے اجماعی مسلک کے خلاف ہے۔ اسلاف امت اور اکابرین دیوبند اس بات پر متفق ہیں کہ یوم السبت کے بارہ میں حکم الہی کی خلاف ورزی کرنے والے بنی اسرائیلیوں کی شیطانی حقیقتاً بندروں کی شکلوں میں تبدیل کر دی گئیں، یہ محض تشبیہ نہ تھی۔ چنانچہ حضرت سندھیؒ کے استاد محترم حضرت شیخ الہندؒ مذکورہ آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ

بنی اسرائیل کو تورات میں حکم ہوا تھا کہ شنبہ کا دن خالص عبادت کیلئے مقرر ہے۔ اس دن مچھلی کا شکار مت کرو۔ وہ لوگ فریب اور حیلہ سے ہفتہ کے دن کا شکار کرنے لگے۔ تو اللہ نے ان کو مسخ کر کے ان کی صورت بندر کی سی کر دی۔ فہم و شعور انسانی موجود تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھتا تھا اور روتا تھا۔ مگر کلام نہیں کر سکتا تھا۔ تین کے بعد سب مر گئے۔ اور یہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے عہد میں ہوا.....
.....(تفسیر عثمانی ص ۱۳)

گویا حضرت سندھیؒ کے تفسیری اصول کے مطابق المقام المحمود کا مذکورہ نظریہ چونکہ خاندان ولی الہی اور اسلاف دیوبند میں سے کسی کا بھی نہیں۔ اس لئے یہ نظریہ حضرت ت سندھیؒ کا نہیں ہو سکتا۔ البتہ فکری حضرات کا یہ نظریہ ممکن ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ تفسیر عصری تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

﴿بتیسویں فکر فاسد﴾

معجزات احیاء موتی سے انکار!

قرآن مقدس میں مختلف اوقات کے اندر بطور معجزہ و کرامت مردوں کے زندہ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ اور جمہور ائمہ اہل سنت نے ان تمام واقعات کو صحیح و درست تسلیم کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ

(۱) قرآن پاک میں مذکور ہے کہ قوم کے شبہات زائل کرنے کی غرض سے اس کے شدید اصرار پر حضرت موسیٰؑ علیہ السلام قوم کے ۷۰ افراد کو کلام الہی سنانے کیلئے لے گئے۔ تو کوہ طور پر انہوں نے کلام الہی سننے کے بعد خدا تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کر دیا۔ اور بن

دیکھئے کلام الہی پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا۔ سرداران قوم کی اس جسارت پر حکم الہی سے آسمانی بجلی نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے خدا تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ جس کا تذکرہ قرآن پاک میں بایں الفاظ ملتا ہے ثم بعثنا کم من بعد موتکم لعکم تشکرون۔ (پ۱۔ البقرہ۔ ۵۶) اس آیت کے تحت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ

اس وقت کو بھی ضرور یاد کرو کہ باوجود اس قدر احسانات کے جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جب تک آنکھوں سے صریحاً خدا تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں۔ اس پر بجلی نے تم کو ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰ کی دعا سے ہم نے تم کو زندہ کیا۔ اور یہ اس وقت کا حال ہے کہ حضرت موسیٰ ستر آدمیوں کو منتخب فرما کر کہہ طور پر کلام الہی سننے کی غرض سے لے گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے کلام الہی کو سنا تو انہی ستر نے کہا اے موسیٰ پردہ میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے، آنکھوں سے خدا کو دکھاؤ۔ اس پر ان ستر آدمیوں کو بجلی نے ہلاک کر دیا..... (تفسیر عثمانی ص ۱۱)

لیکن تفسیر المقام المحمود میں اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ

جس طرح مریض کو سستہ کی حالت میں ڈاکٹر موت کا فتویٰ دیتا ہے۔ حالانکہ مریض کی موت واقع نہیں ہوتی اکثر دفعہ دیکھا گیا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس میں زندگی کے آثار دوبارہ آجاتے ہیں بعینہ بنی اسرائیل کی یہی حالت تھی۔ ان پر ایک ایسی حالت طاری کر دی گئی اور بعد میں ان کو اصل حالت پر لایا گیا۔ قرآن حکیم کی تعلیم کالب لباب یہ ہے کہ جب ملک الموت انسان کی روح کو قبض کرتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئے۔ ہاں انسان پر سستہ سی حالت طاری ہوتی ہے تو روحانی طور پر اللہ تعالیٰ کے بندے انہیں دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں..... (المقام المحمود ص ۲۴۹)

اس اصول کی بناء پر کہ ملک الموت کے ذریعہ جس کی روح قبض کر لی جاتی ہے، اس کی دنیا میں واپسی ناممکن ہو جاتی ہے۔ قرآن مقدس میں بطور معجزہ احیاء اموات کے

تمام واقعات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ قدرت الہیہ اور سنت الہیہ میں فرق کرنا بھی تعلیمات قرآن کا حصہ ہے۔

(۲) قرآن پاک میں ایک شخص (جس کا نام تفاسیر میں حضرت عزیرؑ لکھا گیا ہے) پر ایک سو سال تک موت طاری رکھ کے اسے دوبارہ زندہ کرنے اور اس کے سامنے اس کے مردہ گدھے کی بکھری ہوئی ہڈیاں از سر نو جوڑ کر اسے حیات نو عطا کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ لیکن تفسیر المقام المحمود میں اس سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ حوالہ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

(۳) قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں چار مختلف پرندوں کو ذبح کر کے ان کے اجزاء کو متفرق مقامات پر رکھنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر دوبارہ زندہ کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ تفسیر المقام المحمود میں اس سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ یہ حوالہ بھی گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

غرضیکہ ایک خود سناکتہ اصول کے تحت احیاء اموات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ جس کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ

یہ کہنا کہ حق تعالیٰ قرآن کریم میں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احادیث میں اعلان کر چکے ہیں کہ ازل سے ابد تک کسی مردے کو دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ نرا دعویٰ ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر اس نے قرآن میں فی مسک التی قضی علیہا الموت فرما کر یہ بتلایا کہ مرنے والے کی روح خدا تعالیٰ روک لیتا ہے۔ اور سونے والے کی اس طرح نہیں روکتا۔ تو یہ کب کہا ہے کہ اس روک لینے کے بعد دوبارہ اسے چھوڑ دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یاد رکھو! معجزہ وہ ہی ہے جو خدا تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف مدعی نبوت کی تصدیق کیلئے ظاہر کیا جائے۔ پس ایسی نصوص کو لیکر جو کسی چیز کی نسبت خدا کی عام عادت بیان کرتی ہوں یہ استدلال کرنا کہ ان سے معجزات کی نفی ہوتی ہے، سرے سے معجزہ کے وجود کا انکار اور اپنی حماقت و غبات کا اظہار ہے۔ معجزہ اگر عام قانون عادت کے موافق آیا کرے تو اسے معجزہ کیوں کہیں گے..... (تفسیر عثمانی ص ۷۲)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعات میں احياء اموات کی نفی خاندان ولی اللہی اور اسلاف دیوبند سے قطعاً ثابت نہیں۔ اور جب ان اسلاف سے ثابت نہیں تو حضرت سندھیؒ کے بیان کردہ اصول کے مطابق وہ ان کا عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ فکری حضرات اس سے بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے۔

﴿ تینتیسویں فکر فاسد ﴾

پچھڑے کی پوجا سے قتل ضمیر کا حکم!

﴿ چونتیسویں فکر فاسد ﴾

سردارانِ بنی اسرائیل پر موت نہیں سکتے!

.....

﴿ پینتیسویں فکر فاسد ﴾

علماء..... دشمنی!

مذہبی طبقات کے بارہ میں فکریوں کے نظریات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، چونکہ ان کی اشتراکیت نوازی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ علماء تھے۔ لہذا انہوں نے علماء کرام کے خلاف بھی محاذ گرم کر لیا۔ اور بعض ذمہ دار اصحاب علم و فضل کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ علماء کرام کے خلاف جس قدر نفرت فکری حضرات پیدا کر رہے ہیں۔ اس قدر نفرت قادیانی اور پرویزی بھی پیدا نہیں کر پائے۔ آئیے اس سلسلہ میں علماء کرام پر عائد کئے گئے الزامات کی ایک جھلک ملاحظہ فرما لیجئے۔

(پہلا الزام) مذہب کی بنیاد پر نفرت!

فکری حضرات چونکہ صرف معیشت و سیاست کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اسلئے مذہب کی بنیاد پر نفرت و لڑائی انہیں ناگوار گزرتی ہے۔ اس سوال کا جواب تو فکری حضرات ہی دے سکتے ہیں۔ کہ قرآن پاک کفار اور منافقین کے خلاف نفرت و عداوت کا

جو حکم دیتا ہے، اور ان سے محبت و دوستی سے منع کرتا ہے اس کی بنیاد کیا ہے؟ لیکن فکری حضرات کی طرف سے علماء کرام پر جو پہلی فرد جرم عائد کی گئی ہے وہ مذہب کی بنیاد پر نفرت پیدا کرنا ہے، چنانچہ فکری ترجمان شاہد رشید فرماتے ہیں کہ

انسانیت کے بہت سے المیوں میں سے ایک المیہ مذہبی اختلافات کی بنیاد پر دوسرے انسانوں سے نفرت کرنا ہے، اس پر مزید المیہ یہ ہے کہ آج کے تہذیب یافتہ دور میں بھی بیشتر جگہوں پر یہ المیہ اسی طرح موجود ہے جس طرح آج سے ہزاروں سال قبل موجود تھا۔ مذہب کے نام پر عام انسانی قدروں کو مجروح کرنے کی ریت نئی نہیں۔ مذہب کے نام پر جو خونریزی ہوئی ہے، اس سے تاریخ عالم کے صفحات لالہ زار ہیں..... (سیریز نمبر ۱۴۲ ص ۵)

قرآنی و نبوی کو تعلیمات سے جاہل ان فکریوں کو بھلا کون سمجھائے کہ جب تک قرآن اس دھرتی پر موجود ہے۔ اور جب تک بدواحد اور خیر و حنین کے تذکرے زندہ ہیں اس وقت کوئی فکری و اشتراکی اس نفرت کو ختم نہیں کر سکتا۔

(دوسرا الزام) فرقہ پرستی!

فکری حضرات کی طرف سے علماء کرام پر دوسری فرد جرم عائد کی گئی ہے کہ وہ فرقہ پرستی پیدا کرتے ہیں۔ اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ فکری حضرات کے ہاں فرقہ واریت کا مفہوم بہت وسیع ہے، وہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کو بھی فرقہ واریت قرار دیتے ہیں، جیسا کہ آئندہ سطور میں آپ انشاء اللہ العزیز ملاحظہ فرمائیں گے۔ چنانچہ فرقہ پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے فکری پیر و مرشد مولانا رائے پوری فرماتے ہیں کہ

آج فرقہ پرستی پیدا کر دی گئی۔ امن ختم کر دیا گیا۔ کالج اور یونیورسٹی کا ماحول برباد کر دیا گیا۔ مسجد سے اصل تعلیم اور آواز ختم کر دی گئی۔ آج ہم اپنی نسلوں کو لڑا رہے ہیں۔ تعلیم گاہیں قتل گاہیں بنادی گئی ہیں۔ مسجدوں کو آپس میں لڑوا دیا۔ ہم نے صرف وعظ کہنے شروع کر دیئے۔ کہ رشوت نہ لو، اگر صرف وعظ و تبلیغ سے ہی یہ سب کچھ ہو سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دانت مبارک کیوں شہید کرواتے۔

اگر ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو ان کی تعلیمات پر جماعت بنانا ہوگی..... (سیریز نمبر ۱۱۵ ص ۶)

آج ہم فرقوں سے لڑتے ہیں، فرقے پیدا کرنے والے نظام سے نہیں لڑتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کتے پال رکھے ہوں اور آپ جائیں اور سارا اس کے کتوں کو پتھر مارتے رہیں تو اس میں آپ ک دشمن کا کیا بگڑا؟ طاقت آپ کی خرچ ہوئی۔ دشمن تو محفوظ بیٹھا رہا۔ علماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ علماء کرام مسجدوں کو مت مارنے (یعنی شعور ختم کرنے) کی جگہ نہ بناؤ۔ مسجدیں تو شعور پیدا کرنے کی جگہیں ہیں..... (سیریز نمبر ۱۱۸ ص ۷)

مولانا رائیپوری کا یہ شعوری فلسفہ ہمارے لئے ناقابل فہم ہے کہ کتے اگر ہمارے کپڑے اور گوشت نوچتے رہیں، تو ہم ان کو نہ روکیں، ان پر اپنی توانائی ضائع نہ کریں۔ بلکہ ان کتوں کے مالک تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اس تک پہنچنے کیلئے کتوں سے ہم بچ گئے تو ہماری قسمت حضرت والا جب قرآنی و نبوی تعلیمات کے خلاف بے شمار فرقے جنم لے چکے تو کیا اعتصام بحبل اللہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ان فرقوں کا مقابلہ کرنا ہماری شرعی ذمہ داری نہیں؟ کیا قرآن و سنت کی تعلیمات سے کٹ کر علیحدگی کا راستہ اختیار کرنے والے فرقوں کے خلاف مساجد کے اندر آواز بلند کرنا فرقہ واریت اور فرقہ پرستی ہے؟ اور کیا اس سے مساجد شعور ختم کرنے کی جگہ بن جاتی ہیں؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایک اور فکری ترجمان مدثر ستار اس بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار بایں الفاظ فرماتے ہیں کہ

فرقہ پرستی کی سوچ انسان دوستی کے حوالہ سے انتہائی غلط سوچ ہے۔ اس سے انسانیت کا نظیر یہ یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ ہر فرقہ ایک محدود دائرہ میں گھر جاتا ہے۔ اور دوسروں کو بالکل غلط سمجھتا ہے۔ فرقہ کے داعی اپنے مزعومات و خیالات کو عقائد کا درجہ دے دیتے ہیں۔ اور اس سے اختلاف کرنے والوں کو نہ صرف اپنے مذہب و مسلک سے بلکہ دین سے بھی خارج قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے زوال کا سبب بھی یہی ہے کہ لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے

اور تنگ نظری کا شکار ہو گئے۔ اور انسانیت کے مقصد تخلیق کو بھول گئے۔ مسلمان اللہ کا پسندیدہ کیوں؟ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ پوری انسانیت کی فکر کرتا ہے۔ اور ہمیشہ اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔ اور اس کا حلقہ اثر پوری دنیا ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ بھی اپنے مقصد کو بھول جائے تو اللہ تعالیٰ ہرگز ایسے مسلمان کی تائید میں نہیں۔ جو کہ فرقہ پرستی کی حوصلہ افزائی کریں..... (سیریز نمبر ۱۲۵ ص ۱۸)

اگر انسانیت کا وقار بلند کرنا ہے، اسلام کا بول بالا کرنا ہے، تو آئیے اس نظام ظلم کا خاتمہ کریں۔ تمام فرقہ پرستوں سے نجات حاصل کریں۔ اس کا خاتمہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم دین کے حقیقی تصور کا شعور رکھتے ہوں اور ایک ایسی اجتماعیت پیدا کرنے کی کوشش کریں جو دین کے حقیقی تصور کا شعور رکھتی ہو۔ اور پھر وہ ان تمام مسائل کو جڑ سے ختم کر دے۔ جو انسانیت کو گروہوں، فرقوں اور انفرادیت پسندی کے روگ میں مبتلا لوگوں کو دین کے حقیقی تصور سے روشناس کرائے..... (ایضاً ص ۱۹)

فکری حضرات حق و باطل کی تمیز کئے بغیر تمام فرقوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارا ان سے سوال یہ ہے کہ کیا ان فرقوں میں سیکوئی سچائی کی راہ پر بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو آپ اسے مستثنیٰ کیوں نہیں کرتے؟ اور کیا فکری حضرات نے جماعت دیوبند سے ہٹ کر اپنے لئے جو علیحدہ پلیٹ فارم تیار کیا ہے وہ علیحدہ فرقہ کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتا؟ اور کیا یہ فرقہ پرستی اور احترام انسانیت کے منافی نہیں۔

(تیسرا الزام) علماء سامراجیت کے ایجنٹ ہیں!

فکری حضرات کی طرف سے علماء کرام پر تیسری فرد جرم عائد کی گئی ہے کہ علماء کرام سامراجیت کے ایجنٹ ہیں۔ چنانچہ فکری پیر و مرشد مولانا رانپوری فرماتے ہیں کہ سامراج نے اپنے منصوبوں پر عمل کیلئے سوچا کہ مسلمانوں کے کچھ علماء کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہئے۔ گویا یہود و نصاریٰ تو اس ظالمانہ نظام کے حامی تھے ہی۔ اب

متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں کے علماء کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور یوں اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمان علماء کو ان کا دشمن بنا کر پیش کر دیا.....

.....(سیریز نمبر ۱۱۶ ص ۵)

قارئین کرام اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ مولانا رائیپوری کی سامراج دشمنی سے مراد روس ہے۔ یعنی روس کے خلاف جہاد میں حصہ لینے والے علماء سامراجیت کے ایجنٹ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علمیت و مولویت کا لبادہ اوڑھ کر امریکی سامراج کی کاسہ لیسٹی اور حاشیہ نشینی اختیار کر نیوالے افراد ہمارے معاشرہ میں بکثرت موجود ہیں۔ اور بھرپور طریقہ سے اپنی اس خدمت و ملازمت کا پورا پورا معاوضہ بھی وصول کر رہے ہیں۔ لیکن ان پیشہ ور چند مولویوں کی آڑ میں روس مخالف تمام علماء کرام کو سامراجیت کا ایجنٹ قرار دینا خالص دین دشمنی ہے۔

(چوتھا الزام) علماء سیاسی شعور سے محروم ہیں!

فکری حضرات کی طرف سے علماء کرام پر چوتھی فرد جرم یہ عائد کی گئی ہے کہ علماء سیاسی شعور سے محروم ہیں چنانچہ مولانا رائیپوری فرماتے ہیں کہ سامراجیت کی سیاسی چالاکی کو مسلمان علماء نہ سمجھ سکے۔ کیونکہ وہ کچھ عرصہ سے سیاسی شعور کے حصول سے اپنا دامن بچائے ہوئے ہیں.....(سیریز نمبر ۱۱۶ ص ۵)

آج علم کا معیار گر گیا ہے۔ خانقاہ کا ماحول ٹھیک نہیں رہا۔ اور تنظیم کی صلاحیت موجود نہیں رہی۔ آج کوئی ذوق اور شعور موجود نہیں۔ آج علماء میں راہنمائی کی صلاحیت موجود نہیں۔ انسان متقی اس وقت بنتا ہے جب اس میں عدل و انصاف پیدا ہو جائے۔ کسی سیاست سے مرعوب نہ ہو۔ اور کسی کا ایجنٹ نہ ہو.....

.....(سیریز نمبر ۱۱۱ ص ۹)

علماء کرام کو تقویٰ، سیاسی شعور، عدل و انصاف، اور راہنمائی کی صلاحیت سے محروم صرف اس لئے قرار دیا جا رہا ہے کہ وہ فکریوں کے آقا و مولیٰ حضرت روس کے خلاف جہاد افغانستان میں شامل ہو گئے۔ اور یہ ان کا ناقابل معافی جرم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر علماء کرام یورپین سامراج کی چالاکی و عیاری کا ادراک نہیں کر سکے۔ اور بول

مولانا رائیپوری اپنی بے شعوریوں کی وجہ سے سوویت یونین اور اس کے اشتراکی نظام کے خلاف استعمال ہو گئے۔ تو مولانا رائیپوری کی فکر ٹیم بھی تو کیمونسٹ سامراج کی عیاری و مکاری کو نہ بھانپ سکی۔ اور اپنی تمام تر سیاسی صلاحیتوں اور فکری شعور و ادراک سمیت اپنی متواتر اسلامی تعلیمات، اپنے ملی مفادات اور اپنے مذہبی طبقات کے خلاف بڑی شان و شوکت سے استعمال ہو گئے..... اور پھر ہمارے خیال میں تو کیمونسٹ سامراج، یورپین سامراج سے بھی زیادہ دغا باز فریبی ثابت ہوا کہ وہ فکریوں کے ذریعہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت امام عبید اللہ سندھیؒ جیسی انقلابی شخصیات اور امت مسلمہ کے نامور مفکرین کو بھی اپنے اشتراکی پروگرام کے حق میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف انتہائی غیر محسوس طریقہ سے استعمال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ع دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

فصل سوم

جہاد..... و..... قتال

فکری تحریک کی نظر میں

حیرت کی بات ہے کہ فکری تحریک اپنا فکری و عملی تسلسل جس ولی الہی جماعت کے ساتھ جوڑتی ہے، اس جماعت کی جملہ توانائیاں جہاد میں صرف ہوتیں۔ جبکہ فکری حضرات جہاد کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔ گزشتہ اوراق میں اس بات پر مفصل و باحوالہ بحث گزر چکی ہے کہ فکری حضرات دنیا کے اندر اسلام کے فکری غلبہ کے قائل نہیں۔ بلکہ صرف سیاسی غلبہ چاہتے ہیں۔ اور سیاسی غلبہ کیلئے بھی وہ جہاد جیسے اہم فریضہ اسلامی کو عصر حاضر کے تقاضوں کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک آج کے دور میں جہاد غیر ضروری ہے۔ چنانچہ تنظیم فکرولی الہی سنٹرل کراچی زون کے عمومی تربیتی پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے جناب محمد طاہر نے فرمایا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تین ادوار ہیں۔ (۱) نبوت سے پہلے کا۔

(۲) نبوت کے بعد کا مکی زندگی۔ (۳) ہجرت کے بعد مدنی زندگی۔ ان تینوں ادوار میں تضاد کا نام نہیں۔ بلکہ ہر دور دوسرے کیلئے ترقی و ارتقاء کا سبب نظر آتا ہے۔ نبوت سے پہلے آپؐ اپنے ملک میں کیا دیکھتے ہیں کہ ظلم برپا ہے۔ پورا معاشرہ ظلم کی لپیٹ میں ہے، جنگیں ہو رہی ہیں۔ عزتیں پامال کی جا رہی ہیں۔ تو آپؐ معاہدہ امن میں شریک ہوتے ہیں۔ گویا اپنے ملک میں تشدد کو برداشت نہیں کیا۔ حتیٰ کہ نبوت ک بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ صحابہؓ سے برداشت نہ ہوا۔ لڑائی کی اجازت مانگتے ہیں۔ لیکن کفو ایدیکم کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی تشدد کی اجازت نہیں۔ جب مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہیں۔ تو مدینہ میں تشدد کی اجازت نہ دی گئی۔ حتیٰ کہ یہود مدینہ سے ۵۳ دفعات کا معاہدہ کرتے ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی دور کا کوئی انکار کرے تو گویا پوری زندگی کا انکار کر رہا ہے.....

.....(سیریز نمبر ۱۱۸ ص ۶۵)

اور خود موصوف پیغمبر برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے تیسرے دور سے ”بدر واحد“ سمیت تمام غزوات اور ”بنو نضیر و بنو قریظہ“ کے قتل و جلا وطنی کے تمام واقعات روسی سفارت خانہ کا وظیفہ سمجھ کر پی گئے۔ موصوف کو ”میشاق مدینہ“ تو یاد رہا۔ ”فتح مکہ“ بھول گیا۔ دوسرے فکری ترجمان مولانا عبدالحق آزاد اپنے خیالات کا اظہار یوں فرماتے ہیں کہ

دین اسلام کی انسان دوست اور روشن تعلیمات کو سماجی زندگی کے دائرہ میں روبہ عمل لانے کیلئے ضروری ہے کہ آمرانہ رویوں پر مشتمل نامنہاد مذہبی سوچ سے بچا جائے۔ دین اسلام کے نفاذ کیلئے آمرانہ رویوں کا رسہار الینا اور پر تشدد عمل اختیار کرنا خود اسلام کے ساتھ مذاق ہے۔ چنانچہ اس کی اشد ضرورت ہے کہ اس طرح جماعتوں اور افراد پر گہری نظر رکھی جائے جو دین اسلام کے حوالہ سے احترام انسانیت پر مبنی جمہوری رویوں کی نفی کرتی ہیں اور آمرانہ رویوں اور سامراجی کردار کی آبیاری کرتے ہیں.....(سیریز نمبر ۱۱۹ ص ۵)

غالباً مشرف حکومت فکری تحریک ہی کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے القاعدہ، طالبان اور دیگر جہادی تنظیموں پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔ کیونکہ یہ بے شعورے لوگ احترام انسانیت کی بجائے حفاظت امت مسلمہ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اور جہاد کے ذریعہ جمہوری رویوں کی نفی اور سامراجی کردار کی آبیاری کر رہے ہیں۔ ان بے شعوروں نے کل روس کو اجاڑا اور اب امریکہ کو اجاڑ کر عالمی امن تھس نہیں کر رہے ہیں۔ ایک اور فکری ترجمان مفتی سعید الرحمن (چیرمین شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن) اپنے فکری جذبات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں کہ

اسلام عالم انسانیت کیلئے امن و آشتی، محبت و اخوت اور فلاح و بہبود کا نقیب بن کر آیا، اس میں جنگ آزمائی خونریزی اور غارت گری کیلئے کیسے گنجائش ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود قریش مکہ کے غرور و تکبر، جبر و تشدد، اور جور و ظلم نے پر امن حق پرست انسانوں کا جینا دوپھر کر دیا۔ حالانکہ ان کی نیکو کاری، حق پرستی، اور امن پسندی کسی کیلئے باعث تکلیف تو کجا، انسانی معاشرہ کیلئے باعث سکون و راحت ہی تھی۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر ایک جماعت کو حبشہ جانے کی اجازت دی۔ لیکن قریش مکہ نے ان کا وہاں بھی تعاقب ترک نہ کیا۔ بعد ازیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ قدیم آبائی گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ لیکن قریش کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔ ایسے حالات میں حفاظت خود اختیاری اور عملی اقدام سے کوئی مفر نہ تھا۔ جو اس دنیا میں ہر پر امن معاشرہ کا اولین فطری حق ہے۔ اور اس پر عالمی امن کا انحصار بھی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے واضح کیا کہ اگر امن شکن گروہوں کی سرگرمیوں کی روک تھام نہ کی جائے تو زمین فساد کی آماجگاہ بن جاتی ہے..... (عدم تشدد کی حکمت عملی ص ۹ مطبوعہ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن)

الغرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قومی و عملی تعلیمات سے آپ کے داعی امن ہونیکا کی حیثیت نہایت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ ایسے میں ایک تشدد پسند دین کے حوالہ سے اسلام کی شناخت کرانے کا سرے سیکوئی جواز باقی ہی نہیں رہتا۔

کیونکہ اسلام کی حقیقی پہچان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ لہذا اسلام کے حقیقی داعیوں کیلئے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مزاج میں وسعت و رواداری، اپنے رویہ میں نرمی، اور اپنے مخالفوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے جذبہ کو فروغ دینے کی سعی کریں تاکہ انسانی معاشرے امن کا گہوارہ بن کر امن عالم کی راہ ہموار کر سکیں..... (ایضاً ص ۱۴)

عدم تشدد کی حکمت علمی فکری جماعت کی پالیسی کا حصہ ہے، لیکن اس پالیسی کیلئے اسلامی تاریخ اور اسلامی تعلیمات کس قدر مسخ کی جا رہی ہیں اس کا اندازہ مندرجہ بالا اقتباس سے بخوبی ہو رہا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فکری تحریک کی مجلس نگران کے سربراہ ڈاکٹر سید قطب علی شاہ اپنا مافی الضمیر اس طرح اگلتے ہیں کہ

خاص طور پر نوجوان نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ حالات کو سمجھے۔ ایک دور تھا جب فیصلے تلوار سے ہوتے تھے۔ آج مسائل میز پر بیٹھ کر حل ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں سوویت یونین ہی کو دیکھ لیں، اتنی بڑی تبدیلی آئی، لیکن ایک گولی تک نہیں چلی، تمام فیصلے ایک میز پر بیٹھ کر طے کر لئے گئے۔ یہ شعور کا تقاضا ہے کہ انسان امن و آشتی کے ساتھ اپنے مسائل کا حل تلاش کرے (سیریز نمبر ۱۱۶)

(ص ۸)

یہ اقتباس کھل کر اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ فکری حضرات عصر حاضر ”جہاد و قتال“ کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں، اس کیلئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے بڑی بھونڈی اور لچر دلیل پیش کی ہے کہ سوویت یونین ختم کرنے کیلئے اور اس کی ماتحت ریاستوں کو آزادی دینے کیلئے سارے فیصلے میز پر ہوئے اور ایک گولی بھی نہ چلی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب سوویت یونین توڑنے کیلئے میز پر بیٹھنے کا بنیادی سبب نظر انداز کر گئے ہیں۔ انہوں نے روسی فوجوں کے ہاتھوں افغان مسلمانوں پر برسنے والے گولوں، راکٹوں، میزائلوں اور بموں کا ذکر غالباً اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ ان کے نیچے کوئی میز نہ تھی۔ ان کے نیچے صرف افغان مسلمانوں کی تڑپتی لاشیں تھیں۔ اور ان سے فکریوں کو کوئی سروکار نہیں۔ بہر حال فکری حضرات عصر حاضر میں جہاد کو غیر ضروری قرار دیتے

ہیں۔ جبکہ شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سندھیؒ ترک جہاد کو منافقت قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور نظریہ جہاد!

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے جو انقلابی اصول وضع فرمائے، ان میں جہاد بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد میاں دہلویؒ، شاہ ولی اللہؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ

جہاد ایک مقدس فرض ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدس اصول کیلئے انسان اپنے اندر جذبہ فنائیت پیدا کرے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ہستی ان اصولوں کیلئے فنا کر دے..... (علماء ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ ص ۱۰)

چنانچہ مسلمانانِ برصغیر کی حفاظت جیسے مقدس اصول کیلئے شاہ صاحبؒ نے سردار احمد شاہ ابدائیؒ کو مرہٹوں سے مقابلہ کیلئے افغانستان سے بلایا.... اسی مقدس اصول کیلئے شاہ صاحبؒ کے جانشین شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا..... اور اسی مقدس اصول کیلئے سید احمد شہیدؒ اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے بالاکوٹ میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔

امام سندھیؒ اور نظریہ جہاد!

مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی جہاد کے بارہ میں وہی نظریہ رکھتے ہیں، جو شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کی جماعت کا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

(۱) جو لوگ قرآن حکیم کے صریح احکام کے باوجود جنگ یا اس کی تیاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دلوں سے رفتہ رفتہ قرآن کی سمجھ نکل جاتی ہے۔ (خدا اس سے بچائے) کیا دیکھتے نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے، اگر جنگ میں شہید ہو جاتے تو تحریک اسلام کو کتنا خطرناک نقصان پہنچتا۔ پھر بھی آپ ہمیشہ جنگ میں شرکت فرماتے رہے۔ اور کبھی اس سے جی نہ چرایا۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کے الفاظ میں آپ نے یہ بھی

فرمایا فان تو لوفقل حبسی اللہ (اگر یہ جنگ پر نہ جائیں تو اکیلے جنگ پر جاؤ اور لڑو۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو وہ کافی ہے) تو کیا ہمارے عالمان قرآن نہیں سمجھتے؟ یہ کیوں اس سے جی چراتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس بات کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے۔ ان پر خدا کا غضب ہے۔ جس فرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بری نہیں ہیں اس سے کون بری ہو سکتا ہے.....
.....(قرآنی جنگ انقلاب ص ۶۵)

(۲) عام طور پر جہاد کیلئے یہ شرط ہے کہ مسلمان بادشاہ ہو۔ اور کفار کے مقابلہ کا کوئی امکان نظر آئے تو جہاد فرض ہوتا ہے۔ مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں ان کا کوئی بادشاہ نہ رہے، اور نہ ان کے ہاں فوجی طاقت موجود ہو تو ان حالات میں جہاد کا حکم کیا موقوف ہو جائے گا؟ حضرت شیخ الہندؒ نے یہ مشکل مسئلہ ہمیں سمجھا دیا کہ ایسے حالات میں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ خود اپنی جماعت بنائے اور جہاد کرے.....(خطبات و مقالات ص ۱۴۳)

(۳) جو لوگ مسئلہ قتال (جنگ) کی تشریح ہو جانے کے بعد تاویل میں کرتے پھرے، اور اس فرض سے بچنے کیلئے طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں مثلاً کہیں کہ ہماری سرحد پر جنگ نہیں ہے یا ملک میں مسلمانوں کا کوئی رہبر نہیں ہے۔ مسلمان بے حد کمزور اور پراگندہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انہیں حقیقت میں شیطان نے دھوکہ دیا ہے.....(جنگ انقلاب ص ۶۸)

(۴) وہ کیسے مسلمان ہیں جو عذروں کی بناء پر جہاد سے الگ رہنا چاہتے ہیں؟ میرے استاد فرما چکے ہیں کہ تم اکیلے جہاد کر سکتے ہو۔ اور دنیا پر فتح پاسکتے ہو۔ افسوس ہے کہ ہمارے استاد کے ارشاد کیلئے جس سند کی ضرورت تھی وہ وقت پر ہاتھ نہ آسکی، ورنہ ہماری دیوبندی جماعت میں سے سوائے اس کے جو سچ مجھ منافق ہوتا کوئی پیچھے نہ رہتا۔ اب ضرورت ہے کہ اس جماعت میں سے نفاق کو دور کیا جائے۔ جو جہاد کیلئے تیار نہیں ہے وہ کیوں میرے استاد کی جگہ پر بیٹھتا ہے؟ اسے اس جگہ سے ہٹا دیا جائے.....(عنوان انقلاب ص ۹۵)

ہم نے صرف چار حوالہ جات پراکتفا کیا۔ ورنہ حضرت سندھیؒ کے اس بارہ

میں سینکڑوں حوالہ جات موجود ہیں۔ غرضیکہ حضرت سندھیؒ جہاد کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور فکری حضرت غیر ضروری۔ اس کے باوجود حضرت سندھیؒ کی طرف ان کی نسبت کس حد تک صحیح ہے فیصلہ قارئین خود کر لیں۔

ترک جہاد کے فکری اسباب!

اب آئیے ان اسباب و اعذار کی طرف جو فکری حضرات جہاد کو غیر ضروری قرار دینے کیلئے پیش کرتے ہیں۔ اس سے ان کی ذہنی مرعوبیت اور اسلام دشمنی کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

﴿پہلا سبب﴾ جنگ کا ماحول سامراج کے مفاد میں ہے!

فکریوں کے نزدیک عصر حاضر میں جنگ کا ماحول پیدا کرنا سامراجیت کے مفادات کو تقویت دینے کے مترادف ہے، چنانچہ مولانا عبدالحق آزاد فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ پر تشدد جنگی ماحول پیدا کرنا عالمی سطح پر ان قوتوں کی بین الاقوامی جنگی حکمت عملی کا حصہ ہے، جس کے ذریعہ مظلوم دنیا کے عوام اور اقوام کو مختلف حوالوں سے باہم دگر جنگ و جدل میں مشغول کرنا مقصود ہے، تاکہ سامراجی مقاصد کو آگے بڑھانے کی راہ میں کوئی علاقائی وحدت، رکاوٹ نہ رہے۔ اور ایک خطہ میں بسنے والی اقوام آپس میں متحد ہو کر سامراجی مقاصد کی راہ میں مزاحم نہ ہوں، موجودہ دور کی معروضی صورت حال یہ ہے کہ کسی بھی سطح پر جنگ کا ماحول پیدا کرنا سامراج کی طویل المیعاد منصوبہ بندی کا تقاضا ہے، اس حکمت عملی کو آگے بڑھانے والے افراد یا تحریکات قومی مسائل کی شدت میں اضافہ تو کر رہے ہیں۔ انہیں حل کرنے کیلئے کوئی مفید راستہ نہیں دکھلا رہے۔ حالانکہ جدید صنعتی اور ٹیکنالوجی کے دور میں قومی ترقی، اجتماعی خوشحالی، ملکی آزادی اور خدمت انسانیت کے حوالہ سے اجتماعی اور قومی مسائل کو حل کرنا وقت کا بنیادی تقاضا ہے..... (سیریز نمبر ۱۲۲ ص ۶)

؎ غور فرمائیے کہ کشمیر ہو یا چینیا، یا دنیا کا کوئی اور خطہ وہاں آزادی و حریت کی جنگ لڑنے والے مجاہدین فکریوں کے نزدیک اپنی قومی و ملی بقا کی نہیں بلکہ سامراجی مفاد

کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور پھر اس پر پھبتی یہ کسی جا رہی ہے کہ وہ قومی مسائل میں اضافہ کا باعث ہیں۔ حالانکہ ایک مومن کیلئے اپنے قومی تشخص، اپنی ملی بقاء اور اپنی نظریاتی سلامتی کیلئے جہاد سے زیادہ مفید راستہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن فکری حضرات اسی راستہ کو مسائل کی شدت میں اضافہ کا باعث قرار دیتے ہیں۔

قارئین کرام! یہاں یہ بات ملحوظ رکھیں کہ یہ مذکورہ تحریر اس وقت کی ہے جب مجاہدین روس کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ ممکن ہے اب ان کا رخ امریکہ کی طرف پھرنے کے بعد فکری حضرات کی سوچ میں بھی کوئی تبدیلی آگئی ہو۔ چنانچہ سوویت یونین سے آزاد ہونے والی بعض مسلم ریاستوں میں جب وہاں کے مسلم مجاہدین اپنی کیمونسٹ حکومتوں کے خلاف متحرک اور برسرِ پیکار ہوئے، تاکہ خالص اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔ تو فکریوں کو ان کی یہ جدوجہد بھی سخت ناگوار گزری۔ حالانکہ ان کی یہ جدوجہد اپنے ممالک میں تھی۔ خدا معلوم اس جدوجہد سے فکریوں کو کیا تکلیف پہنچی کہ انہوں نے ان کی اس جدوجہد کو بھی سامراجی مفاد کے کھاتہ میں ڈال دیا۔ چنانچہ سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

سابق سوویت ریاستوں میں سے ہماری زیادہ دلچسپی ان ریاستوں سے ہے جہاں مسلم اکثریت آباد ہے، جن کا ماضی میں نہ صرف ہماری تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون بلکہ سیاست تک کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔ اور یہ ریاستیں معدنی لحاظ سے مالا مال ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی مزید ترقی کے امکانات نہایت روشن ہیں۔ اور اس طرح وہ خطہ میں اہم سیاسی و معاشی کردار کی صلاحیتیں بھی رکھتی ہیں۔ اسی اہمیت کو سبوتاژ کرنے کیلئے ان ریاستوں کو داخلی انتشار سے دوچار کیا گیا۔ اور وہاں ایسی تحریکات پروان چڑھیں، جن کی باگ ڈور وہاں کی مقامی قیادت کے پاس نہیں، بلکہ سامراجی ملکوں کے پاس ہے۔ جو اپنی کٹھ پتلیوں کا م لے رہے ہیں..... (سیریز نمبر ۱۷۶ ص ۳)

وسط ایشیاء کی آزاد ریاستوں میں کیمونسٹ اقتدار کے خاتمہ اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جہاد کرنے والے مجاہدین بھی فکریوں کے نزدیک سامراجی قوتوں کے

ایجنٹ ٹھہرے، یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس خطہ کے اندر فکری بنیادوں پر انقلابی جدوجہد کا آغاز تا جستان کے اندر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد شیخ عبداللہ نوریؒ نے اس وقت کیا تھا جب کمیونسٹ انقلاب کے ذریعہ اس خطہ سے مسلمانوں کا اسلامی تشخص تقریباً ختم کیا جا چکا تھا۔ آج وہاں کی تمام جہادی قوتیں اسی مرد مجاہد کی انقلابی جدوجہد کی مرہون منت ہیں۔

ع خدا رحمت کندا یں عاشقان پاک طہیت را۔

﴿دوسرا سبب﴾ جنگ معاشی مفاد کے خلاف ہے!

اس وقت ایشیائی خطہ بالخصوص پاکستان کے اندر غربت و افلاس اور مہنگائی کا عفریت انتہائی خوفناک شکل اختیار کر چکا ہے۔ اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فکریوں نے یہاں کے مسلم عوام کو مزید دہشت زدہ کرنے کیلئے یہ تاثر چھوڑنے کی کوشش کی کہ جنگ و جہاد سے مزید مہنگائی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے اس سے گریز چاہئے، چنانچہ سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مضبوط معیشت کے حامل سمجھے جانے والے ممالک بھی جنگ سے کئی کتراتے ہیں۔ اور جنگوں کے اخراجات تو بہتر معیشت کے حامل ممالک کا بھی حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ جنگ عظیم نے ہی برطانیہ کو فاتح ہونے کے باوجود عالمی اقتدار سے محروم کر دیا تھا۔ ایسے میں جنگ کی حکمت عملی سے کسی خطہ پر قبضہ کرنے کی سوچ رومانوی تو ہو سکتی ہے، عملی نہیں.....

..... (سیریز نمبر ۱۷۵ ص ۹)

گویا موجودہ دور میں جنگوں سے احتراز پر مبنی باوقار پالیسی ہی بالخصوص کمزور ممالک کے مفاد میں ہے۔ کیونکہ اسلحہ کے میدان میں سائنسی ترقی نے جنگ کو نہایت مہلک بنا دیا ہے، جس کے نتیجہ میں نہ صرف ملک کے تمام افرادی و مالی مسائل داؤ پر لگ جاتے ہیں، بلکہ ملکوں کے جغرافیہ تک بدل جاتے ہیں...

..... (ایضاً ص ۱۰)

جناب اعوان کو سوچ بھی تو بہت خوب، لیکن سوچ بھی بہت دیر سے۔ وہ اگر یہ مشورہ

روس کو افغانستان میں فوجیں داخل کرنے سے قبل دیتے تو شاید اس کی معیشت بھی تباہ نہ ہوتی اور اس کا جغرافیہ بھی تبدیل نہ ہوتا۔ دراصل اپنے اس شعوری فرمان کے ذریعہ جناب اعوان مسلم قوم کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اے پاکستان کے تھرڈ کلاس غریب! مفلسو! کھانے کو تمہیں کچھ ملتا نہیں۔ اور جیب میں چنے اور گڑ ڈال کر چلے ہو کشمیر میں انڈین آرمی کا مقابلہ کرنے اور چچینیا و تاجکستان میں رشین فوجوں سے الجھنے۔ حالانکہ یہ کام تو آج مہنگائی کے اس دور میں بڑے بڑے امیر ملک بھی نہیں کر سکتے۔ تمہاری بہتری اور خیر اسی میں ہے کہ آرام سے گھر بیٹھ کر پیٹ، روٹی اور بچوں کی فکر کرو۔ کشمیر سمیت تمام مقبوضہ علاقوں کے مظلوم و بے بس مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑو۔ اور ان کی خاطر اپنی معیشت تباہ نہ کرو۔

جنگ کی وجہ سے معاشی بد حالی اور جغرافیائی تبدیلی کیلئے جناب اعوان نے مثال بڑے دور کی تلاش کی ہے، حالانکہ اس کی زندہ مثال ان کے بالکل قریب پڑی تھی۔ وہ اپنی مثال میں تقریباً ۷۰ برس قبل کی جنگ عظیم کی وجہ سے برطانوی اقتدار کے سمٹنے اور بکھیرنے کا تذکرہ تو کرتے ہیں۔ لیکن ماضی قریب میں (یعنی صرف بارہ سال قبل) افغانستان کے اندر بے جا مداخلت اور ناجائز قبضہ کی وجہ سے روس کو اپنی سوویت یونین سے جو ہاتھ دھونے پڑے، خدا معلوم اس کے ذکر سے کیوں شرما گئے ہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ خود کو روس کی شکست تسلیم کرنے کیلئے ابھی تک آمادہ نہیں کر سکے۔ بہر حال فکری حضرات مالی اعتبار سے تنگ دست مسلمانوں کو معاشی تنگی کا خوف دلا کر جہاد سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔

﴿تیسرا سبب﴾ جنگ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے!

جنگ و جہاد سے لوگوں کو دور رکھنے کیلئے فکری حضرات نے تیسرا حملہ یہ کیا ہے کہ جنگ کو مذہبی تعلیمات کے منافی قرار دیدیا۔ چنانچہ ان کے ترجمان شاہد رشید فرماتے ہیں کہ

کسی بڑی ہستی کا اقرار، اس کی مخصوص طریقوں سے پرستش، مخلوق سے محبت،

ظالم سے نفرت، مظلوم سے ہمدردی، قول کو پورا کرنا، سچی بات کہنا، آپس میں مل بانٹ کر کھانا، اور زندگی گزارنا ایسے نکات ہیں جو تقریباً ہر مذہبی راہنما کی تعلیمات میں موجود ہیں۔ ہر مذہبی راہنما نے اپنی انہی تعلیمات اور عالمگیر سچائیوں کو انسانیت کی فلاح اور نجات کا راستہ قرار دیا۔ دوسرے مذہب والوں کی گردنے اڑانے کو کہیں بھی فلاح اور نجات کا راستہ نہیں کہا گیا (سیریز نمبر ۱۳۲ ص ۷)

☆ بقول خالد جاوید خان

ہندو میرا دشمن ہے نہ کوئی سکھ ، عیسائی
میرا دشمن ظالم ہے وہ چاہے میرا بھائی
انسانوں کی سب تقسیمیں جز ظالم مظلوم ج
بے معنی سی لگتی ہیں جب بات سمجھ میں آئی
.....(ایضاً ص ۱۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ظالم اور مظلوم کے درمیان نفرت و عداوت کا پیدا ہونا ایک فطری اور عالمگیر مسئلہ ہے۔ لیکن مذہبی اختلافات کی بنیاد پر نفرت و عداوت سے انکار بھی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ فکری حضرات یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ و پاکستان اور فلسطین و اسرائیل کے درمیان جنگ تو رہے۔ لیکن وہ صرف معاشی بنیادوں پر ہو۔ اس کے پس پردہ صدیوں پر محیط اسلام و عیسائیت اور اسلام و یہودیت کے حوالہ سے مذہبی تصادم کو نظر انداز کر دیا جائے۔ حالانکہ مسلم ممالک پر امریکہ کے معاشی مظالم کی اصل بنیاد بھی وہی مذہبی تصادم ہے۔ اور قرآن پاک کا حکم بھی یہی ہے۔ یا ایہا النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم۔ اے پیغمبر کفار و منافقین کے خلاف جہاد بھی کیجئے اور ان کے خلاف رویہ بھی سخت اپنائیے۔ ظاہر بات ہے کہ یہاں کفار و منافقین سے وہی لوگ مراد ہیں جو مذہب و عقیدہ کی بناء پر کفر و نفاق میں مبتلا ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن مقدس نے تو ایمان والوں کو کفار و منافقین سے دوستی و محبت رکھنے پر بھی پابندی عائد کر دی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کے اوصاف حمیدہ میں بنیادی صفت ہی اشداء علی الکفار بیان کی ہے۔ اور

یہ حقیقت ہر شبہ سے بالاتر ہے کہ ان کفار و منافقین سے نفرت و عداوت کی بنیادیں ان کے معاشی مظالم نہیں۔ بلکہ اعتقادی کفر پر تھیں۔ لیکن فکری حضرات یہ بھی گمراہ کن تصور دے رہے ہیں کہ اعتقادی کافر اگر مسلمانوں کے خطہ زمین پر قبضہ کر لیں، اور مسلمانوں کا قتل عام بھی کرنے لگیں تو مسلمان ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ افغانستان (جب مجاہدین روس سے برسر پیکار تھے) چچینیا اور کشمیر وغیرہ علاقوں میں ہونے والی جنگوں کو جہاد تسلیم نہیں کرتے۔

﴿چوتھا سبب﴾ مذہبی بنیاد پر جنگ کرنا جہالت ہے!

فکری حضرات مذہبی بنیاد پر لڑی جانے والی جنگ کو صرف اسلامی تعلیمات کے ہی منافی قرار نہیں دیتے، بلکہ اسے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جہالت بھی قرار دیتے ہیں، چنانچہ شاہد رشید فرماتے ہیں کہ

مذہبی بنیادوں پر جنگ و جدل اور انسانوں سے نفرت کی پہلی وجہ کا تعلق مذہب سے آنے والی اس گمراہی سے ہے، جس کی بنیاد جہالت پر ہے، جہالت سے مراد ہے دین کی روح سے عدم واقفیت..... (سیر: نمبر ۱۳۲ ص ۱۰)

غور فرمایا آپ نے کہ خلفاء راشدینؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ، حضرت امیر معاویہؓ، طارق بن زیادؓ، محمد بن قاسمؓ، سلطان نور الدین زنگیؓ، سلطان صلاح الدین ایوبیؓ، سلطان محمود غزنویؓ، سلطان شہاب الدین محمد غوریؓ وغیرہم جیسے اسلام کے عظیم جرنیل روح اسلام سے ناواقف و جاہل تھے۔ جو مذہب کی بنیاد پر کفار سے لڑتے رہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ حتیٰ کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو لشکر روانہ کئے اور جن ستائیس کے قریب غزوات میں خود حصہ لیا وہ سب مذہبی بنیادوں پر ہی تھے۔ خدا معلوم فکری حضرات ان کے بارہ میں کیا فتویٰ صادر کرتے ہیں؟ وہ روح اسلام سے واقف تھے یا ناواقف؟ بہر حال فکری حضرات مذہب کی بنیاد پر جنگ کو جہالت قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صلیبی

اس سے انکار نہیں کہ تاریخ میں صلیبی جنگوں کا تذکرہ ہمارے لئے سوہان روح

ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ مغرب کے خمیر میں اس کشمکش کی تلخیاں موجود ہیں
..... (سیریز نمبر ۱۱۵ ص ۱۳)

صلیبی جنگوں میں فکریوں کی دل آزاری کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟ اس کی
وضاحت تو وہی کر سکتے ہیں۔ البتہ اس سے ان کی ذہنیت کھل کر سامنے آگئی ہے۔

﴿پانچواں سبب﴾ مذہبی بنیاد پر جنگ غلام قوموں کا شیوہ ہے!

فکری حضرات مذہبی بنیاد پر جنگ کو صرف جہالت ہی قرار نہیں دیتے، بلکہ
اسے غلام قوموں کا شیوہ بھی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہد رشید فرماتے ہیں کہ

مذہبی بنیادوں پر قتل و غارت کی دوسری وجہ کا تعلق ایک سازش سے ہے۔ تاریخ
عالم کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر لڑنا خاص طور
پر غلام قوموں کا شیوہ رہا ہے۔ اس صورت میں مذہب ظالم کے آلہ کار کے طور پر
استعمال ہوتا ہے، کیونکہ اس کی حقیقی صورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ مذہبی پروہت
، سرمایہ دار کے مفادات کیلئے لوگوں کو آپس میں لڑواتا ہے۔ اور منافع میں سے اپنا
حصہ وصول کرتا ہے۔ مذہبی گروہ بندیوں کے سلسلہ میں تمام نفرتیں دراصل اسی
مفاد پرست طبقہ کی پیدا کردہ ہیں..... (سیریز نمبر ۱۳۲ ص ۱۱)

لیجئے غلبہ دین اور تمام ادیان باطلہ پر اسلام کی بالادستی قائم کرنے کیلئے جہاد
وقتل کا فریضہ سرانجام دینے والے مجاہدین اسلام کا طرز عمل غلام قوموں کا شیوہ ٹھہرا۔
اور یہ طرز عمل اختیار کرنے کی دعوت دینے والے مذہبی پروہت (یعنی علماء کرام) سرمایہ
داروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہیں۔ اور جنگوں سے حاصل ہونے والے منافع میں برابر
کے شریک ہیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں عیسائیت، یہودیت، اشتراکیت اور قادیانیت
وغیرہ

مذہب باطلہ کے خلاف جو نفرت موجود ہے۔ یہ ساری کی ساری مفاد پرست
سرمایہ دار طبقہ کی پیدا کردہ ہے۔

دراصل فکری حضرات کشمیر، چیچنیا اور دیگر خطوں میں اشتراکیت اور اس کے
ہمنواؤں کے خلاف برسرِ پیکار دین اسلام کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کرنے والے

مجاہدین کو یہ دعوت فکر دینا چاہتے ہیں کہ اے امن کے دشمن اور زندگی سے بیزار سر پھرو! غلام قوموں کا شیوہ چھوڑ دو۔ اگر مذہب کی بنیاد پر تم لڑائی ترک کر دو گے تو ہندو اور کمیونسٹ کے غلام بن کر بھی تم آزاد اور سرخرو ہو گے۔ ورنہ آزاد رہ کر بھی تم غلام کے غلام ہو گے۔ کیونکہ یہ مذہب تمہیں غلامی سے نکلنے نہیں دیت گا۔ خدا تعالیٰ فکری حضرات کو ہدایت اور فکر صالح نصیب فرمائیے، وہ اشتراکیت کی حمایت میں مذہب دشمنی کی آخری حدیں بھی پھلانگ چکے ہیں۔

﴿چھٹا سبب﴾ ہندو مسلم جنگیں فرنگی دور کی پیداوار ہیں!

فکری حضرات کے ذہن میں اپنے موقف پر پیدا ہونے والے اس اعتراض کا کھٹکا ہوا، کہ برصغیر پاک و ہند میں ہندو مسلم جنگیں تو خالص مذہب کی بنیاد پر تھیں۔ کیا وہ بھی جہالت پر مبنی تھی؟ فکری حضرات نے اس اعتراض کے جواب میں تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے فرنگی دور سے قبل کی تمام ہندو مسلم جنگوں کا ہی سرے سے انکار کر دیا۔ گویا فرنگی دور سے قبل برصغیر میں ہندو مسلم تنازعہ موجود ہی نہ تھا۔ یہ سب جنگیں انگریزوں نے کروائیں جن میں ان کے سیاسی اغراض و مفادات پائے جاتے تھے۔ چنانچہ شاہد رشید اعوان فرماتے ہیں کہ

یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہب کی بنیاد پر ہونے والی تمام لڑائیاں انگریز کے سوسالہ دور میں ہوئیں۔ جبکہ پچھلے سات سوسال سے وہ اکٹھے رہ رہے تھے۔ یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر نفرتیں بانٹنے کا عمل دراصل ایک سازش کے تحت کیا جاتا ہے۔ اب عام اپنا دشمن اسے سمجھیں گے جو ان جیسا عقیدہ نہیں رکھے گا۔ اوروں استحصال اور سامراجی طبقہ خود کو چھپانے میں کامیاب ہو جائیگا.... خلاصہ کلام یہ کہ مذہب کی بنیاد پر خونریزی جہالت اور سازش کا نتیجہ ہے۔ اور فرقہ واریت کے علمبردار حضرات نہ صرف نظام ظلم کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں بلکہ حقیقی مذہب کی بدنامی کا باعث بن کر جدید اور ذہین طبقے کی مذہب سے وحشت میں اضافہ کر رہے ہیں اوروں سامراج کے اس پروپیگنڈہ کو تقویت دے رہے ہیں کہ مذہب انسان کو جنونی

اور وحشی بنا دیتا ہے۔ اور ان جنونیوں سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی چھتری تلے جمع ہوا جائے..... (سیریز نمبر ۱۴۲ ص ۱۲، ۱۳)

اس تحریر سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوا ہے کہ مذہب سے والہانہ محبت رکھنے اور مذہب ہی کی بنیاد پر الفت و نفرت قائم رکھنے والے لوگ غبی اور کند ذہن ہوتے ہیں۔ قدامت پسند و دقیانوس ہوتے ہیں، جبکہ ذہین وحدت پسند لوگ مذہبی شدت کو پسند نہیں کرتے، انہیں اس شدت سے وحشت ہوتی ہے۔ فکری حضرات یہاں ایک بہت بڑا دھوکہ دیتے ہیں وہ جب مذہب کی بنیاد پر لڑائی کی بات کرتے ہیں تو اسلام کے بالمقابل مذاہب کو پیش کرتے ہیں، جیسے اوپر حوالہ گزر چکا ہے..... ہندو میرا دشمن ہے نہ کوئی سکھ عیسائی... لیکن اس کے لئے جب ماضی کی کوئی مثال پیش کرتے ہیں تو اسلام کے اندرونی فرقوں کے اختلاف وجدل کی پیش کرتے ہیں، تاکہ دھوکہ دیا جاسکے کہ مذہبی شدت پسندی سے مراد ہماری اندرونی فرقہ واریت ہے۔ مثلاً شاہد رشید فرماتے ہیں کہ خلافت عباسیہ کے آخری دور کا جائزہ لیجئے، خلیفہ معصوم باللہ کا وزیر اعظم ابن علقمی شیعہ مسلک رکھتا تھا۔ فرقہ پرستی کا بازار گرم تھا۔ اور مسلمانوں کی باہمی کشمکش اور آویزش اپنے عروج پر تھی۔ بغداد کے گلی کوچے مناظروں اور بحث و تکرار کا مرکز بن چکے تھے۔ وزیر اعظم کی سیاست شیعہ مسلک کے گرد گھومتی تھی۔ جبکہ خلیفہ کا بیٹا ابوبکر سنی عقائد کا نقیب تھا۔ دونوں فرقے باہم دست و گریباں تھے۔ اور سارا بغداد تفرقہ کی آگ میں جل رہا تھا۔ چنانچہ نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔ یعنی غلامی کی زنجیریں..... (سیریز نمبر ۱۴۲ ص ۱۱)

غرضیکہ مثالیں شیعہ، سنی اختلاف کی ہوں یا مقلد و غیر مقلد نزاع کی۔ یہ حقیقت واضح ہے

کہ فکری حضرات اسلام کی بنیاد پر دیگر ادیان و مذاہب کے خلاف نفرت وعداوت اور جنگ وجدل کو جہالت، سامراجی سازش، دینی تعلیمات سے محرومی، اور غلام قوموں کا شیوہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندو مسلم عسکری تنازعات کو بھی سرمایہ دارانہ سازش اور فرنگی دور کی پیداوار قرار دیتے ہیں۔

فکری حضرات کا موقف یہ ہے کہ سات سو سال سے ہندوستان کے اندر ہندو اور مسلمان اتحاد و اتفاق سے رہ رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ سات سو سال پہلے سلطان محمود غزنویؒ اور سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ کی ہندوؤں کے ساتھ لڑائی کی بنیاد کیا تھی؟ کیا وہ لڑائیاں مذہب کی بنیاد پر نہ تھیں؟ کیا سومنات کے مندر اور بت کو مذہب ہی کی بنیاد پر منہدم نہ کیا گیا؟..... کیا محمد بن قاسمؒ کی سندھ آمد اور ملتان تک فتح مذہب کی بنیاد پر نہ تھی؟..... اور پھر انگریزی دور سے قبل ہندوؤں کی خلاف لڑی جانے والی دیگر مذہبی جنگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم فکریوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دعوت پر افغانستان کے سردار احمد شاہ ابدالیؒ نے ہندوستان آکر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو جو عبرتناک شکست فاش دی کیا وہ مذہب کی بنیاد پر نہ تھی؟..... ۱۸۳۱ء کی تحریک بالا کوٹ میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ سکھوں کی خلاف عسکری محاذ قائم کر کے کیا فرنگی آلہ کار بن کر شہید ہوئے؟ یہ ایک انتہائی افسوسناک حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنے کے ساتھ ساتھ فکری حضرات نے تاریخی واقعات بھی بری طرح مسخ کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائیے، آمین۔

فکری حضرات کی دوغلی پالیسی!

جہاد کے بارہ میں فکری حضرات کا طرز فکر آپ ملاحظہ فرما چکے مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہو چکا کہ وہ اسلام کی بنیاد پر جہاد کے قائل ہی نہیں۔ ان کا نظریہ جنگ بھی عالمی حالات و واقعات کی خلاف ہے۔ وہ اس وقت دنیا کے اندر کسی جگہ بھی مذہبی تصادم کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے وہ مسلمانوں کو بھی مذہبی بنیاد پر دیگر مذاہب کے خلاف جنگ و قتال سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن قارئین کرام کو یقیناً اس بات پر حیرت ہوگی کہ فکریوں کا یہ نظریہ صرف ان مقامات اور خطوں کیلئے ہے جہاں مسلم مجاہدین روس اور اس کے اتحادیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ مثلاً کشمیر، چیچنیا، تاجکستان، وغیرہ خطوں میں مسلم مجاہدین کی جہادی کاوشیں فکریوں کی آنکھ میں کھٹکتی

ہیں۔ اس کے برعکس جن خطوں میں مسلم مجاہدین امریکہ اور اس کے اتحادیوں کیخلاف سرگرم عمل ہیں، وہاں فکری حضرات کا نظریہ جنگ قطعی مختلف ہے۔ مثلاً فلسطین کے مجاہدین اسرائیل کے خلاف مصروف جدوجہد ہیں۔ ان کی جہادی خدمات کو فکری حضرات پوری طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ آئیے فکریوں کے اس تضاد کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) جہاد افغانستان اور فکری تحریک!

۱۹۷۹ء میں جب روس کی درندہ صف افواج نے وحشیانہ طریقہ سے افغانستان پر مسلح یلغار کرتے ہوئے وہاں غاصبانہ و آمرانہ قبضہ جمالیا۔ تو افغان مجاہدین نے اپنی سرزمین کے دفاع کیلئے مسلح مزاحمت شروع کر دی۔ فکری حضرات کو روسی افواج کی افغانستان میں بے جا مداخلت اور اس کی وحشیانہ کاروائیوں پر تو غصہ نہ آیا۔ البتہ افغان مجاہدین کی طرف مزاحمت انہیں سخت ناگوار گزری۔ لہذا انہوں نے افغان مجاہدین کو دفاعی اور مزاحمتی جنگ سے باز رکھنے اور روسی غلامی قبول کرنے کیلئے تیار کرنے پر اپنی ساری فکری توانائیاں صرف کر دیں۔ انہیں سامراجیت کا ایجنٹ اور افغانستان کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیدیا۔ چنانچہ فکری ترجمان سعید احمد اعوان فرماتے ہیں کہ

۲۸، اپریل ۱۹۹۲ء کو مسئلہ افغانستان نے ایک اور کروٹ لی۔ اور کابل میں چند نئے چہرے منظر عام پر آ گئے۔ اس سے قبل جب بحالی امن کی خاطر ڈاکٹر نجیب اللہ نے ایک ماہ کے اندر استعفیٰ دینے کا اعلان کیا تھا تو کابل میں من پسند ڈھانچہ قائم کرنے کیلئے پشاور میں منصوبہ بندی کا آغاز کر دیا گیا۔ لیکن ڈاکٹر نجیب اللہ کے قبل از وقت استعفیٰ سے پشاور کے منصوبہ سازوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور پھر اسلامی حکومت کیلئے تیرہ سال سے افغان مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے والے مجاہدین ایک دوسرے پر دانت تیز کرنے لگے۔ چنانچہ کابل کے اطراف میں گلبدین حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کے گروہوں کے درمیان ہونیوالی خونریزی سے جو نقاب کشائی ہوئی ہے اس سے یقیناً مخلص افراد کو بہت کچھ سمجھنے کا موقع ملا ہوگا..... (سیریز نمبر ۱۱۱ ص ۲)

تاہم ڈاکٹر نجیب کے قبل از وقت استعفیٰ نے مخالف کیمپ کے اندر جس طرح افراتفری پیدا کی، وہ بذات خود اس امر کو جاننے کیلئے کافی ہے کہ مذہبی جذبات سے کھیلنے والے عناصر اپنے مذہب سے کس قدر مخلص تھے۔ اور انکے اقتداری عزائم اسلام کو کس انداز سے استعمال کر رہے تھے۔ اور یہ کہ افغانستان میں خون خرابہ کے ذمہ دار کون سے عناصر ہیں۔ تیرہ سالہ نظام نے داخلی و خارجی مشکلات سے نبرد آزما ہو کر افغان معاشرہ میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ لہذا مخالف کیمپ کے جو عناصر وطن پارٹی کو معاشرہ سے مکمل طور پر بے دخل کے خواہاں ہیں وہ وقتی کامیابی بھی حاصل کر لیں، اپنی اس دھاندلی کو مستقل طور پر قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور جو عناصر معروضی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ وہ اتنا ہی مثبت کردار ادا کر سکیں گے۔ تیرہ سالہ نظام کے نتیجہ میں افغانستان یقیناً اتنا باشعور ہو گیا ہے کہ وہ مذہب کے نام پر استحصال کرنے والی گدیوں اور جاگیروں کو دوبارہ بحال کرنے کی ہر کوشش کو ناکام بنادینگا۔ اب وہاں مستقبل میں وہ باشعور طبقہ اپنا کردار ادا کرے گا جو قومی حوالوں سے ملک کی تعمیر نو چاہتا ہے۔ اور یہ انقلاب ثور کی ایک بڑی

کامیابی ہے..... (ایضاً ص ۶۵) اس تناظر میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی جنگ میں سامراج کی حکمت عملی کی نقاب کشائی، کسی طور بھی اسلامی فریضہ جہاد کی مخالفت کے مترادف نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس کے کہ کوئی گروہ سامراجی مفادات کے منصوبہ پر بطور ملازم کام کر رہا ہو۔ تو اس کا مشاہرہ تو اسی سے وابستہ ہوتا ہے کہ وہ سامراجی منصوبہ کی مخالفت کو جہاد دشمنی کا عنوان دیکر ہفوات سازی یا فتویٰ فروشی کی صنعت قائم کرے گا..... اس حوالہ سے افغانستان میں سوشلسٹ نظام کے خلاف دینی جدوجہد کا دم بھرنے والے معروف جہادی لیڈروں اور انکی جماعتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنا کوئی آزاد نظام رکھتی تھیں، نہ حالات کا صحیح ادراک و شعور۔ بلکہ ان کی اکثریت امریکہ، مغربی یورپ اور ان کے آلہ کار عرب ممالک کے سامراجی نظاموں کی امداد کے بل بوتے پر مصروف عمل رہی..... (سیریز نمبر ۵۷ ص ۴۳)

یہ حقیقت ہے کہ افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد بعض افغان لیڈروں نے حصول اقتدار کی خاطر باہمی جنگ و جدال کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اور روسی سامراج کی سرپرستی میں شمالی اتحاد کی قوم پرست تنظیموں نے متحدہ محاذ بنا کر اقتدار کا بل کو اپنے کنٹرول میں لینے کی مسلح کوششیں تیز کر دی تھیں۔ جس کی وجہ سے یہ خانہ جنگی کا بل سمیت متعدد علاقوں کی تباہی کا باعث بنی۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مجاہدین کی اکثریت اس خانہ جنگی سے علیحدہ رہی۔ حتیٰ کہ انہی مخلص مجاہدین کی مخلصانہ کوششوں کے ذریعہ قدرت نے طالبان کی صورت میں سرزمین افغانستان سے ایک ایسا بے لوث طبقہ اٹھایا، جس نے اقتدار پرست طبقہ کو وادی پنج شیر کے ایک مخصوص خطہ میں محصور کر کے عالم اسلام کی امنگوں کے مطابق افغانستان کے اندر ”امارت اسلامیہ“ کے نام سے ایک خالص اسلامی حکومت قائم کر دی۔

اس طرح فکریوں کی پسندیدہ ”وطن پارٹی“ بغیر کسی دھاندلی کے اپنا وجود کھو بیٹھی۔ اور فکریوں کے ”انقلاب ثور“ کی کامیابی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ البتہ عالم اسلام کو افغانستان کے اندر طالبان حکومت کی صورت میں اپنے ”خلافت اسلامیہ“ کے دیرینہ خواب کی تعبیر مل گئی۔ دریں حالات مجاہدین کو افغان مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے، انہیں افغانستان کے اندر خون خرابہ کا ذمہ دار اور امریکہ و یورپین سامراج کا آلہ کار قرار دینا، اور روس کے غاصبانہ و آمرانہ اقدام کو جائز قرار دیکر افغانسان کے اندر اس کی کھپتلی حکومت کے اشتراک کی عزائم و مقاصد کا بھرپور دفاع کرنا۔ فکریوں کی اسلام دشمنی کی بین دلیل ہے۔

فکری حضرات کا ایک مغالطہ اور اس کا جواب!

فکری حضرات اس مقام پر یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ روسی افواج افغانستان کے اندر از خود داخل نہیں ہوئیں۔ بلکہ اس وقت کی افغان حکومت نے ایک معاہدہ کے تحت انہیں طلب کیا تھا۔ لہذا ان افواج کے خلاف مسلح محاذ آرائی ملک اور قوم کے خلاف بغاوت تھی۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افغان حکومت نے افغان عوام

کی رائے عامہ کے بغیر روسی افواج کو دعوت دی۔ اور عوام نے اس حکومتی فیصلہ کو مسترد کرتے ہوئے اس کیخلاف احتجاج و مزاحمت کا جب سلسلہ شروع کیا، تو ان کی لڑائی اپنی حکومت اور فوج کیساتھ تھی۔ روسی فوجیں ان کے سامنے کیوں آئیں؟ اور عوامی تحریکوں کے کچلنے کیلئے روسی فوج نے طاقت کا راستہ کیوں اختیار کیا؟ کیا اپنی حکومت کی غلط پالیسی کے خلاف احتجاج کرنے والے افغان عوام پر روسی ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں چڑھادینا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ افغانستان پر جبری قبضہ کا روسی فیصلہ پہلے سے ہو چکا تھا۔

پھر فکری حضرات سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر خدا نخواستہ (خاکم بدہن) حکومت پاکستان اپنے عوام کی مرضی و منشا کیخلاف کسی خفیہ معاہدے کے تحت امریکی افواج کو ملک کے اندر داخلہ کی اجازت دیکر اسے فوجی اڈے فراہم کر دے۔ اور پاکستانی عوام حکومتی فیصلہ کو مسترد کر کے اس کے خلاف مسلح تصادم شروع کر دیں تو فکریوں کا نکتہ نظر کیا ہوگا؟ یقیناً وہ اسے ایک جائز، ضروری اور مستحسن اقدام قرار دیں گے۔ لیکن وہی اقدام اگر افغان عوام اپنی حکومت اور روسی افواج کے خلاف اٹھائیں تو فکریوں کے نزدیک وہ فساد دی اور امن کے دشمن قرار پاتے ہیں۔ اسی طرح اب موجودہ صورت حال میں افغانستان اور عراق پر امریکی تسلط اور اس کے خلاف افغانی و عراقی عوام کی مزاحمتی تحریک کو فکری حضرات بھی جائز تسلیم کرتے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین کرام فکریوں کے اس کھلے تضاد اور دو غلطے پن کے پس پردہ اسباب و محرکات کو بخوبی جان چکے ہوں گے۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ اور جہاد افغانستان!

امریکہ اور روس کیخلاف جہاد افغانستان کا ہم ایک دوسرے پہلو سے بھی جائزہ لینا چاہیں گے۔ تقریباً پونے دو سو سال قبل بنگال، میسور اور روہیل کھنڈ وغیرہ علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی عسکری قوت نے جب اقتدار دہلی پر اپنا سیاسی تسلط قائم کر لیا۔ تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فوراً ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا، اسی فتویٰ کی بنیاد پر سکھوں اور انگریزوں کے

خلاف مسلح جدوجہد شروع کی گئی اور ۱۸۳۱ء میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ اپنے ہزاروں رفقاء سمیت بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اس فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا رائیپوری فرماتے ہیں کہ

جب مسلمان انگریزوں کا غلام بن گیا تو فوراً شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دارالحرب کا فتویٰ دیکر جہاد کا راستہ اختیار کیا۔ تاکہ آزادی حاصل ہو۔ کیونکہ مسلمان غلام اور کافروں کے ماتحت نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ہزاروں علماء نیاس مقصد کیلئے قربانیاں دیں اور شہید ہو گئے۔ بالاکوٹ کے اندر کتنے اولیاء اللہ شہید ہو گئے۔ لیکن جدوجہد آزادی نہیں چھوڑی..... (سیریز نمبر ۱۷۸ ص ۱۱)

اب مولانا رائیپوری اور ان کی فکری تحریک سے کون یہ پوچھنے کی جسارت کرے کہ اگر مسلمان کیلئے انگریز کا غلام اور اس کے ماتحت رہنا جائز نہیں تو کیمونسٹ کافر کی غلامی میں رہنا اس کے لئے کیونکر جائز ہوگا؟... ہندوستان پر انگریز کے قبضہ سے اگر مسلمانوں پر جہاد فرض تھا تو افغانستان پر اشتراکی دہریوں کے قبضہ سے جہاد کیوں فرض نہیں ہوتا؟.... فرنگی سامراج کیخلاف لڑنے اور مرنے والے مسلمان اگر شہید ہیں تو اشتراکی مسلمان کیخلاف لڑنے اور مرنے والے مسلمان اس سعادت و منصب سے محروم کیوں ہیں؟

لیکن میری چھٹی حس یہ کہتی ہیں کہ مولانا رائیپوری بڑی شان بے نیازی سے اس کے جواب میں فرمائیں گے، کہ تم ٹھہرے بے شعور، دینی فراست اور قومی سیاست سے محروم، تمہیں کیا خبر کہ انگریز جیسا مسلمان کوئی دشمن نہیں۔ اور کیمونسٹ جیسا مسلمان کا ہمدرد کوئی نہیں۔ اسلئے انگریز کے خلاف لڑائی، جہاد اور کیمونسٹوں کے خلاف لڑائی فساد ہے۔ لیکن اگر عزت مآب مولانا رائیپوری محسوس نہ فرمائیں تو یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ میں نے تو ان دونوں سفاک اور وحشی قوموں کے ہاتھوں مسلمانوں کے سرکیساں گرتے دیکھے ہیں۔ اور بربریت و درندگی میں ایک دوسرے سے کسی طور کم نہیں۔

لطیفہ! عرصہ ہوا کہ ایک فکری دوست سے اسی موضوع پر مکالمہ ہوا تھا۔ وہ روس کے خلاف جہاد افغانستان کو مجاہدین کی سیاسی غلطی قرار دیتا تھا، میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ اور اس کی بنیاد پر جہاد بالاکوٹ کا حوالہ دیا تو وہ فکری دوست برہم ہو گیا کہنے لگا کہ افغانستان کے حالات اس وقت کے حالات سے مختلف تھے۔ کیونکہ افغانستان کے اندر حکومت مسلمانوں کی اپنی تھی۔ میں نے کہا جب شاہ عبدالعزیزؒ نے فتویٰ دیا تھا اور جہاد بالاکوٹ ہوا تھا اس وقت ہندوستان میں بھی بظاہر حکومت مسلمانوں کی تھی۔ کیونکہ مسند اقتدار پر آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر برہمان تھا۔ وہ اس پر لا جواب ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ جہاد افغانستان کو ہم اس لئے جہاد نہیں مانتے کہ اس میں اسلحہ امریکہ کا ہے۔ میں نے کہا فلسطین کے جہاد کو جہاد مانتے ہو۔ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا وہاں اسلحہ روس کا استعمال ہو رہا ہے۔ وہ س پر کافی سٹپٹایا۔ اور کہنے لگا آپ شدت پسند جنونی ہیں آپ سے فضول ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس طرح فرنگی سامراج کے خلاف جہاد علماء کے فتویٰ کی بنیاد پر کیا گیا۔ اسی طرح جہاد افغانستان بھی علماء کرام کے اجماعی فتویٰ کی بنیاد پر کیا گیا۔

(۲) جہاد فلسطین اور فکری تحریک!

کشمیر، تاجکستان اور چیچنیا کے اندر روس اور اس کے اتحادیوں کے خلاف برسرِ پیکار مجاہدین کی جہادی خدمات کو فکری حضرات فساد سے تعبیر کرتے ہیں لیکن فلسطین کے اندر اسرائیل کے خلاف لڑائی کو وہ برملا جہاد قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وجہ نزاع ہر جگہ ایک ہی ہے۔ کشمیر پر ہندوؤں کا قبضہ ہے۔ چیچنیا اور تاجکستان پر اشتراکیوں کا قبضہ ہے۔ اور فلسطین پر عیسائیوں کی مدد سے یہودی قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ لیکن فکری حضرات ان میں سے صرف فلسطین کی لڑائی کو جہاد قرار دیتے ہیں۔ اور اب امریکہ کے خلاف افغانستان و عراق کی مزاحمتی تحریکوں کو بھی جہاد تسلیم کرنے لگے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انڈیا ”رشین بلاک“ میں ہے۔ لہذا روس اور انڈیا کسی بھی جگہ پر قبضہ جمالیں، فکری حضرات اس کی بھرپور تائید کریں گے۔ اور مزاحمت کرنے

والوں کو سامراج کا ایجنٹ قرار دیں گے۔ ان پر بے شعوری، جہالت اور دینی فہم سے محرومی کا فتویٰ صادر کر دیں گے۔ اس کے برعکس فلسطین پر قبضہ اسرائیل کا ہے۔ اور وہ امریکی ہلاک میں ہے۔ لہذا وہ قبضہ فکریوں کی غیرت ایمانی گوارہ کر سکتی ہے؟ اس لئے اسرائیل کے خلاف لڑائی فکریوں کے نزدیک قابل قدر جہاد ہے۔ چنانچہ سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

علاوہ ازیں آزادی فلسطین کی جدوجہد اور مسجد اقصیٰ کی بازیابی کیلئے جہاد کرنے والی قوتیں ہر منصف مزاج کی نظر میں لائق تحسین اور قابل ستائش رہی ہیں۔ اور حقیقت ہے کہ ان کی قربانیوں نے تاریخ کا ایک یادگار باب رقم کیا ہے...
.....(سیریز نمبر ۱۸۳ ص ۴)

غور فرمائیے کہ اپنی سرزمین کی آزادی کیلئے روس سے لڑنے والے ہلکی سی شاباش کے بھی مستحق نہیں۔ اور فلسطین کی آزادی کیلئے لڑنے والے ہر منصف مزاج کی نظر میں لائق تحسین ہیں۔ اور منصف مزاج بھی فکریوں کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اس مقام پر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ہر وہ مسلمان مجاہد اور قابل تحسین ہے جو اسلام اور آزادی کیلئے کسی بھی کفر کے خلاف برسرِ پیکار ہے، خواہ وہ چیچنیا میں ہو یا فلسطین میں، بوسنیا میں ہو یا کشمیر میں۔

افغان جہاد، فلسطین سے توجہ ہٹانے کی سازش!

فکری حضرات نے اپنے اشتراکی مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک شوشہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ افغانستان کا مسئلہ فلسطین سے توجہ ہٹانے کیلئے کھڑا کیا گیا ہے۔ چنانچہ سعید اعوان فرماتے ہیں کہ

مزید براں مغربی استعمار نے فلسطین کے حساس اور حقیقی عالمی مسئلہ سے توجہ ہٹانے کیلئے دنیا میں کئی اور محاذ کھولے۔ جہاں اس نے اپنے جدید اسلحہ کی آزمائش بھی کی جس سے اسے اپنی حربی ٹیکنالوجی کو بہتر بنانے میں مدد ملی۔ اور اس کے ساتھ اس کو اپنے اسلحہ کی کھپت کی کئی منڈیاں مل گئیں۔ مزید یہ کہ اسلحہ کے استعمال کے مضر اثرات سے بھی ان نے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ چنانچہ

تیسری دنیا اور بالخصوص مسلم دنیا کی افرادی طاقت کو بے دریغ ایندھن بنایا گیا۔ علاوہ ازیں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ امت مسلمہ کو اس کے دیرینہ مسئلہ سے غافل کرنے کی کامیاب مہم چلائی گئی۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء سے مسئلہ فلسطین اور سانحہ مسجد اقصیٰ طاق نسیان میں رکھ دیا گیا۔ اور مسلم دنیا کی توجہات دیگر مسائل میں الجھا دی گئی..... (سیریز نمبر ۱۸۳ ص ۵۴، ۵۵)

جہاں تک اسلحہ کی آزمائش کا تعلق ہے افغانستان میں روسی فوجوں کی آمد کے بعد روس مخالف عناصر کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ روس اپنے جدید اسلحہ کی آزمائش کیلئے افغانستان آیا ہے۔ حتیٰ کہ روسی فوجوں کی واپسی کے بعد خود روس نواز عناصر کا پروپیگنڈہ یہی تھا کہ روس صرف اپنے جدید اسلحہ کے تجربات کیلئے آیا تھا۔ وہ کہ چکا اس لئے واپس چلا گیا۔ یہ اس کی شکست نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ۱۹۸۰ء سے جہاد افغانستان شروع ہوا۔ کیا جناب اعوان یہ بتانے کی زحمت اٹھائیں گے کہ فلسطین کے اہم اور عالمی مسئلہ کی طرف سے توجہ ہٹانے کیلئے عملی پیش رفت کس نے کی؟ کیا افغان مجاہدین نے روسی فوج کو دعوت دی تھی کہ آؤ ہم آپس میں دنگل مچا کر مسئلہ فلسطین کو طاق نسیان میں رکھ دیں؟ آخر فکری حضرات افغانستان کے اندر روسی جارحیت اور ناجائز قبضہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیوں نہیں؟ کیوں وہ اس کے دفاع کیلئے مذہبی طبقات اور جہادی قوتوں کے خلاف زہرا گل رہے ہیں؟ ہم فکری حضرات کو دعوت دیتے ہیں کہ خدا را اپنا طرز عمل بدلے۔ نہ قرآن و سنت کی تفسیر بالرائے سے قوم کو گمراہ کیجئے نہ تاریخ مسخ کیجئے۔ اور نہ قوم کے سادہ لوح بچوں کے شعور کے نام پر اشتراکیت کی گود میں ڈالئے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو حقیقی شعور، ایمانی فراست، قرآنی فہم اور جہادی ذوق و جذبہ نصیب فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

برصغیر میں اسلام کی آمد و اشاعت اور اسلامی عقائد و نظریات

تحقیق و تالیف: مولانا عبدالحق خان بشیر (صفحات: ۱۹۲)

مقدمہ: اہل سنت کا عنوان، اہل سنت کی پہچان، اہل سنت کے اصول، اہل سنت کا فیضان

پہلا مقالہ: ”تقلید فقہاء اربعہ تاریخ کے آئینہ میں، عہد خیر القرون سے عصر حاضر تک“ تدوین فقہ اور مقلدین..... امام اعظم ابوحنیفہؒ..... تدوین فقہ مالکی..... تدوین فقہ شافعی و حنبلی..... تیسری صدی اور مقلدین ائمہ اربعہ..... چوتھی تا تیرھویں صدی اور مقلدین ائمہ اربعہ..... ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی پر اجماع..... امام ابوحنیفہؒ کے لیے ”امام اعظم“ کا لقب..... غیر مقلدین سے ایک سوال۔

دوسرا مقالہ: ”برصغیر میں اسلام کی آمد و اشاعت“..... سرزمین ہند کی تاریخی حیثیت..... ہندوستانی راجہ کا تختہ..... غزوہ ہند کی نبوی پیشین گوئی..... سرانند پک کا وفد مدینہ میں..... ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد..... ہندوستان میں حنفی مذہب کی آمد..... برصغیر پاک و ہند میں علماء و سلاطین..... پرتھوی اور غوری میزائل.. آزادی مسجد اقصیٰ.. کشمیر میں اشاعت اسلام..... فتنہ ترک تقلید اور مجدد الف ثانی.. غیر مقلدیت کا بانی.. کیا خاندان ولی الہی غیر مقلد تھا؟ سنی مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ۔

تیسرا مقالہ: ”علمائے اہل سنت دیوبند کا تاریخ ساز کردار، افکار و خدمات کے آئینے میں“.. پہلا دور: قیادت حضرت مجدد الف ثانی.. دوسرا دور: قیادت شاہ ولی اللہ تیسرا دور: قیادت سید احمد شہید.. چوتھا دور: قیادت مولانا محمد قاسم نانوتوی.. پانچواں دور: قیادت حضرت شیخ الہند.. چھٹا دور: قیادت تلامذہ شیخ الہند.. سیاسی خدمات: اکبر کا دین الہی، مغل اقتدار کا زوال، تحریک بالاکوٹ، جنگ آزادی، قیام دارالعلوم دیوبند، تحریک ریشمی رومال، تحریک خلافت، جمعیت علماء ہند، مجلس احرار اسلام، تحریک مدرّح صحابہ، تحریک قیام پاکستان..... علمی خدمات: تفسیری، حدیثی، فقہی، تبلیغی خدمات.. روحانی خدمات.. فکری خدمات.. علمائے اہل سنت دیوبند فتنوں کے تعاقب میں: فتنہ ترک تقلید، رافضیت، خارجیت، بریلویت، انکار حیات النبی، قادیانیت، انکار حدیث، مودودییت، انکار تصوف

چوتھا مقالہ: عقائد اہل السنۃ والجماعۃ: وجود و توحید، کتب، فرشتے و جنات، انبیاء، ختم نبوت، حیات انبیاء، کلمہ، معجزات، توسل، حدیث و سنت، توہین رسالت، صحابہ، اہل بیت، خلافت راشدہ، مشاجرات صحابہ، فسق یزید، اجماع، قیاس، تقلید، تصوف، بدعات و رسومات، ظہور مہدی، دجال، نزول مسیح، برزخ، ایصال ثواب، قیامت، شفاعت، جنت، دوزخ، رویت، تقدیر

.....مولانا عبدالحق خان بشیر کی زیر ترتیب کتب.....

امام اہل سنت کے عقائد و نظریات..... تحقیق اور اصول تحقیق کے آئینے میں

کیا زندے بھی نہیں سنتے؟ (بجواب، کیا مردے سنتے ہیں؟)

ترک تقلید کی خوفناک تحریک..... عبرتناک انجام

قانون توہین رسالت اور قادیانی، غامدی تحریکیں

مجدد الف ثانی سے..... غلام غوث ہزاروی تک

سلاسل طریقت..... اور..... ائمہ رشد و ہدایت

تحریک انکار حیات الانبیاء کا گولڈن جوبلی

عبارات اکابر پر سیا لوی حملہ کی حقیقت

خطبات بشیر..... فی سیرت سراج منیر

حرم نبویؐ سے کربلائے معلیٰ تک

مقالات بشیر بر حالات عالمگیر

فکر سندھی حقائق کے آئینہ میں

میثاق انبیاء سے امام انبیاء تک

گنبد خضریٰ سے مقام محمود تک

حیات قاضی مظہر حسینؒ

ضرب بشیر بر فکر پنج پیر

صفحات	مولانا عبدالحق خان بشیر کی تالیفات (0312-4612774)
320	مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکر ولی الہی (پہلا ایڈیشن)
192	برصغیر میں اسلام کی آمد و اشاعت اور اسلامی عقائد و نظریات
344	حق پرست علماء کے جاوید احمد غامدی سے ناراضگی کے اسباب
208	مرزا قادیانی کا فقہی مذہب: حقیقت یا غیر مقلدیت؟
184	نماز تراویح اور مذاہب اہل حدیث
95	قادیانی نبوت کے نشیب و فراز
160	قادیانیوں کے حق میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ
84	مقصد بعثت اور رسومات میلاد
98	ایاز امیر کی ڈبل گیم: ووٹ مسلمانوں کا، وکالت قادیانیوں کی
48	(فکری، عملی، اخلاقی اصلاح کے لیے) تحفہ چہل حدیث
24	غازی ممتاز قادری اور نوٹ لگنی حکومت کا مقدمہ ملت اسلامیہ کی عدالت میں
64	اسرائیلی ریاست اور اسلامی نظریہ، غامدی، شیرانی اور عمار ناصر
30	نائن الیون، نائن سیون (قادیانی فتنہ اور امریکی بد معاشی)
40	پاکستان ایک مذہبی ریاست یا سیکولر ریٹ
32	امریکی صدر اور سعودی سلطان کی خط و کتابت (مسئلہ فلسطین کی تاریخ)
32	امام اہل سنت کا مسلک اعتدال اور عمار خان ناصر
32	جاوید احمد غامدی سے اختلاف کیا ہے؟
216	تنظیم فکر ولی الہی اپنے افکار کے آئینے میں (طبع دوم)
24	برصغیر میں عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور تحریک آزادی کشمیر
128	علمائے دیوبند کا عقیدہ حیات النبی اور مولانا عطاء اللہ بندگان لوی
72	علمائے دیوبند کا عقیدہ حیات النبی اور مولانا سخی دادخوئی کے فکری تضادات
	نون لگنی وزیر خزانہ مفتاح اسماعیل کی قادیانیت نوازی
	مسئلہ حیات النبی اور علاقہ چھچھ کے علماء کا اعلان حق